بانیٔ درسِ نظامی

استاذ الہند مُلّا نظام الدین محمد انصاری فرنگی محلی
کے حالاتِ زندگی پر مکمل کتاب

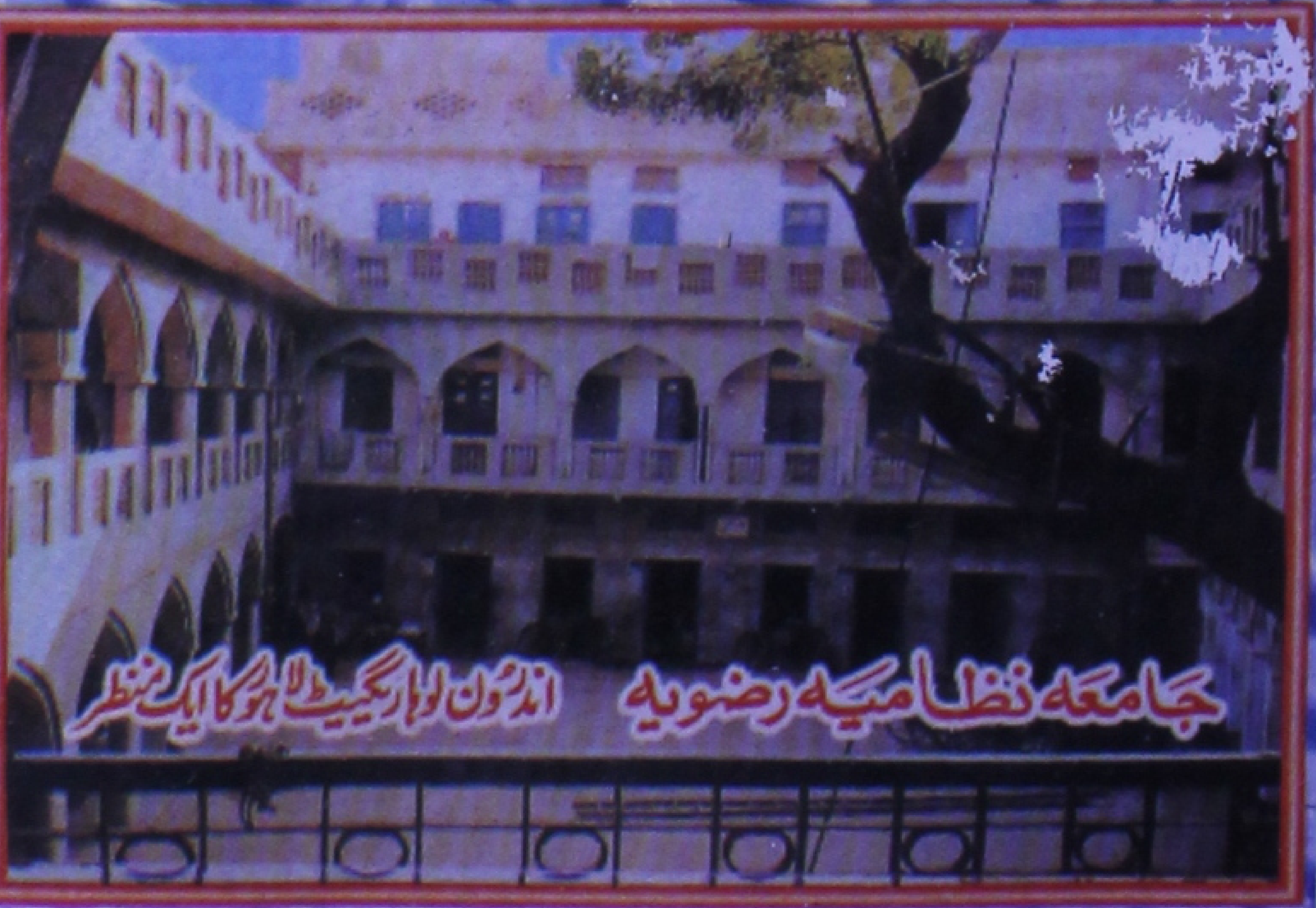

تحریر: محمد رضا انصاری فرنگی محلی

نظرثانی: فقیر اثر انصاری فیض پوری

Marfat.com

سلسلۂ تاریخ فرنگی محل (۱)

بانیٔ درسِ نظامی

اُستاذُ الہند مُلّا نظامُ الدّین محمدؒ انصاری (فرنگی محلی)

وفات ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء

محمد رضا انصاری فرنگی محلی

نظرِ ثانی :- محمد اثر انصاری فیض پوری

منگوانے کا پتہ

انصاری فاؤنڈیشن پاکستان فیض پور خورد ضلع شیخوپورہ نزد لاہور، شرقپور روڈ پنجاب

اثر منزل (انصاری ہاؤس)

Marfat.com

اُتر پردیش اُردو اکاڈمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

دوسری تصانیف :-

(۱) ادب الجاہلی۔ (ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی کتاب الادب الجاہلی کا ترجمہ صفحات ۶۱۰۔ ۲۲×۱۸/۸
(ناشر: انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سنہ ۱۹۳۶ء)

(۲) مجذوب اور ان کا کلام (ناشر: فرنگی محل کتاب گھر صفحات ۱۲۸۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سنہ ۱۹۵۷ء)

(۳) فتاویٰ فرنگی محل (ناشر: فرنگی محل کتاب گھر صفحات ۲۷۵۔ ۲۰×۲۶/۸۔ سنہ ۱۹۶۵ء)

(۴) حج کا سفر (ناشر: فرنگی محل کتاب گھر۔ صفحات ۳۴۴۔ ۲۰×۳۰/۱۶۔ سنہ ۱۹۶۶ء)

بانیِ درسِ نظامی : ... ... صفحات ۳۰۴

طابع : ... ... نامی پریس۔ نخاس۔ لکھنؤ

خوش نویس : ... ... سید مظفر حسن عرف نوابو صاحب

تعداد اشاعت : ۶۵۰

باراول تاریخ اشاعت : ... ... یکم دسمبر سنہ ۱۹۷۳ مطابق ۶ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۳ھ

باردوم : دسمبر سنہ ۲۰۰۱ تعداد ۵۰۰

قیمت : ... ... ۱۰۵ روپے

امتیاز فیاض پریس لاہور پاکستان

ملنے کے پتے :-

(۱) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پبلی کیشنز ڈویژن، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

(۲) صدق بک ایجنسی، کچہری روڈ۔ لکھنؤ

(۳) فرنگی محل کتاب گھر۔ ۹ فرنگی محل۔ لکھنؤ ۳

(۴) انصاری فاؤنڈیشن پاکستان ھیفں پور خورد ضلع شیخوپورہ پاکستان

Marfat.com

نذرِ عقیدت و احترام

بحضور

اساتذۂ کرام

۱۔ حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء) (بسم اللہ ان ہی کی زبان مبارک سے ہوئی)

۲۔ مولوی محمد بشیر مرحوم مدرس ناظرہ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل (پارۂ عمّ اور آٹھ کے دو رکوع پڑھائے)

۳۔ حافظ واجد علی بیدان پوری مرحوم مدرس درجہ حفظ مدرسہ نظامیہ (بیس پارے حفظ کرائے)

۴۔ حافظ غلام مصطفےٰ جہانگیر آبادی مرحوم " " " " (بقیہ پارے حفظ کرائے)

۵۔ عمّ ابی مولانا محمد سلامت اللہ فرنگی محلی مرحوم (م ۱۹۳۲ء) مدرس اعزازی مدرسہ نظامیہ (فارسی کی پہلی کتاب اور گلستان بوستاں پڑھائی)

۶۔ والد ماجد مولوی محمد سخاوت اللہ مرحوم (م ۱۹۴۷ء) " " (گلستاں بوستاں پڑھائی اور حساب سکھایا)

۷۔ عمّ ابی مولانا مفتی محمد عنایت اللہ مرحوم (م ۱۹۴۱ء) افسر مدرس مدرسہ نظامیہ (نحو میر، شرح مأتہ عامل ہدایۃ النحو، صغریٰ کبریٰ، شرح تہذیب، قطبی مع میر، میرزاہد ملا جلال، میرزاہد رسالہ، شرح چغمینی، شرح عقائد نسفی، شمائل ترمذی، موطا امام محمد، مشکوٰۃ، شرح عقائد جلالی، تفسیر بیضاوی، مسلم الثبوت اور شمس بازغہ پڑھائی)

۸۔ ابن عمۃ ابی مفتی محمد عبدالقادر مرحوم (م ۱۹۵۹ء) مدرس مدرسہ نظامیہ (فصول اکبری، کنزالدقائق، شرح وقایہ اولین، مختصر المعانی، نورالانوار، ہدایہ اخیرین، ملا حمد اللہ، سراجیہ، مطول پڑھائی)

۹۔ ابن عمۃ ابی مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی مرحوم (م ۱۹۵۲ء) منصرم مدرسہ نظامیہ (تفسیر مدارک پڑھائی)

۱۰۔ عمی مولانا محمد صبغت اللہ شہید انصاری مرحوم (م ۱۹۶۲ء) مدرس مدرسہ نظامیہ (اردو املا لکھایا اور

Marfat.com

قصیدہ بُردہ مقامات حریری، حماسہ، سبعۂ معلقہ، دیوان متنبی اور صدرا پڑھائی)

۱۱۔ مولانا سید علی زینبی مرحوم مدرس شعبۂ علوم مشرقیہ لکھنؤ یونی ورسٹی ("عالم" اور "فاضل ادب" کا کورس یونی ورسٹی میں اور اپنے گھر پر پڑھایا)

۱۲۔ مولوی حافظ محمد روح اللہ ادیب فرنگی محلی مرحوم (م ۱۹۶۲ء) مدرس و نائب منتظم مدرسۂ نظامیہ (میزان الصرف، پنج گنج، زبدہ، فقہ اور عقائد کی پہلی کتابیں اور بوستاں پڑھائی)

۱۳۔ عمی و ابن عم ابی مولانا مفتی حافظ محمد شفیع حجت اللہ انصاری مدظلہ مدرس مدرسۂ نظامیہ (ابتدائی عربی، جامیٹری، اقلیدس، تصریح، شرح جامی، ہدیہ سعدیہ، میبذی، رشیدیہ (مناظرہ) اور ملا حسن پڑھائی)

۱۴۔ مولوی قاری جلیل الرحمٰن اعظمی مدظلہ مدرس ادب مدرسۂ نظامیہ (عربی ادب کی ابتدائی کتب الطریقۃ المتبکرہ، نیز کلیلہ و دمنہ پڑھائی۔

۱۵۔ مولانا سید علی نقی النقوی مجتہد مدظلہ ("عالم" اور فاضل ادب کا کورس لکھنؤ یونی ورسٹی میں اور اپنے گھر پر پڑھایا اور کتاب الاغانی کے چند اسباق پڑھائے)

۱۶۔ ڈاکٹر مولانا مصطفیٰ احسن علوی کاکوروی مدظلہ ("عالم" اور فاضل ادب کا کورس لکھنؤ یونیورسٹی میں پڑھایا)

۱۷۔ مولانا مولوی حیات اللہ انصاری مدظلہ (حساب و جغرافیہ مدرسۂ نظامیہ میں اور انگریزی کی ابتدائی کتابیں اپنے گھر پر پڑھائیں)

۱۸۔ مولوی محمد ثناء اللہ مدظلہ (ابتدائی اردو کتابیں پڑھائیں حساب اور املا سکھایا)

۱۹۔ مولوی خواجہ نظام الدین مدظلہ (نقل نویسی اور خوش خطی سکھائی)

۲۰۔ قاری طالب الحق صاحب (دوران حفظ قرآن میں، چند ہفتے تجوید سکھائی)

۲۱ قاری اصغر حسین صاحب (" " " ")

Marfat.com

فہرست

الف۔ انتساب ۳

ب۔ اظہار ضروری ۷

ج۔ بنیادی ماخذ ۱۲

۱۔ ترک وطن ــــ ۱۷

۲۔ والد ماجد ملا قطب الدین شہید سہالوی ــــ ۱۹ــــ ۵۰

شہادت (۲۱) محضر (۲۹) نسب (۳۴) اساتذہ (۴۳) تلامذہ (۴۴)

تصانیف (۴۶) اولاد (۴۹)

۳۔ لکھنؤ ــــ ۵۱ــــ ۵۸

۴۔ ملا نظام الدین محمد ــــ ۵۹ــــ ۶۲

اساتذہ (۶۱)

۵۔ فرنگی محل ــــ ۶۳ــــ ۸۶

فرمان اورنگ زیب (۶۷)

۶۔ درس گاہ اور تلامذہ ــــ ۸۷ــــ ۱۳۹

ٹیلہ شاہ پیر محمد صاحبؒ (۸۸) میراں کمال الدین (۹۰) تین بھتیجے (۹۰)

ملا کمال الدین سہالوی (۹۱) ملا بحر العلوم (۱۰۳) ملا احمد حسین فرنگی محلی (۱۲۵)

Marfat.com

غفراں مآب (۱۲۸) ملا حسن فرنگی محلی (۱۳۱) ملا محمد ولی فرنگی محلی (۱۳۵)
ملا مبین فرنگی محلی (۱۳۶)

۷۔ شادی، اولاد، تصانیف اور وفات ــــ ۱۴۰ ــــ ۲۲۴

وفات (۱۹۹) مزار مبارک (۲۰۴) سالانہ فاتحہ (۲۰۶) قیام گاہ (۲۰۶)
مدرسۂ نظامیہ (۲۰۹) تصانیف (۲۱۵)

۸۔ پیر و مرشد حضرت شاہ سید عبدالرزاق بانسوی ــــ ۲۲۵ ــــ ۲۵۶

سید صاحب بانسوی رح کا عہد (۲۴۲) اور ملا محمد رضا (۲۴۶)
مفقود الخبری (۲۵۴)

۹۔ درس نظامی ــــ ۲۵۷ ــــ

۱۰۔ ضمیمہ ــــ ۲۷۹ ــــ

۱۱۔ اشاریہ ــــ ۲۸۱

(الف) اشخاص (۲۸۲)
(ب) کتابیات (۲۹۴)
(ج) مقامات اور ادارے (۲۹۹)

حضرت علامہ مفتی علی احمد سندھیلوی راوی روڈ لاہور کے ذاتی کتب خانے میں کتاب بانیٔ درس نظامی دیکھی۔ جو کہ محمد رضا انصاری نے استاذ الہند ملا نظام الدین محمد انصاری فرنگی محلی کے حیاتِ طیبہ پر لکھی۔ ناساعد حالات اور مالی بحران میں مجھے آلِ انصار کے بزرگ کے حالاتِ زندگی چھپوانے میں میرا جنون ذوق کام آگیا۔

عجز آگیں: فقیر اثر انصاری فیض پوری دسمبر سنہ ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اظہارِ ضروری

اس اعتراف میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہونا چاہیئے کہ بانیِ درسِ نظامی ، استاذ الہند ملا نظام الدین محمد (سہالوی ثم فرنگی محلی) کے سوانح نگار کے لیے، محض مضمون نگاری کی مشق اور اخبار نویسی کا تجربہ، کافی سندِ جواز نہیں! فنِ درس و تدریس کی ایک تاریخ ساز شخصیت، علمی تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے اس بانیِ خاندانِ فرنگی محل اور اس کے تلامذہ و اخلاف کے علمی و تدریسی کارناموں کے تفحص، علومِ عقلیہ و نقلیہ کے اس راہبر مصنف، اور ارشاد و سلوک کی رفعتوں کو چھونے والے اس مرشدِ سالک پر قلم اٹھانے کا ارادہ کرنے سے پہلے، اصولِ تعلیم کی جس ماہرانہ واقفیت، فنِ تاریخ کی جس نکتہ رسی، علومِ قدیمہ میں جس اتقان و استحضار اور تصوف کی جس گہری مزاج شناسی کی ضرورت ہونا چاہیئے اُن میں سے کسی ایک کا بھی حق ادا کرنے کا دعویٰ، اس قلم پر بالکل نہیں کھبتا جس سے یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں!!

حقیقتِ امر یہ ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اپنے دل کو، اس تمنا سے کبھی خالی نہیں پایا کہ خاندانِ فرنگی محل پر اس انداز سے کچھ لکھا جانا چاہیئے جو نسب نامے، یا خوش اعتقادی پر مبنی ایسے واقعات سے جن کا دستاویزی ثبوت پیش نہ کیا گیا ہو، مختلف قسم کا ہو۔

Marfat.com

خوش اعتقادی، تاریخ کے لیے قطعاً کوئی مُضر چیز نہیں، بشرطیکہ تاریخ کا عنصر ہر طرح حاوی رہے، لیکن تاریخ کی گزرگاہوں میں اب وہ پیچ وخم پیدا ہو چکے ہیں کہ راہ بر اور دلیلِ راہ کے بغیر قطعِ مسافت خالی از خطر نہیں۔ اس راہ کے ایسے راہ رو کے بارے میں، جو بغیر رہبر ورہنما کے چل کھڑا ہوا ہو، منزلِ مقصود تک پہنچ جانے کی توقع عبث ہی ہوگی، مگر یہ کہ ولولۂ مہم جوئی مہمیز کرتا رہے! عجب نہیں کہ پُرپیچ وادیوں سے بھی گزر دشوار نظر نہ آئے!! جس تمنا نے برابر دل میں اپنی جگہ بنائے رکھی اُس نے رفتہ رفتہ دُھن کی شکل اختیار کر لی، یہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، اسی دُھن کا نتیجہ اس کو سمجھنا چاہیے ؎

عشق دشوارست و شوقم رہنما راہ پُرخارست و آساں می روم

ملا نظام الدین محمد کی وفات (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) پر ان سطور کے قلم بند ہوتے وقت، عیسوی کلنڈر سے پورے سوا دو سو سال گزر چکے ہیں، اور اُن کے زمانۂ حیات کو بھی اس میں جوڑ لیا جائے تو پوری تین صدیاں بیتی نظر آئیں گی! نہیں کہا جا سکتا کہ ان تین سو برسوں میں بنیادی ماخذ کے کتنے اوراق اس طرح ادھر سے اُدھر ہو گئے ہوں کہ ان تک رسائی اگر ممکن ہے تو صرف 'محققین' کی، نہ کہ میدانِ تاریخ میں پہلے پہل قدم رکھنے کی جسارت کرنے والے کی!!

اگر یہ حقیقت بھی تسلیم ہے کہ تاریخ وسوانح 'سائنس' بن جانے کے باوجود اپنے ہیولیٰ کے اعتبار سے اصلاً علومِ نقلیہ ہی کی شاخیں ہیں، اور نقل میں چاہے وہ زبانی ہو یا خطّی 'روایت' ہی کا سکہ چلتا ہے، تو پھر جہاں تک تراجمِ رجال کا معاملہ ہے، اُن کے اُن اخلاف کی جسارت حق بجانب قرار دی جا سکتی ہے جو خاندان میں موجود اور محفوظ "روایات" سے استفادے کی سہولتیں زیادہ رکھتے ہیں۔

اسی خیال کے تحت، منتشر موادِ خاندانی، کو یکجا کرنے کا خواب، خاندان کے ایک ایسے فرد تک نے دیکھنے کا حوصلہ کیا جس کے اور سرگروہِ خاندان کے درمیان تاریخ کے بحرِ زخّار کی پوری تین صدیوں کا مد وجزر حائل ہو چکا ہے ؎

ہے آرزو کہ ابروئے پُر خم کو دیکھئے   اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

اپریل سنہ ۱۹۷۰ء کے وسط میں، جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) کی مجلس دینیات نے اُس وقت کے صدر شعبہ (الحاج) مولانا عبدالسلام قدوائی (اعزازی ناظم تعلیمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے ذریعہ ملا نظام الدین فرنگی محلی اور اُن کے 'درس' پر گھنٹہ سوا گھنٹہ کا ایک مقالہ پڑھنے کے لیے بلاوا دیا تو طبیعت کو آمادہ ہونے میں ادنیٰ تأمل بھی اس لیے نہیں ہوا کہ دیرینہ تمنا کے تحت دانہ دانہ کر کے انبار تیار کرنے کا شغل ایک عرصہ ہوا شروع ہو چکا تھا۔ مجلسِ دینیات کے بلاوے اور اس کے جلسے کے انعقاد کے درمیان صرف ایک ہفتہ کی مہلت تھی، یہ مختصر مہلت بھی بار نہیں محسوس ہوئی، مگر ۲۶ر اپریل کو ڈاکٹر سید عابد حسین کی صدارت میں ہونے والے جلسے میں جو مقالہ پڑھا اُس کی حیثیت محض ارتجالی تھی، اسی لیے جب ماہنامہ 'جامعہ' کے رکنِ ادارہ اور قدیم دوست جناب عبداللطیف اعظمی نے 'جامعہ' میں چھاپنے کے لیے اُسے طلب کیا تو اُن کی تعمیلِ ارشاد بغیر مکمل نظرِ ثانی کیے مناسب نظر نہ آئی، دوبارہ نظر کرنے کے خیال سے ابھی مسودہ رکھا ہی ہوا تھا کہ برادرِ عزیز ڈاکٹر محمد غوث انصاری فرنگی محلی (پروفیسر انتھراپالوجی، کویت یونی ورسٹی) کا بے شان و گمان ایک محبت نامہ ملا جس میں سفرنامہ حج "حج کا سفر" پر تبصرہ کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تھا کہ "اگر آپ اسی طرزِ تحریر میں، فرنگی محل کی علمی، سماجی اور سیاسی تاریخ پر ایک مختصر کتاب لکھ دیں تو ایک بڑی ضرورت پوری ہو جائے۔" ڈاکٹر غوث نے لکھنے کی ذمہ داری مجھ پر اور اُسے قارئین تک پہونچانے کی ذمہ داری اپنے سر رکھی، اپنی ذمہ داری کے سلسلے میں انھوں نے سبقت سے بھی کام لیا، تصنیف کے ابتدائی مراحل اُنھیں کے تعاون سے طے پائے۔

اس بے ساختہ تحریک کو تائیدِ غیبی جانتے ہوئے "مقالہ" چھوڑ "تاریخ مختصر" کی تالیف کی طرف کوششوں کی باگ موڑ دی، کام شروع کیا تھا "مختصر تاریخ فرنگی محل" کے مقصد کو سامنے رکھ کر ——— جو پوری تین صدیاں، اپنے دائرے میں لیے ہوئے ہے ——— مگر ہوا یوں کہ بانی اور سرگروہ خاندان فرنگی محل ملا نظام الدین محمد اور ان سے براہ راست متعلق بعض ضروری تذکرے اتنے پھیل گئے کہ

عنوانِ کتاب کو محدود کر دینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

بہرحال یہ محدود پیش کش بھی اصل مقصد کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو کسی سر بفلک عمارت کی تعمیر میں "نیو" اور "پہلی منزل" کا ہوتا ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ "تاریخ فرنگی محل" کی تالیف کا بیشتر کام مکمل ہو گیا ہے!!

اس سلسلے میں جو کچھ تیار ہوتا جاتا وہ دار المصنفین (اعظم گڑھ) کے ماہنامہ 'معارف' میں بالاقساط شائع بھی ہوتا جاتا، یہ سلسلہ جولائی سنہ ۱۹۷۰ء سے مارچ سنہ ۱۹۷۱ء تک بلا ناغہ چلتا رہا، جس کا مجموعہ معارف' کے دو سو مطبوعہ صفحات سے بھی بڑھ گیا، (پھر بعینہٖ یہی قسطیں روزنامہ قومی آواز (لکھنؤ) کے ہفتہ وار اڈیشن میں بھی شائع ہوئیں) اب ملا نظام الدین' پر کتاب کو پیش کرنے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی، جسے پورا کر کے طباعت کے مصارف کا تخمینہ جو بنوایا وہ زیادہ سے زیادہ اندازے سے بھی بہت سوا نکلا۔

حسنِ اتفاق کہ جس سال (۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ) ملا نظام الدین پر کتاب تیار ہوئی وہ سال' وہی تھا جس میں ملا نظام الدین کی ولادت پر تین صدیاں پوری ہو رہی تھیں' اس سال کی حیثیت "سہ صد سالہ جشنِ ولادت" کے سال کی تھی! اگر حالات سازگار رہتے اور اسی سال کتاب شائع ہو جاتی تو اس کی اہمیت موجودہ رجحانات کے پیشِ نظر اور بھی ہوتی!! ایسی رکاوٹوں کی وجہ سے جن پر مرتب نیز محرک (ڈاکٹر غوث مسلم) کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا، مرحلۂ طباعت تک پہونچتے پہونچتے تین سال لگ گئے اور ان چند برسوں کے اندر ہندوستان میں ہر تخمینہ' خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

نو تشکیل اتر پردیش اردو اکادمی نے مسودات کی اشاعت کے لیے مصنفین کے ساتھ 'مالی اشتراک' کی جو مد رکھی ہے اس کا ضابطہ یہ مقرر کیا کہ وہ تخمینے کے پچاس فیصدی سے زیادہ نہ ہوگا، اور جب "سب کمیٹی" کے جلسے میں اس سفنے کے لیے مالی اشتراک' پر غور ہوا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی امداد ایک ہزار روپئے سے زیادہ بہرحال نہ دی جائے گی (سوائے ایک آدھ صورت کے جس کو اس حد بندی سے مستثنیٰ رکھا گیا)۔

Marfat.com

اُردو اکاڈمی کے مالی اشتراک پر ___ جو اگرچہ تخمینے کے ایک تہائی کے برابر بھی نہیں ثابت ہوا ___ شکریہ ادا کرنا درخواست دہندہ کے اولین فرائض میں ہے!

مسلم یونی ورسٹی کے پرو وائس چانسلر پروفیسر خلیق احمد نظامی (ڈین فیکلٹی دینیات مسلم یونیورسٹی) کے سامنے اس صورت حال کو پیش کیا، اُس بجٹ کے ختم ہو چکنے کے باوجود' جو ممبران فیکلٹی کی تصانیف کی اشاعت کے لیے ہر سال رکھا جاتا ہے' انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے تعاون کا وعدہ کیا جس کی صورت یہ تجویز کی کہ مسلم یونی ورسٹی کے "پبلی کیشنز ڈیپارٹمنٹ" کے فنڈ سے کتاب کے اتنے نسخوں کی قیمت پیشگی ادا کر دی جائے جو اشاعت کے لیے درکار ما بقی ضروریات کے لیے کفیل ہو جائے۔

مسلم یونی ورسٹی اور پرو وائس چانسلر کے اس مصنف نواز تعاون کو جس نے راہ کی سب زحمتوں کو دور کر دیا، رسمی شکریہ سے یقیناً بالاتر رہنا چاہیئے! اس طرح کے تعاون کی نظیریں مسلم یونی ورسٹی میں تیار کیے جانے والے تحقیقی مقالات (تھیسز) کے سلسلے میں تو ضرور پائی جاتی ہیں، مگر یہاں صورت حال ان نظائر سے یکسر مختلف تھی، اس بنا پر، مسلم یونی ورسٹی نے تعاون کا جو ہاتھ بڑھایا ہے اُسے اس کتاب کے حق میں شریکِ غالب قرار دینا محض رسمی بات نہیں ہے ؎

ما، بداں مقصدِ عالی نتوانیم رسید
ہم، مگر پیش نہد، لطفِ شما گامے چند

محمد رضا انصاری فرنگی محلی

لکچرر شعبۂ دینیات (سنی)

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

۱۰ اگست سنہ ۱۹۷۳ء
۱۰ رجب سنہ ۱۳۹۳ھ

آفتاب ہوسٹل
وارڈن روم
علی گڑھ

Marfat.com

بنیادی مآخذ کے بارے میں

خاندانِ فرنگی محل کے افراد نے شروع ہی سے روایات اور چشم دید واقعات کو یک جا کرنے کا فریضہ پیشِ نظر رکھا، ہمارے لیے ان واقعہ نگاروں میں مقدم ترین مولانا عبد الاعلیٰ (بن بحر العلوم بن ملا نظام الدین) ہیں، جن کی وفات ۱۲۰۰ھ/۱۷۹۰ء میں ہوئی ــــ خاندان کے سہالی (ضلع بارہ بنکی) سے فرنگی محل (لکھنؤ) میں آباد ہونے کے پورے ایک سو دو سال بعد! اُنھوں نے پہلی پشت (ملا نظام الدین اور اُن کے بھائیوں) کو تو بے شک نہیں پایا لیکن دوسری پشت کے بہت سے اُن حضرات کا طویل عرصہ پایا جو پشتِ اول کے سائے میں پروان چڑھے تھے، مولانا نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ، احوالِ خاندانی پر مع شئ زائد، تحریر کیا جس کا نام "الرسالة القطبية فی بیان احوال الفرق النظاميه" ہے۔ (یہ فارسی تصنیف ہنوز مخطوطہ کی شکل میں ہے) مختصر ہونے کے باوجود یہ رسالہ (جسے آئندہ "رسالہ قطبیہ" کے نام سے یاد کیا جائے گا) تاریخ فرنگی محل کا بنیادی ماخذ ہے۔

مولانا عبد الاعلیٰ کی دوسری تصنیف محاسنِ رزاقیہ (فارسی) ہے، یہ ملا نظام الدین کی تصنیف "مناقبِ رزاقیہ" (فارسی) کی شرح ہے، اس میں بھی بہت سے اہم خاندانی اذکار جستہ جستہ درج ہیں! پہلی تصنیف قطعاً اور دوسری تصنیف غالباً اسی صدی میں مکمل ہوئی جو ملا نظام الدین کی صدی تھی (بارھویں صدی ہجری یا اٹھارویں صدی عیسوی) ان دونوں تصانیف کے اختصار نے اُن بہت سے سوالوں کو تشنہ چھوڑ دیا، جو آج تاریخی گتھی کا روپ دھار چکے ہیں۔

مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے، (۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء تا ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) جنھوں نے نوجوانی میں علمائے فرنگی محل کی دوسری پشت کو پایا مگر یہ خود خاندان کی پانچویں پشت میں تھے۔ مناقبِ رزاقیہ (مصنفہٗ ملا نظام الدین) کی از سرِ نو ترتیب کی، ملا صاحب نے یہ تصنیف اپنے پیر و مرشد کے احوال میں کی تھی، مولانا ولی اللہ نے اسی مواد کو بہت تفصیل سے صفحات پر پھیلایا اور ملا صاحب کے پیر و مرشد کے خلفاء کے حالات، نیز ملا صاحب کے والدِ ماجد ملا قطب الدین شہید سہالوی کے حالات کا بھی اس میں اضافہ کیا، ضمنِ خلفاء میں علمائے فرنگی محل، کی پہلی پشت کے بعض اکابر (ملا نظام الدین اور ملا محمد رضا) اور دوسری پشت کے دو بزرگ ملا احمد عبد الحق اور اُن کے چھوٹے بھائی ملا عبد العزیز کے اذکار بھی آ گئے، اس طرح علمائے فرنگی محل اور اُن کے مورثِ اعلیٰ کی تاریخ کے ابتدائی اوراق کچھ تفصیل کے ساتھ قلم بند ہو گئے، یہ تصنیف جس کا نام عُمدۃ الوسائل للنجاۃ (فارسی) ہے، فرنگی محل کے آباد ہونے (۱۱۰۵ھ/۱۶۹۴ء) پر ایک سو چار سال پورے ہوتے وقت مکمل ہوئی، (۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں) یعنی اس عیسوی صدی میں جس کو ملا نظام الدین کی صدی سے ہم نے تعبیر کیا ہے (اٹھارویں صدی عیسوی)۔ یہ بھی مخطوطہ کی شکل میں ہے!

مولانا ولی اللہ نے ایک اور فارسی رسالہ تصنیف کیا جس کا نام اُغصان الاربعہ للشجرۃ الطیبۃ ہے، یہ شجرۂ خاندانی کا درجہ رکھتا، اگر اس کا بڑا حصہ اپنے پیر و مرشد (اور جدِ حقیقی کے حقیقی چھوٹے بھائی) مولانا احمد انوار الحق (وفات ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء) کے تفصیلی حالات پر مشتمل نہ ہوتا جس کے ضمن میں خاندان سے متعلق کچھ تاریخی مواد بھی اکٹھا ہو گیا، یہ رسالہ مع تکملہ (از مولانا انعام اللہ فرزندِ اکبر مصنفِ رسالہ) طبع ہو چکا ہے، اغصانِ اربعہ کی تصنیف ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں مکمل ہوئی جب کہ مصنف کی عمر پورے ستر سال کی تھی، اور ملا صاحب کی وفات پر نوے برس گزر چکے تھے!

علمائے فرنگی محل کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ وہ قدیم دستاویزیں ہیں جو شاہی فرامین و پروانہ جات دورِ حضر وغیرہ پر مشتمل ہیں، دونوں مذکور مورخینِ فرنگی محل نے ان سے استفادہ ضرور کیا ہو گا، مگر ان کو بعینہٖ تاریخ کی روشنی میں نہیں لائے، ان دستاویزوں میں مددِ معاش کے فرامین و پروانہ جات

بھی ہیں اور عطائے حویلی فرنگی محل کا عالم گیری فرمان بھی، نیز شہادت ملا قطب الدین سہالوی کے فوراً بعد لکھا جانے والا محضر بھی، جسے پچھتر سے زیادہ دستخطوں اور مُہروں کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ یہ قدیم دستاویزیں مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ کے اخلاف کے پاس محفوظ ہیں!

اگلے صفحات میں 'محضر' اور عالم گیری فرمان کے عکس پہلی بار پیش کیے جارہے ہیں، 'محضر' کا عکس نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے، اصل محضر کے حصول سے مایوسی کے بعد، اس کی مکمل نقل ہی پر اکتفا کرلینا پڑی تھی، جو محض اتفاق سے مل گئی تھی، جب مسودہ پریس کے حوالے کیا جارہا تھا اصل محضر کا ایک عکس اچانک ہاتھ آگیا۔ اس عکس کا عکس شامل کیا جارہا ہے،

شمس العلماء مولانا محمد نعیم نے (وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء لگ بھگ ستر سال کی عمر میں) خاندان فرنگی محل کے نسب اور علمی خدمات پر بڑی تحقیق سے مواد شائع کرنے کے قصد ہی سے جمع کیا تھا، مگر یہ مقصد پورا نہ ہوسکا، شمس العلماء کے موجودہ جانشین مولانا ابو الفخر محمد ناصر فرنگی محلی کے پاس "بیاض" اور 'کشکول' کی صورت میں یہ ہنوز موجود ہے، اس مواد نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی مدد پہنچائی، اسی میں ملا نظام الدین فرنگی محلی کے قلم کی لکھی بعض تحریریں بھی ہیں جن میں سے بعض کے عکس بھی اس کتاب میں شامل کرلیے گئے ہیں۔

مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی (۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء تا ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) کی علمائے فرنگی محل پر تصنیف "خیر العمل بتراجم علمائے فرنگی محل" (عربی) ہے، یہ بھی مخطوطہ کی شکل میں رہی، یہاں تک کہ مفقود الخبر ہوگئی، اس کی ایک نقل مولانا عبد الحیؒ کے شاگرد اور عزیز مولانا عبد الباقی فرنگی محلی، مہاجر مدنی کے کتب خانہ میں مدینہ منورہ میں ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء تک تھی، وہیں اس کو ایک نظر دیکھ لینے کا موقع ہاتھ آیا تھا، اس تصنیف میں علمائے فرنگی محل کی علمی اور تصنیفی خدمات کا ذکر خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

مولانا قیام الدین محمد عبد الباری فرنگی محلی (۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء تا ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے علمائے فرنگی محل

Marfat.com

کے حالات بہ لحاظ حروف تہجی عربی میں تحریر کیے تھے جو "آثار الاول من علماء فرنگی محل" کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، اس کی تصنیف کے وقت مولانا عبد الحیٔ کی "خیر العمل" کا اصل مسودہ مولانا عبد الباری کے پیش نظر تھا، بعض بعض مقامات پر مصنفِ 'آثار الاول' نے 'خیر العمل' کی عبارتیں بطور اقتباس نقل بھی کر دی ہیں۔

مولانا عبد الباری نے اُردو میں بھی ایک کتاب "تاریخ فرنگی محل" کے نام سے لکھی تھی، جو ایک دوسری تصنیف "فتاویٰ قیام الملۃ والدین" کے مقدمے کے طور پر لکھی گئی تھی، "فتاویٰ" میں علمائے فرنگی محل کے جوابات استفتا یکجا کیے جا رہے تھے، اسی لیے اُن علماء کے مختصر حالات بطور مقدمۂ فتاویٰ لکھے گئے تھے۔ "فتاویٰ" کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے اور "مقدمہ" ہنوز مسودۂ مصنف کی شکل میں موجود ہے۔

"تذکرۂ علمائے فرنگی محل" (اردو) اس سلسلے کی آخری کڑی ہے، اسے مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی (وفات ۱۳۶۱ھ) نے ۱۹۳۰ء / ۱۳۴۸ھ میں لکھا تھا، یہ شائع ہو چکا ہے، (مولانا کے پیش نظر بھی 'خیر العمل' از مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کا مسودہ تھا) "اسلاف و اخلاف" کا نسبی تذکرہ اس کا مرکزی نقطۂ خیال تھا، مگر علمائے فرنگی محل کی علمی خدمتوں کا بھی ذکر اس میں ہے، اور آخری دور میں علمائے فرنگی محل نے جو ملی اور ملکی سیاست کی خدمت کی اُس کا بھی حوالہ اس میں شخصی حیثیت سے ہے نہ کہ تاریخی حیثیت سے! "تذکرۂ علمائے فرنگی محل" کو شائع ہوئے چالیس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

مذکورہ تصانیف، علمائے فرنگی محل کے احوال و اذکار ہی کے موضوع سے مختص ہیں، ان کے علاوہ تراجم و احوالِ رجال کے موضوع پر جو دوسری تصانیف ہندستان میں ہوئی ہیں اُن میں دیگر مشاہیر ہند کے دوش بدوش مشہور علمائے فرنگی محل کے اذکار بھی ہیں، ان میں علامہ غلام علی آزاد بگرامی (وفات ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء) کی تصانیف سبحۃ المرجان (مطبوعہ) اور مآثر الکرام (مطبوعہ)، مولوی رحمان علی کی تصنیف تذکرۂ علمائے ہند (مطبوعہ) مولانا حکیم سید عبد الحیٔ حسنی رائے بریلوی (وفات

(وفات ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کی عظیم و ضخیم تصنیف نزہۃ الخواطر (مطبوعہ) مولوی وجیہ الدین اشرف لکھنوی کی ضخیم تصنیف بحر زخار (مخطوطہ) اور مولانا فضل امام خیرآبادی (وفات ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) کی تصنیف آمد نامہ کا ایک باب جو علمائے جوار کے حالات میں ہے (مخطوطہ) قابل ذکر ہیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور مخطوطے کا ذکر بھی ضروری ہے، جس کا نام اغصان الانساب (فارسی) ہے، مصنف رضی الدین محمود انصاری فتح پوری۔ یہ جو علمائے فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ملا قطب شہید کے بنی اعمام کی اولاد میں ہے ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں اپنے خاندان کی شاخ کے حالات لکھے تھے، ہم نسبی اور باہمی ازدواج کے تسلسل کی وجہ سے 'اغصان الانساب' کے مصنف نے بیشتر علمائے فرنگی محل کے حالات بھی اس میں درج کیے ہیں۔

ایک مختصر مخطوطہ قرۃ الابصار فی نسب قطب الانصار (از مولانا عبدالباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی وفات ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) میں علمائے فرنگی محل کے نسب نامے پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے، اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ترکِ وطن

لُٹا ہوا کنبہ جس کا مورث اور سرپرست، اشقیا کی اچانک یلغار میں اپنے گھر کے اندر گھر والوں کی نگاہوں کے سامنے شہید ہو چکا تھا جب دارالبوار سے مسکنِ عافیت کی طرف جا رہا تھا تو اس میں ایک چودہ سالہ یتیم بھی تھا جو اپنے بڑے بھائی، والدہ، اور چھوٹے بھائی بھتیجوں کے ساتھ ایسی سمت گام زن تھا جس کی منزلِ مقصود خواہ طے پا چکی ہو، لیکن اس ہجرت اور ترکِ وطن کا مستقبل پورے دھندلکے میں تھا۔

اس یتیم کی، اس آوارۂ وطن قافلہ میں اس سے زیادہ کیا اہمیت ہو سکتی تھی کہ ایک مظلوم خاندان کا ایک بچہ جس کا مستقبل پورے خاندان کے مستقبل کی طرح غیر واضح اور غیر یقینی ہے۔

یہ لٹا ہوا کنبہ مُلّا قطب الدین شہیدؔ سہالوی کا تھا۔

Marfat.com

والدِ ماجد

ملا قطب الدین شہید سہالویؒ

Marfat.com

ملا قطب الدین کی شہادت ۱۹ ؍رجب ۱۱۰۳ھ (مطابق ۲۷ ؍مارچ ۱۶۹۲ء) کو قصبۂ سہالی ضلع بارہ بنکی میں اُس وقت ہوئی جب وہ طلوعِ آفتاب کے بعد اپنی محلسرا کے دیوان خانہ میں جو "مدرسہ" کہلاتا تھا، درس و تدریس کے لیے بیٹھے تھے، اور طلباء کی محدود تعداد اُس وقت تک حاضر ہو پائی تھی:۔

برعادتِ قدیمہ از نماز فجر و وظائف فراغ اندوختہ در مدرسہ آمدہ بدرس جمعے از فضلاء حاضر الخدمت مشغول شدند چوں دو گھڑی روز برآمد اسد اللہ وغیرہ زمینداران گرد و پیش خانۂ مولوی را محاصرہ نمودند واز چہار طرفِ دیوار نقبہا زدہ اندرون درآمدند و مولوی را یک زخم تبر و یک زخم تفنگ و ہفت ضرب شمشیر بر رو رسانیدہ شہید ساختند و شیخ غلام محمد نبیرۂ زبدۃ الاولیاء بندگی شیخ نظام الدین ساکن امیٹھی

روزانہ کے معمول کے مطابق ملا قطب الدین فجر کی نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر اپنے مدرسے میں آئے اور حاضر خدمت فاضلین کو درس دینے میں مشغول ہو گئے، جب دو گھڑی دن گزر چکا تھا اچانک اسد اللہ وغیرہ جو آس پاس کے زمیندار ہیں، آئے اور ملا صاحب کے مکان کا محاصرہ کر لیا، چاروں طرف سے دیواروں میں نقب لگا کر گھر کے اندر گھس آئے، ملا صاحب کو تبر کا ایک زخم، گولی کا ایک زخم اور چہرے پر تلوار کے سات زخم پہونچائے

Marfat.com

ودیگر شیخ عزت اللہ ساکنِ سندیلہ کہ بخواندن فاتحۃ الفراغ در خدمت بودند نیز از دستِ ظلمۂ مذکورین شہید شدند محمد آصف چودھری پرگنۂ سہالی کہ برائے مدد مولوی رسیدہ با ہمراہیانِ خود شہید شدند، بندہ محمد سعید و جمعے از طلبا و شیخ فضل اللہ برادر و نائبِ قاضی عبداللہ قاضی پرگنۂ سہالی وغیرہ زخمی شدند۔

اور اُن کو شہید کر ڈالا، زبدۃ الاولیاء بندگی شیخ نظام الدینؒ ساکن امیٹھی کی اولاد میں شیخ غلام محمد اور سندیلہ کے شیخ عزت اللہ بھی جو فاتحۃ الفراغ پڑھنے کے لیے حاضر خدمت تھے، مذکورہ ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوئے، پرگنہ سہالی کے چودھری محمد آصف جو ملا صاحب کی مدد کے لیے ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے، اپنے ہمراہیوں سمیت شہید ہوئے، فدوی محمد سعید (فرزند دوم ملا قطب الدین شہید) اور کچھ طلباء نیز پرگنہ سہالی کے قاضی عبداللہ کے بھائی اور نائب شیخ فضل اللہ بھی اس ہنگامہ میں زخمی ہوئے۔

ملا قطب الدین کی شہادت کی یہ سب سے قدیم اور مستند روئیداد ہے، یہ اُس محضر کا اقتباس ہے جو ملا قطب شہید کے فرزندوں نے مرتب کیا تھا، اور جوار کے معززین نیز عمال شاہی کے تصدیقی دستخط اس پر لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا تھا، اس محضر سے جو ہنوز موجود ہے، (اور مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محلی فرزند مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی ملک میں ہے) اس حادثے کی دیگر تفصیلات پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے، اس چشم دید بیان کے پیشِ نظر اُن قیاس آرائیوں یا روایتوں کی حاجت نہیں رہتی جن کے لیے تذکرہ نویسوں نے بار بار زحمت اُٹھائی ہے۔

قصبۂ سہالی کے خان زادوں اور شیوخ عثمانی اور انصاریوں کے درمیان زمیندارانہ نزاع کو

ملا صاحب سے عداوت کا سبب قرار دینا کوئی دور رس تحقیق نہیں مانی جا سکتی۔ اس لیے کہ ایسی نزاع اور رقابت قصبات کی زندگی میں عامۃ الورود رہی ہے، قصبۂ سہالی میں بھی یہ نزاع ہو سکتی تھی اور تھی، لیکن ملا قطب شہید کا اس میں مؤثر فریق کی حیثیت رکھنا توی تاریخی ثبوت کا محتاج ہے، اسی محضر کے ذریعہ ملا قطب کے معمولاتِ زندگی پر جو روشنی پڑتی ہے، اس سے زمیندارانہ نزاعوں میں اُن کی عملی شرکت کا عدم امکان بھی واضح ہو جاتا ہے:۔

برا صاغر و اکابر ایں دیار روشن و مبرہن است کہ مولوی مذکور کہ موصوف بکمالاتِ انسانیہ و فضائلِ علمیہ و عملیہ و حافظ قرآنِ مجید بودند و غیر اشتغالِ تدریس و تکرار با طلبۂ علوم دینیہ و عبادت و طاعت کارے نداشتند و در اوقاتِ فراغ از درس و عبادت بہ تصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول می پرداختند......	اس دیار کے تمام چھوٹے بڑے بخوبی جانتے ہیں کہ ملا قطب الدین شہید جو کمالاتِ انسانیہ اور علمی اور عملی فضائل سے متصف اور حافظ قرآن مجید تھے، علوم دینیہ کے طلبہ کے درس و تدریس اور عبادت خداوندی کے علاوہ ان کا کوئی اور کام ہی نہ تھا۔ درس و عبادت سے فرصت کے اوقات میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ کے ایسے علوم میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔

"غیر اشتغال تدریس و تکرار و عبادات و طاعت کارے نداشتند" کے الفاظ بڑی صفاحت کے ساتھ ملا قطب کے معمولاتِ روز و شب کو پیش کر دیتے ہیں، ان علمی مصروفیتوں اور روحانی مشغولیتوں میں جائداد کے جھگڑوں اور زمیندارانہ نزاع کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی، یہ قیاس کسی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کہ شورہ پشتوں کے ظلم و جور کے ارمانوں کے پورا ہونے میں ملا صاحب کی وجاہت اور اصاغر و اکابر میں ان کی مقبولیت سدِ راہ رہی ہوگی، اس لیے کہ اورنگ زیب عالمگیر تک ملا صاحب کے علم و فضل، زہد و اتقا اور قناعت و گوشہ نشینی کی خصوصیتوں سے کماحقہ واقف تھا،

Marfat.com

اس نے بار بار ملا قطب سے ملاقات کی درخواست بھی کی تھی، مگر قطب نے اپنی جگہ سے ملنے سے ہمیشہ انکار کیا۔

فرحۃ الناظرین (مخطوطہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے الفاظ میں:-

ملا قطب الدین شہید سہالوی در علوم معقول و منقول سبقت از ہم سران ربودہ و پائے قناعت در دامنِ عزلت چسپیدہ پیش اغنیاء کمی رفتند و پیوستہ بدرسِ طلبۂ علوم و کسبِ علوم معنوی پرداختہ در قصبۂ سہالی کہ از مضافاتِ لکھنؤ است بسری بردند بارہا عالمگیر بادشاہ بتصدیعۂ ملاقات ملا گردید ملتمس او را بدرجۂ اجابت نفرمودہ اکثرے را از مرتبۂ شاگردی باوج استادی رسانیدند...... توصیفش از احاطۂ تقریر و تحریر خارج، بالآخر باغوائے بعضے مفسدہ در سنہ چہل و ہفت عالمگیری در قصبۂ مذکور شہید شدند۔[1]

ملا قطب الدین شہید سہالوی علومِ عقلیہ و نقلیہ میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے، اور گوشہ نشینی کے دامن میں پائے قناعت کو لپیٹے رہتے، امیروں اور دولتمندوں کے پاس وہ نہیں جاتے تھے اور برابر طلبائے علم کو پڑھانے نیز علومِ معرفت کے کسب میں مصروف، قصبۂ سہالی میں جو لکھنؤ کے مضافات میں ہے، زندگی گزارتے رہے، عالمگیر بادشاہ نے بارہا ملا صاحب کو ملاقات کی زحمت دی مگر ملا صاحب نے انکی خواہش کو قبول کرنے سے انکار کردیا، انھوں نے بہت سے لوگوں کو شاگردی کے نچلے درجے سے اُٹھا کر استادی کے اعلیٰ مرتبے تک پہونچایا ....

ملا قطب شہید کے تمام اوصاف، بیان کرنا تقریر و تحریر کے امکان سے خارج ہے، بالآخر کچھ شر پسندوں کی سازش سے عالمگیری

---

[1] فرحت الناظرین قلمی ص ۲۰

جلوس کے ۴۷ ویں[۵] سال قصبۂ مذکور (قصبۂ
سہالی) میں ملا قطب الدین شہید ہو گئے

فرحۃ الناظرین کا مصنف محمد اسلم بن حفیظ اللہ انصاری بارھویں صدی ہجری کے آخر کا ہے جس نے اپنی کتاب ۱۱۸۳ھ میں فیض آباد میں مکمل کی، اسی صدی کے آغاز میں واقعۂ شہادت پیش آیا تھا، تیرھویں صدی ہجری کے آغاز کی ایک تصنیف میں جس کے مصنف ملا محمد ولی اللہ انصاری فرنگی محلی (وفات ۱۲۷۰ھ) ہیں، جو چار واسطوں سے ملا قطب شہید کے پوتے ہیں، ملا قطب شہید کے ساتھ عالمگیر کی عقیدت مندی کا حال اس طرح لکھا ہے:۔

چو آوازۂ علم وفضل مولانا قطب الدین	جب ملا قطب الدین کے علم وفضل کا شہرہ
دراں دیار اشتہار تمام پیدا کرد بلکہ بسائر	اطراف و دیار میں خوب ہو چکا بلکہ تمام
ممالک ہندوستان اشتہار یافتہ وخبر جودت	ہندوستان میں پھیل گیا اور ملا صاحب کی
فضیلت وتحصیل فراغ ببیانی از در ہمان	ذہانت اور فضیلت نیز ان کی خدمت میں
بخدمت ایشاں بسمع اورنگ زیب بادشاہ	پڑھنے والوں کے جلد از جلد فارغ التحصیل
غازی رسید بادشاہ نیک خصال ہمیشہ رسم	ہونے کی خبر نیک خصال اورنگ زیب
نامہ وپیام بخدمت مولانا می داشت و	بادشاہ غازی کو پہونچی تو اس نے سلسلۂ
رسوخ کمال بخدمت ایشان پیدا ساخت	مراسلت ملا صاحب سے برابر جاری رکھا اور
ازیں جہت اکثر امیران بادشاہی را بخدمت	انتہائی عقیدت اسے ملا صاحب سے ہو گئی

۵؎ "چہل و ہفت عالمگیری" پڑھنا غلط ہے۔ "سی و ہفت جلوس والا" کے الفاظ اس عالمگیری فرمان میں موجود ہیں۔ جو اولاد ملا قطب شہید کو علمائے فرنگی محل کے سلسلے میں جاری کیا گیا تھا۔ اس فرمان کی رو سے جو جلوس عالمگیری کے ۳۷ ویں سال جاری ہوا ہجری سال ۱۱۰۵ھ ہوتا ہے۔ واقعۂ شہادت اس سے دو سال قبل پیش آیا تھا یعنی جلوس کے ۳۵ ویں سال ملا قطب کی شہادت ہوئی نہ کہ ۴۷ ویں سال، محضر میں صراحتاً سن شہادت درج ہے یعنی ۳۵ھ (جلوس والا) — محمد رضا انصاری۔

می فرستاد۔[1]

یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب اپنے اُمراء اور حکام کو ملا قطب الدین شہید کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔

اور عالم گیر کی عقیدت مندی ہی اصل وجہ ملا قطب الدین کی شہادت کی بھی ہوئی، جیسا کہ ملا ولی اللہ فرنگی محلی اس کے آگے لکھتے ہیں:۔

ایں معنی محل خطر در خواطر اشقیا گشتہ کہ مبادا ایں بدنہاد بہائے ما بسمع بادشاہ رسد و بقہر سلطانی ہلاک شویم باہم مشورت کردند کہ مولوی را از میان برداریم تا ایں خطرہ دور شود و خاطر جمعی حاصل گردد۔[2]

عالم گیر کی اتنی عقیدت مندی اور امرائے شاہی کی ملا صاحب کی خدمت میں برابر آمد و رفت اشقیاء کے لیے سبب خوف بن گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان شورہ پشتوں کی بدمعاشیاں بادشاہ کے علم میں آجائیں اور اُن پر قہر شاہی نازل ہو جائے۔ ان اشقیاء نے باہم صلاح و سازش کی کہ ملا قطب الدین کو درمیان سے ہٹا دینا چاہیئے تاکہ یہ اندیشہ رفع ہو جائے اور پوری طرح سکون حاصل ہو جائے۔

ان شورہ پشتوں کو محض شک ہوا یا واقعہ بھی یوں ہی پیش آیا کہ قصبۂ سہالی میں ان لوگوں نے جو فساد عرصہ سے برپا کر رکھا تھا اُس کی اطلاع ملا صاحب کے ذریعہ بادشاہ کے کانوں تک پہونچ گئی اور قبل اس کے کہ یہ اشقیا قہر سلطانی میں گرفتار ہوں وہ ملا صاحب سے بدلہ لینے کے لیے ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کے الفاظ میں "بطریق ڈاکہ" گھر پر چڑھ آئے۔[3]

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ فرنگی محل لکھنؤ ص ٦٣ [2] ایضاً ص ٦٤ [3] ایضاً ص ٦٥

واقعہ سے متعلق چشم دید بیان یعنی بادشاہ کو پیش کیے جانے والے محضر کے یہ جملے بھی اس سلسلے میں بیحد اہم ہیں :-

ونعش مولوی را جا بجا مدفون کردند می برآوردند آخر بعد نہ روز ہر دو دست بریدہ گرفتند و نعش بہ قصبۂ سہالی فرستادند۔	ملا قطب الدین کی لاش کو ایک جگہ دفن کرتے پھر نکالتے پھر دوسری جگہ دفن کرتے پھر نکالتے رہے بالآخر نو دن کے بعد ملا صاحب کی لاش کے دونوں ہاتھ کاٹ کر رکھ لیے اور لاش قصبۂ سہالی بھجوادی۔

لاش کے دونوں ہاتھ کاٹ لینے کو محض "مثلہ" کی شقاوت تک محدود نہیں رکھا جا سکتا، یہ وحشیانہ حرکت ضمناً اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اشقیا کے غیظ وغضب کا جو سبب تھا اس میں ملا صاحب کے ہاتھوں کا دخل ان اشقیا، کی نظر میں کم از کم ضرور تھا۔

سند اور قیاس سے یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب کی کسی تحریر سے یا ان اُمرائے شاہی کی زبانی جو ملا صاحب کی خدمت میں بادشاہ کے بھیجے ہوئے آیا کرتے تھے، قصبۂ سہالی کے ان شورہ پشتوں کا حال بادشاہ کے علم میں آچکا تھا، اسی لیے :-

وقائع نگار چوں واقعہ بہ بادشاہ کہ دراں ایام بدکن رونق بخش بود نوشت فی الفور احکام بادشاہی بصوبہ داران آں نواح رسید کہ زود قاتلان مولانا قطب الدین مرحوم را بسزا رسانند وخانہائے ایشاں برکنند وہر کرا از آنہا یابند بکشند[1]	جب شاہی خبر رسانوں نے ملا قطب کے واقعۂ شہادت کی اطلاع بادشاہ عالمگیر کو جو اس زمانہ میں دکن میں تھا لکھ بھیجی تو فی الفور شاہی احکام صوبہ داران علاقہ کو موصول ہوئے کہ ملا قطب الدین کے قاتلوں کو جلد از جلد سزا دی جائے، ان کے گھروں کو

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطۂ فرنگی محل لکھنؤ ص۶۱

Marfat.com

مسمار کر دیا جائے اور قاتلوں میں سے جو بھی

ہاتھ آئے اس کو قتل کر دیا جائے۔

ملا ولی اللہ فرنگی محلی جن کی کتاب عمدۃ الوسائل (قلمی) کے اقتباسات اوپر دیے گئے ہیں اسی صدی کے آخر میں پڑھ لکھ کر فارغ ہو چکے تھے جس صدی کے آغاز میں حادثۂ شہادت پیش آیا تھا، محضر اور ملا ولی اللہ فرنگی محلی کی تصریحات، زیرِ بحث مسئلہ میں اس لیے قابلِ ترجیح ہیں کہ ایک تو ... بیان ہے، دوسرا ایسا ... مؤرخ اور تراجم و رجال کا ماہر عالم اور مصنف ہے جس کی عبارت غیر نزاعی ہے، رسالہ قطبیہ (قلمی) کے مصنف بھی ملا قطب الدین شہید کے احفاد میں ہیں اور ملا ولی اللہ سے ایک پشت اوپر ہیں، لیکن رسالہ قطبیہ کی تصنیف اور ملا ولی اللہ کی اس تصنیف کے درمیان صرف ۹ سال کا فرق ہو، رسالہ قطبیہ ۱۲۰۰ھ میں تمام ہوا اور ملا ولی اللہ کی کتاب ۱۲۰۹ھ میں مکمل ہوئی اور بحیثیت مصنف و مؤرخ ملا ولی اللہ ثقہ اور اثبت ہیں۔

بے جا نہ ہوگا اگر تاریخی دستاویز کی حیثیت سے اس محضر کو مکمل طور پر یہاں نقل کر دیا جائے جو اورنگ زیب کو پیش کیا گیا تھا، اس لیے بھی اس کی نقل کو محفوظ کر لینا مناسب ہے کہ تقریباً تین صدی قدیم اس محضر کا کاغذ اپنی عمر پوری کر چکا ہے، امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کم مگر دیمک کی وجہ سے بہت زیادہ بوسیدہ ہو جانے کے بعد اب اس کا حرف حرف پڑھنا سخت دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد تو محال ہی ہو جائے گا اور یہ قدیم دستاویز کالعدم ہو جائے گی۔

محضر کا پورا متن چھپن عمائدین جوار اور امرائے وقت کے دستخط کے ساتھ حسبِ ذیل ہے :-

متن کے بارے میں ایک بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ اس میں ہر جگہ ملا نظام الدین کا نام نظام الدین احمد قلم بند ہوا ہے۔ خود ملا نظام الدین نے جہاں کہیں اپنا نام تحریر کیا ہے جیسے خطوط وغیرہ میں، وہاں "نظام الدین محمد" تحریر کیا ہے، اس لیے اصلی نام وہی قرار پاتا ہے جو خود انھوں نے تحریر کیا ہے۔ محضر میں غلطی ہو سکتی ہے۔ بہرحال منقول متن میں اُن کے نام کی حد تک "احمد" کی جگہ "محمد" لکھ دینے کی جسارت کی گئی ہے۔

Marfat.com

عبارت محضر حضرت ملا محمد سعیدؒ ملا نظام الدینؒ محمدؒ و ملا محمد رضاؒ پسران ملا قطب الدین شہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

بحکم آیۂ کریمہ لا تکتموا الشہادۃ و من یکتمہا فانہٗ اٰثم قلبہ

سوال می کنیم و گواہی میخواہیم ما جماعۂ ستم رسیدگان محمد سعید و نظام الدین محمد و محمد رضا پسران شیخ قطب الدین ساکن قصبۂ سہالی سرکار لکھنؤ صوبۂ اودھ از قضاتِ اسلام و مشائخ کرام و جمہور انام بر این معنیٰ کہ بر اکابر و اصاغر این دیار روشن و مبرہن است کہ مولوی مذکور کہ موصوف بکمالاتِ انسانیہ و فضائلِ علمیہ و عملیہ و حافظ قرآنِ مجید بودند، و غیر از اشتغال بدرس و تکرار با طلبۂ علومِ دینیہ و عبادت و طاعت کاری نداشتند، و در اوقاتِ فراغ از درس و عبادت تصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول می پرداختند۔ بتاریخ نوزدہم ۱۹ شہر رجب المرجب ۳۵ سنہ مطابق روز دوشنبہ بر عادت قدیمہ از نماز فجر و وظائف فراغ اندوختہ در مدرسہ آمدہ بدرس جمعی از فضلاء حاضر الوقت مشغول شدند۔ چوں دو گھڑی روز برآمد، اسد اللہ و باقر و حمایت اللہ و غضنفر و بیرم و غیرہ زمینداران پرگنہ فتحپور دیوی و علی اکبر عرف بھولے و محمد شفیع و محمد تقی و شاہد و حامد و باقر و بیر محمد سکنہ روزہ عملہ پرگنہ سہالے و نور محمد و غلام محی الدین و لبادن و سہادن ساکنان قصبۂ سہالی و فقیر اللہ و شفیع اللہ متوطن قصبہ دیوی و بانور ساکن موضع اسینی معمولہ پرگنہ سحلور و غیرہ زمینداران گرد و پیش مدرسہ و خانہ مولوی را محاصرہ نمودند و از ہر چہار طرف دیوار نقبہا زدہ

اندرون درآمدند و مولوی را یک زخم تبر و یک زخم تفنگ و ہفت ضرب شمشیر بروئی
رسانیدہ شہید ساختند و شیخ غلام محمد نبیرۂ زبدۃ الاولیا بندگی شیخ نظام الدین
ساکن امیٹھی و دیگر و شیخ عزت اللہ ساکن سندیلہ کہ برائی خواندن فاتحۃ الفراغ در
خدمت بودند نیز از دست ظلمۂ مذکورین شہید شدند، و محمد آصف چودھری پرگنہ سہالے
با نہ کس برای مدد مولوی رسیدہ با ہمراہیان خود شہید شد، بندہ محمد سعید و جمعی از طلبہ و شیخ
فضل اللہ برادر و نائب قاضی عبداللہ قاضی سہالے وغیرہ زخمی شدند، پس ازانکہ ظلمہ
مذکورین از قتل و سفک دما فارغ شدند نہب اموال و امتعہ کہ در حویلے بود پرداختند
چنانچہ اثری ازاں نگذاشتند و کتب مولوی و از غیرہ مردم کہ بتقریب درس قریب ہنصد جلد
مجتمع بود اکثری ازان آتش دادہ سوختند در آں میان مصحف مجید چہار جلد و مشکوٰۃ وغیرہ
از کتب حدیث و مصنفات مولوی حاشیۂ تلویح و شرح عقائد نسفیہ و تعریبات بزدوی
و حاشیۂ مطول وغیرہ کتب کہ کثیر المجم و مشتمل بر فواید جمہ بودند ہمہ سوختہ شد و ہمہ
را بر داشتہ بردند و با مستورات مولوی و برادران با نواع ہتک حرمت پیش آمدند پس
ازیں مراتب بر خانۂ شیخ حسام الدین و عم زادۂ حقیقی مولوی وغیرہ برادران و مردم غربای
سکنہ سہالے نیز ریختہ مال و متاع ہر چہ بود بغارت بردند چوں وقت دو پہر از کارہای مسطورہ
فارغ شدند مراجعت بمسکن خودہا کہ موضع پیتی پور معمولۂ پرگنۂ فتحپور دیوی وغیرہ باشد
نمودند بندہ نظام الدین محمد پسر خورد مولوی را اسیر کردہ ہمراہ گرفتہ و نعش مولوی و سر محمد
آصف چودھری نیز با خود ہا بموضع مذکور بردند بعد از سہ چہار روز از الحاح و عجز بعضی از
شرفاء فتحپور دیوی بندہ نظام الدین محمد را اخلاص نمودہ و سر محمد آصف را دادند و نعش
را جا بجا مدفون میکردند و می برآوردند آخر بعد نہ روز ہر دو دست بریدہ گرفتہ و نعش را
بقصبہ سہالی فرستادند چنانچہ جمعی از مسلمین نماز جنازہ خواندہ بتاریخ بست و ہفتم شہر
مذکور در قصبہ سہالے مدفون ساختند۔

(۱) گواہ شد مسعود

(۲) مہر جو کرم خوردگی سے ضائع ہو گئی

(۳) مہر ستر حصد

(۴) گواہ شد، مہر خلیل الرحمن رضا احمد

(۵) مہر ابو الخیر نبیرہ شاہ عالم مسطور حق ولاریب است

(۶) مہر عبارت کرم خوردہ

(۷) انچہ دریں مسطور (آگے ضائع ہو گیا)

(۸) مہر و عبارت ضائع شدہ

(۹) شہد بما فیہ (مہر پڑھی نہ جا سکی)

(۱۰) در قتل مولوی مقتول حسب المتن شک نیست مہر محمد فاضل

(۱۱) حسام الدین عثمانی خاکپا راحمد است. در قتل مولوی مرحوم وغیرہ از طلبۂ علوم ونہب اموال واحراق کتب ومصاحف ودیگر قبائح از جماعت مسطورہ ریب و شکے نیست

(۱۲) شہد بما فیہ غلام نظام الدین

(۱۳) مہر شاہ عالم ذالک الکتاب لاریب فیہ

(۱۴) مہر قل ان الفضل بید الله یوتیہ من یشاء، انچہ در متن مسطور است

بیان واقع است

(۱۵) الواقع کذلک (مہر پڑھی نہ جا سکی)

(۱۶) مہر عبد الرب فدوی شاہ عالمگیر

(۱۷) مہر عبد الرحمن لبقیا الشرع، در شہادت مولوی مرحوم وغیرہ از طلبۂ علوم ونہب اموال وکتب دینیہ و دیگر قبائح از فجرہ و فسقہ شکے و شبہ نیست

(۱۸) مہر امان اللہ صدر عالمگیر شاہی، در صدور قتل مجتہد زمانہ مولوی مرحوم وغیرہ از طلبۂ علوم ونہب اموال واحراق مصاحف مجیدہ وکتب دینیہ و دیگر از قبائح مسطورۃ المتن از فجرہ و فسقہ و مسطورین شکے و شبہ نیست

(۱۹) مہر عبد اللہ خادم شرع رسول اللہ، مسطور متن بیان واقع است

(۲۰) مہر دولت خادم شرع محمدی، المسطور فی المتن حقٌ

(۲۱) مہر سعود ابن قاضی نعمت اللہ خادم شرع رسول اللہ مسطور متن واقع است

(۲۲) مہر محمد نافع بندہ بادشاہ عالمگیر، الواقع کذا

(۲۳) مہر عبد الکریم خادم الطلبہ شہد بما فیہ

(۲۴) مہر رحمت اللہ و برکاتہ گواہ شد

(۲۵) مہر نور محمد شہد بالمسطور فی المتن

(۲۶) مہر نصر اللہ حمایت اللہ، واقعہ

شہادت قطب عالمیان قدسی با

جماعۃ فضلا و غیرہم المسطورین فی

المتن از دست مفسدین الفاجرین

المرقومین راست و حق است و

سوختن کلام اللہ و احادیث وغیرہ

بیان واقع است کتبہ نصر اللہ

حمایت اللہ فتحپور

(۲۷) مہر ظہور بالعالم فیہ یقین و جہا لحق

شہد بما فیہ

(۲۸) مہر محمد تقی، شہد بما فیہ

(۲۹) محمد شریف، گواہ شد

(۳۰) محمد فرید الدین فتحپوری، شہد بما فیہ

(۳۱) مہر محمد یوسف اعظم عثمانی (قلم سے بھی

نام لکھا ہے) شہد بما فیہ

(۳۲) مہر محمد کمال الدین

(۳۳) مہر یا کریم القدوس الواقع کذالک

عبد الکریم فتحپوری

(۳۴) الواقع کذالک کتب العبد الحقیر

تحمل الدین محمد فتحپوری

(۳۵) مہر عبدہ مبارک محی الدین وقف علیہ

محی الدین فتحپوری

(۳۶) مہر منتخب از واقف ابن نعمت اللہ

خادم شرع رسول اللہ مسطور المتن

حق است و بیان واقع۔

(۳۷) اطلع علیہ فقیر محمد نعیم عفی عنہ الکریم

(۳۸) مہر ہدایت اللہ قادر گواہ ش

(۳۹) چوں بیان واقع است بنابراں گواہ شد

محمد حیدر رسولپوری

(۴۰) مہر عبدہ جعفر ابن زین الدین حسینی

(۴۱) گواہ شد شیخ قطب متولی پرگنہ سلک

(نیچے مہر جو پڑھی نہ جا سکی)

(۴۲) مہر بدلی میاں غلام احمد مصطفیٰ۔

شہد بما فیہ

(۴۳) گواہ شد محمد ماہ عرف اوہاری ساکن

رسول پور (مہر محمد ماہ حسینی)

(۴۴) مہر تاج محمود (چوں بیان

واقع است بنابراں گواہ شد۔

تاج محمود مدارات کنتوری)

Marfat.com

(۴۵) در تقدی زمینداران مسطور و شہید
گردن مولوی وغیرہ طلبۂ علوم مذکور ہیچ
شک وشبہ نیست بنابران گواہ شد سید
نور اللہ چشتی۔

(۴۶) مہر آلِ علی اکبر گواہ شد سید
علی اکبر کنتوری

(۴۷) مہر عصمت اللہ بندۂ درگاہ
گواہ شد عصمت اللہ ساکن موضع تیرہ

(۴۸) مہر یا جامع المتفرقین گواہ شد
سید جامع کنتوری

(۴۹) مہر نور اللہ بندہ نور محمد۔ گواہ شد
حاضر الوقت نور محمد سوداگر

(۵۰) مہر کریم الدین (مہر کا اوپر کا حصہ
پڑھا نہیں جا سکا) گواہ شد کریم الدین

(۵۱) مہر غلام حسین۔ گواہ شد سید
غلام حسین کنتوری

(۵۲) مہر لطف محمد امیں شد ظریف۔
گواہ شد محمد ظریف سدھوری

(۵۳) مہر عبدہ درسولہ۔ گواہ شد
عبدالرسول رسولی

(۵۴) مہر ست عزیز، گواہ شد علی محمد (بعد کا
لفظ پڑھا نہ جا سکا) مولوی محمد علی

(۵۵) مہر عطاء اللہ شہد بما فیہ شے
عطاء اللہ

(۵۶) گواہ شد امان اللہ بسرہ

(۵۷) مہر غلام محی الدین۔ گواہ شد
غلام محی الدین اونامی

(۵۸) مہر مبارک شریف گواہ شد مبارک جیودی

(۵۹) شہد بما فیہ ہیبت اللہ برادر قاضی
ولی محمد (آخری لفظ پڑھا نہ جا سکا)

(۶۰) ما فی الملتن بیان واقع کتبہ
رفیع الدین بلگرامی مہر عبدہٗ رفیع الدین

(۶۱) شہد بما فیہ (مہر محمد برکت مصطفیٰ)

(۶۲) گواہ شد سید محمد عارف بلگرامی

(۶۳) مہر صدیق اکبر مکارم بروئے بیان
واقع است

(۶۴) شہد بما فیہ شکر اللہ چودھری۔ پرگنہ
حسام پور

(۶۵) مہر عبدالجلیل عیوض محمد، شہد بما فیہ
عبدالجلیل عیوض محمد نظام الدین امیٹھی

(۶۶) مہر صابر علی بخشش حق الوقت یافت
گواہ شد صابر بیگ متوطن قصبہ سہالی

Marfat.com

(۶۷) مہر حسام الدین عالم (آخری لفظ پڑھا نہ جا سکا) شہد بما فیہ

(۶۸) گواہ است شاہ میر شاہ عالم ساکنہ قصبہ سہالی مسطور

(۶۹) الواقع کذالک کتبہ شیخ احمد سندیلوی بخطہ

(۷۰) الواقع کذالک میر شاہ محمد سندیلوی بخطہ

(۱) مہر شاہ محمد ہدایت اللہ

(۲) گواہ شد عزت اللہ سندیلوی

(۳) مہر جس میں لفظ لطف سمیع برار سمت

(۴) گواہ شد محمد معصوم ساکن سندیلہ

(۵) مہر بندہ دوست محمد۔ گواہ شد دوست محمد فتحپوری۔[۱]

نسب ملا قطب الدین شہید، نسباً انصاری سکناً سہالوی اور اصلاً مدنی تھے، خاندانی شجرے کی نقلوں کے درمیان جزوی اختلافات کے باوجود یہ امر متفقہ ہے کہ ملا قطب الدین میزبان رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابو ایوب انصاری مدنی رضی اللہ عنہ کی نسل میں بواسطۂ شیخ الاسلام ابو اسماعیل حضرت عبداللہ انصاری ہروی تھے۔

نسب ناموں میں جزوی اختلافات بہت عام بات ہے۔ علمائے فرنگی محل نے ان اختلافات کو رفع کرنے میں "تحقیق بسیار و تدقیق بے شمار" سے ہر زمانے میں کام لیا ہے، جس کی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں، بہر حال ملا قطب الدین شہید کے والد ماجد کا نام ملا عبدالحلیم تھا ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بعض کتابیں آج بھی محفوظ ہیں، جن میں سے ایک مخطوطہ کا ترقیمہ یہ ہے:۔

"تمام شد نسخۂ سبعیات[۲] بخط احقر الانام عبدالحلیم بن عبدالکریم بن شیخ احمد بن شیخ حافظ انصاری ساکن قصبۂ سہالی سرکار لکھنؤ بتاریخ ۲۵ رمن شہر محرم یوم سہ شنبہ وقت ظہر در مقام

---

[۱] کرم خوردہ اور خفی شکستہ خط میں لکھا ہوا یہ محضر عام طور پر پڑھا نہیں جاتا، الحاج چودھری محمد عظیم الدین اشرف (سابق تعلقدار پیارہ ضلع بارہ بنکی) نے بڑی محنت اور دقت نظر سے کام لے کر اس کو پڑھا اور نقل کیا اور ایک نقل مجھے مرحمت فرمائی۔ محمد رضا انصاری

[۲] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

لاہور ۱۰۴۹ھ"

خاتمۂ کتاب پر ملا عبدالحلیم کی مہر ہے جس کی عبارت اس طرح ہے: "خاک راہ اہلِ حق عبدالحلیم بن عبدالکریم"۔ اسی طرح ان کی لکھی ہوئی دوسری کتاب کا ترقیمہ یہ ہے: "ھٰذا الکتاب المسمیٰ مقصود القاصدین بخط عبدالحلیم بن شیخ عبدالکریم فی وقت الظہر من یوم السابع عشر من ذی القعدۃ سنۃ ۱۰۵۰ھ ملدہ لاہور"

خاتمۂ کتاب پر مہر بھی ہے جس کی عبارت وہی "خاک راہ اہلِ حق عبدالحلیم بن عبدالکریم" ہے۔

ملا قطب الدین شہید کے آباؤ اجداد میں سے چار مسلسل ناموں کا علم ملا عبدالحلیم کی اس تحریر سے ہوا، یعنی عبدالحلیم (باپ) عبدالکریم (دادا) شیخ احمد (پردادا) اور شیخ حافظ انصاری (سگڑدادا)

یہی ملا حافظ وہ ہیں جن کو خاندان فرنگی محل میں "دادا حافظ" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ "دادا حافظ" کے نام جو بڑے عالم اور مدرس تھے، اور جن کے پاس دور دور سے طلبہ تحصیل علم کے لیے آتے تھے، شہنشاہ اکبر نے بڑے رقبۂ زمین کی معافی کا ایک فرمان جاری کیا تھا، جواب تک خراب وخستہ حالت میں مولانا جمال میاں صاحب کے پاس محفوظ ہے، اس اکبری فرمان میں شیخ حافظ انصاری کا نام "شیخ حافظ ولد فضل اللہ" لکھا ہے، اس طرح ملا قطب شہید کے نسب نامہ میں پانچواں نام یعنی شیخ فضل اللہ بھی مستند ذرائع سے شامل ہوگیا۔[۵]

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) "سبعیات" شیخ ابو نصر محمد بن عبدالرحمٰن الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جس میں سات کے عدد کی اللہ تعالیٰ کے یہاں اہمیت اور فضیلت کو ثابت کیا گیا ہے۔ ساری بحث اس طرح ہے کہ سات چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں سے مزین کیا ہے، پھر ان سات چیزوں کو دوسری سات چیزوں سے مزین کیا تاکہ عالموں یا عاملوں کو معلوم ہوجائے کہ مالک نفع ونقصان کے نزدیک سات کے عدد کی کیا اہمیت ہے۔

[۵] اکبر کے مذکورہ فرمان کا خاندانی تذکروں میں بھی ذکر ہے اور اپنے بچپن میں میں نے بچشم خود اس کو دیکھا تھا جو مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے فرزند مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محلی کے پاس تھا۔ جمال میاں صاحب کے پاکستان منتقل ہوجانے کے بعد

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصان اربعہ (مطبوعہ) میں لکھا ہے:۔

باید دانست کہ حضرت مولانائے شہید درخاتمہ کتاب تلویحات کہ بخط خاص خود ترقیم فرمودہ است نسب خود بایں طور نوشتہ "قطب الدین ابن عبد الحلیم بن عبد الکریم بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدہ بن نظام الدین بن علاء الدین الانصاری" تا اینجا در نسب اختلافے نیست و ہم وے قدس سرہ شیخ علاء الدین را از احفاد خواجہ عبد اللہ الانصاری کہ "شیخ الطائفہ" و "پیر طریقت" و "حضرت خواجہ" معروف است شمردہ و مزار وے در شہر ہرات واقع است زیارتگاہ متبرک ، ویرا قدس سرہ شیخ الانصار ہم می گویند و نسب شریفش را تا بہ ابو ایوب انصاریؓ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسانیدہ اند۔[1]

ملا قطب الدین شہید نے کتاب تلویحات کے خاتمہ پر جو خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اپنا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے "قطب الدین بن عبد الحلیم بن عبد الکریم بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدہ بن نظام الدین بن علاء الدین الانصاری" یہاں تک نسب نامے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور حضرت ملا صاحب شہید نے شیخ علاء الدین انصاری کو خواجہ عبد اللہ انصاری کی اولاد سے جن کو "شیخ الطائفہ" "پیر طریقت" اور "حضرت خواجہ" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے بتایا ہے، حضرت خواجہ کا مزار ہرات میں ہے جو زیارت گاہ اور متبرک ہے، حضرت خواجہ کو "شیخ الانصار" بھی کہتے ہیں، ان کا (حضرت خواجہ کا) نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک جو آنحضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)............ مولانا محمد میاں صاحب کے پاس تمام دستاویزیں اور فرامین محفوظ ہیں مگر اکبر کا یہ فرمان ان کاغذات میں دستیاب نہیں ہوا ممکن ہو جمال میاں صاحب کے ساتھ منتقل ہو گیا ہو۔ جمال میاں صاحب کے مسلسل اسفار نیز ہند و پاکستان کے درمیان مراسلت کی غیر یقینی صورت حال نے فرمان کے سلسلے میں اس وقت جب کہ ضرورت داعی ہوتی ہے مزید استفسار کا موقعہ ہاتھ آنے نہیں دیا۔ محمد رضا انصاری

[1] اغصان اربعہ مطبوعہ (مطبع کارنامہ واقع دار العلوم داخل فرنگی محل ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء) ص ۳

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف میں میزبان
تھے، پہونچا یا ہے۔

ملا محمد عبد الباقی الانصاری فرنگی محلی مہاجر مدنی (وفات ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء) نے اپنے رسالہ قرۃ الابصار[1] فی نسب قطب الانصار (قلمی) میں لکھا ہے:۔

نیز راقم الحروف بخط ملا قطب الدین شہید ہم در خاتمۂ شرح حیغمنی کہ بقلم خود تحریر فرمودہ اند ہمچو بالامشاہدہ نمودیم	میں نے بھی یہی نسب نامہ جو ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصان اربعہ میں ملا قطب الدین شہید کی لکھی ہوئی کتاب تلویح سے نقل کیا ہے) ملا قطب الدین شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا شرح حیغمنی کے آخر میں خود دیکھا ہے، اور یہ شرح حیغمنی ملا قطب الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

ملا عبد الباقی فرنگی محلی نے اسی رسالے میں استاذ الہند ملا نظام الدین کا ایک محققانہ جواب بھی اس سلسلے میں نقل کیا ہے:۔

گفتہ اند کہ نسابۂ از ہرات پیش حضرت ملا نظام الدین آمدہ بود گفت کہ عبد اللہ انصاری پسرے نداشت آرے یک بچہ را از سادات پرورش نمودہ چونکہ شیخ الاسلام مشہور بود آں بچہ را بوے نسبت نمودند فی الحقیقت اولاد سادات ہستند ملا فرمودند	ہرات سے ایک ماہر نسب ملا نظام الدین کے پاس آیا اور اُس نے کہا شیخ الاسلام حضرت عبد اللہ الانصاری کے کوئی صاحبزادے نہیں تھے، انھوں نے ایک بچہ کو جو سادات میں تھا پرورش فرمایا تھا چونکہ شیخ الاسلام مشہور شخصیت تھے، اس بچے کو ان ہی سے

---

[1] قرۃ الابصار فی نسب قطب الانصار مخطوطہ فرنگی محل لکھنؤ ص۔

اگر ایں درست است روزِ قیامت مارا سود باشد کہ در حدیث است کل نسب وصہر ینقطع یوم القیمۃ الا نسبی وصہری در دنیا گفتۂ یک کس کہ حال صدق وکذب وے ہم مجہول ست نسب مشہورہ خود بچہ طور تغیر دہم[۵]	منسوب کر دیا گیا تھا، در حقیقت وہ سادات کی اولاد تھا، ملا نظام الدین نے فرمایا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا نفع روزِ قیامت اٹھایا جائے گا، اس لیے کہ حدیث میں ہے: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز سب نسب اور سب رشتے سوائے میرے نسب و رشتے کے ٹوٹ جائیں گے۔" دنیا میں محض ایک شخص کے کہنے سے جس کے صدق وکذب کا حال بھی تحقیق سے معلوم نہیں، میں کیسے مشہور نسب نامہ میں تغیر و تبدل کر دوں؟

ملا نظام الدین کے بڑے پوتے ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی (وفات ۱۲۰۷ھ) نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اور ملا صاحب کا جواب مختصر طور پر اس طرح نقل کیا ہے:-

مولانا عارف جواب داد کہ خبر مشہور را بخبر واحد نباید گذاشت۔[۶]	مولانائے عارف (یعنی ملا نظام الدین) نے جواب دیا کہ خبر واحد کی بنا پر خبر مشہور کو ٹھکرایا نہیں جانا چاہیے۔

ملا قطب شہید کے اجداد میں ملا نظام الدین بن ملا علاء الدین (ساتویں پشت) سب سے پہلے سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں آکر قیام پذیر ہوئے، سہالی ہی میں ان کا مزار ہے جو ان کی نسبت سے "روضہ" کہلاتا ہے۔

---

۵ قرۃ الابصار فی نسب قطب الانصار مخطوطہ فرنگی محل ص۲

۶ رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص۲۱

Marfat.com

ملا قطب کی ولادت اسی قصبہ سہالی میں ہوئی اور تخمیناً ۱۰۴۰ھ ان کا سنہ ولادت ہے، تذکرہ نویسوں نے تاریخ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی نے رسالہ قطبیہ (قلمی) میں ملا قطب شہید کے بارے میں لکھا ہے:-

اکثر دعائے شہادت خود می کردند و طلب عمر مسنون می نمودند مستجاب شد۔[1]	ملا قطب شہید اکثر اپنی شہادت کی تمنا کرتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی عمر کی دعا فرمایا کرتے تھے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔

ملا قطب کی شہادت ۱۱۰۳ھ میں ہوئی، اس میں سے ۶۳ سال جو عمر نبویؐ کے ہیں وضع کرنے سے قریب قریب ۱۰۴۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

ملا قطب شہید کے والد ملا عبد الحلیم ۱۰۴۹ھ اور ۱۰۵۱ھ میں یقیناً لاہور میں تھے، جیسا کہ انکی مخطوطہ کتب کے ترقیموں سے ظاہر ہے، انھوں نے لاہور میں ملا عبد السلام دیوی سے جو لاہور کے مدرسے میں مدرس تھے، پڑھا تھا، اور پھر اُن ہی کے مدرسے میں مدرس بھی ہو گئے، مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ (وفات ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء) نے "تاریخ فرنگی محل" (قلمی) میں لکھا ہے:-

" ملا عبد الحلیم نے ملا عبد السلام ساکن قصبہ دیوا سے تحصیل علوم کیا، اور لاہور کے مدرسے میں مدرس رہے، بلکہ ان کا لکھا ہوا ہدایہ لاہور میں تمام ہوا ہے جس کے آخر میں لکھتے ہیں۔ (ترجمہ عربی عبارت کا یہ ہے)

" تمام ہوا نصف آخر ہدایہ بخط عبد ضعیف محتاج الی رحمۃ ربہ الغنی العظیم محمد عبد الحلیم بن عبد الکریم انصاری ساکن قصبہ سہالی من مضافات شہر لکھنؤ ساتھ پڑھنے ہدایہ کے خدمت میں استاد علمائے عصر حجۃ الفضلاء الفحول فی المعقول والمنقول لاسیما فی الفقہ والاصول حضرت شیخ

---

[1] رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص۵

عبدالسلام الاعظمی بوقت عصر بروز چہارشنبہ ۲۸ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۰۵۰ھ بلدہ دارالسلطنت لاہور میں"۔ اور اس پر ان کے حواشی بھی ہیں۔ ان کی فقر و زہد کی طرف بہت توجہ تھی، اسی وجہ سے ان کو علمائے ربانیین میں شمار کرتے ہیں، وفات فرمائی انھوں نے سہالی میں اور وہیں دفن ہوئے"۔[لہ]

ملا قطب شہید بچپن میں اپنے ننیہال قصبہ گڑھی بھلول (ضلع بارہ بنکی) میں بھی رہے، یعنی اپنی عمر کے گیارھویں بارھویں سال تک، اور اسی عمر میں ننیہال ہی میں شاہ حمید ابدالؒ کی توجہ خاص سے مختص ہوئے۔

ثقات گفتہ اند کہ مولانا در ایام طفولیت بخانۂ جد مادر خود کہ ملک حمزہ نام داشت رفتہ بود ملک مذکور بخدمت شاہ حمید ابدال رسوخ و نیاز تمام داشت بدان جہت مولانا را نیز ہمراہ خود بخدمت ایشان بردہ، شاہ حمید قدس سرہ چوں شکل مولانا از دور دید بغایت شادمانی نزد خود طلبیدہ در آغوش خود گرفت الطاف بہ نسبت ایشان مبذول داشتہ پستر دست بر شکم مولانا نہادہ فرمود کہ علم در شکم ایں طفل پرساختہ اند چندانکہ پشت در پشت در خانۂ ایں بہمیں عنوان طریقۂ علم خواہد ماند بعد ازاں

معتبر حضرات کا بیان ہے کہ مولانا قطب الدین بچپن میں اپنے نانا کے یہاں جن کا نام ملک حمزہ تھا، (قصبہ گڑھی بھلول ضلع بارہ بنکی) گئے ہوئے تھے، ملک حمزہ کو شاہ حمید ابدال کی خدمت میں انتہائی عقیدت اور رسوخ تھا، اسی لیے جب وہ شاہ حمید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نواسے ملا قطب الدین کو بھی ہمراہ لے گئے، شاہ صاحب نے دور ہی سے مولانا کی شکل دیکھتے ہی (حالانکہ مولانا کا بچپن تھا) انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ پاس بلایا اور اپنی گود میں لے لیا،

لہ تاریخ فرنگی محل مخطوطہ بخط مصنف ص۲۱ اندس ھدایہ "مخطوطہ کا حوالہ مولانا عبدالباریؒ نے دیا ہے، وہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے "فرنگی محل کلکشن" میں محفوظ ہے۔

Marfat.com

پرسیدند شاہ چہ می خوانید مولانا عرض ساخت
کافیۂ شیخ ابن حاجب ...... شاہ صاحب
موصوف قدس سرہ بعد ازاں مولانا را
چیزے بطریق تبرک عنایت فرمودہ رخصت
نمود و تقید کسب علوم فرمود۔[1]

بے اندازہ شفقتیں فرمائیں، اس کے بعد
مولانا قطب کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا
کہ اس بچے کے پیٹ کو علم سے بھرپور کر دیا
گیا ہے، پشت در پشت اس کے گھرانے
میں اسی طرح سے علم کا چلن رہے گا،
اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا "کیا پڑھتے
ہو"۔ مولانا نے جواب میں عرض کیا "شیخ
ابن حاجب کی کافیہ"...... اس کے
بعد شاہ حمید ابدال قدس سرہٗ نے بطور تبرک
کوئی چیز مرحمت فرما کر مولانا کو جانے کی
اجازت دی اور تحصیل علم کی سخت تاکید
فرمائی۔

ملا قطب شہید جو کافیۂ شیخ احمد بن حاجب تک پڑھ چکے تھے، اپنے والدِ ماجد کے پاس بغرض تکمیل تعلیم لاہور گئے۔

تا مدتے ہمراہ والد خود در لاہور ماندہ دراں
ملک تحصیل نمود و بتدریس اکثر علوم در مدرسہ
ملا عبد السلام دیوی کہ دراں ایام مدرس
آنجا بود تکمیل فرمود غرض در ہر فن از اصول و
فقہ و معانی و منطق و طبیعی و الٰہی و ریاضی

ایک مدت تک اپنے والد کے پاس لاہور میں
تحصیل علم کرتے رہے، اکثر علوم کی تعلیم
ملا عبد السلام دیوی (دیوہ ضلع بارہ بنکی
کے رہنے والے) کے مدرسہ میں کی بہر حال
تمام فنون اصول، فقہ، معانی، منطق، طبیعی

---

[1] ۔ عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ ص۵

و دیگر فنون غربیہ (کذا) و حدیث کامل شدہ۔[1] — الہی، ریاضی نیز دوسرے نادر فنون (یا غربی علوم) اور حدیث میں کمال حاصل کرلیا۔

اساتذہ ملا قطب کے اساتذہ میں ان کے والد ماجد ملا عبدالحلیم کے علاوہ ملا دانیال چوراسی کا اور بعض تذکروں میں ملا عبدالسلام دیوی کا بھی ذکر ہے، ملا عبدالسلام دیوی کا "استادِ ملا قطب شہیدؒ" کے ضمن میں مصنف رسالۂ قطبیہ نے ذکر کرتے ہوئے دو خاص باتیں اُن کے بارے میں لکھی ہیں:

(۱) مروج علم اصول در ہند بود۔ — (۱) ہندوستان میں علم اُصول فقہ کو انھوں نے رواج دیا۔

(۲) خلاف روایات فتاویٰ فتویٰ می دادند چراکہ بر اصول منطبق نمی یافتند۔[2] — (۲) فتاویٰ کی کتابوں میں درج فتووں کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، اس لیے کہ کتابوں میں درج فتوے اصول فقہ پر منطبق نہیں پاتے تھے۔

بہرحال ملا قطب الدین شہید کا سلسلۂ تلمذ اس طرح ہے: ملا عبدالحلیم و ملا دانیال چوراسی، دونوں نے ملا عبدالسلام دیوی سے، انھوں نے ملا عبدالسلام لاہوری سے، انھوں نے میر فتح اللہ شیرازی سے، انھوں نے خواجہ جمال الدین محمود شیرازی سے، انھوں نے علامہ جلال الدین دوانی سے، انھوں نے علامہ محی الدین کوشکناری اور خواجہ حسن شاہ بقال سے، انھوں نے میر سید شریف جرجانی سے، انھوں نے مبارک شاہ سے اور انھوں نے علامہ قطب الدین رازی سے پڑھا۔[3]

ملا قطب شہید، تذکرہ نویسوں کی صراحت کے مطابق تیس سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون ظاہری میں فارغ ہوکر اپنے والد ماجد کے ہمراہ لاہور سے وطن واپس آکر قصبۂ سہالی میں مسندِ درس پر بیٹھے اور چالیس سال کی عمر میں حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی چشتی وجودی کے خلیفہ و جانشین قاضی گھاسی

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ ص۵۹ ۔ [2] رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص۱۰ ۔ [3] تذکرۂ علمائے فرنگی محل مصنفۂ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم مطبوعہ در مطبع اشاعۃ العلوم (۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء) ص۱۱

الہ آبادی سے جن کا نام قاضی صدرالدین تھا، علوم باطنی حاصل کیے اور سلسلۂ چشتیہ میں ان کے مرید اور خلیفۂ مجاز ہوئے، تخمینی حساب سے یہ ۱۰۷۸ھ ہوگا، درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ ملا قطب شہید سے اس قدر وسیع ہوا کہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے بیان کے مطابق :۔

امام اساتذہ و مقتدائے جہابذہ معدن عقلیات و مخزن نقلیات ملا قطب الدین عمرہا انجمن درس آراست و جہاں جہاں ارباب تحصیل را بہ پایۂ تکمیل رسانید وامروز سلسلۂ استفادۂ اکثر علمائے کشورِ ہندوستان بہ او منتہی می شود (مآثرالکرام مطبوعہ)	اساتذہ کے سرگروہ، دانشوروں کے پیشوا، معقولات کی کان، اور منقولات کے خزانے ملا قطب الدین نے ایک عرصے تک مسند درس کو رونق بخشی اور جگہ جگہ کے طلبۂ علم کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ آج مملکت ہندوستان کے بیشتر علماء کا سلسلۂ تلمذ ملا قطب الدین تک پہونچتا ہے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے ملا قطب کے سالِ شہادت کے بارے میں لکھا ہے کہ :۔

شخصے مصراع تاریخی در بحر خفیف یافتہ کہ دراں ترکیب توصیفی قطع می شد لہذا فقیر مصراع را در وزنِ رباعی بردہ سہ مصراع دیگر ضم ساخت :۔	ایک شخص نے بحر خفیف میں مصرعۂ تاریخ وفات دریافت کیا تھا، جس میں ترکیب توصیفی منقطع ہوگئی تھی، اس لیے فقیر (علامہ آزاد بلگرامی) نے اس مصرع کو رباعی کے وزن میں منتقل کر کے تین مصرعے اس میں اضافہ کر دیے :۔

علامۂ بحر زاخر فضل و ہنر — در دامنِ اربابِ طلب ریخت گہر

دل خون شدہ تاریخ وفاتش فرمود — قطب عالم شدہ شہید اکبر ۱۱۰۳

(فضل و ہنر کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، علامۂ روزگار جس نے اربابِ طلب کے دامنوں کو موتیوں سے بھر دیا، دل نے خون ہوکر ان کے وفات کی تاریخ یہ کہی :۔ قطب عالم شدہ شہید اکبر ۱۱۰۳

ملا قطب شہید کی ایک خصوصیت کا تقریباً سب تذکرہ نویس مشترک الفاظ میں ذکر کرتے ہیں،

یعنی "ارباب تحصیل را بہ پایۂ کمال رسانید" (غلام علی آزاد بلگرامی)، "اکثرے را از مرتبۂ شاگردی با وج استادی رسانیدند" (فرحۃ الناظرین)، "تحصیل فراغ بسیاری از مردمان بخدمت ایشاں" (عمدۃ الوسائل) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملا صاحب کا اپنے عہد میں اصلی امتیاز خوبی درس و تدریس تھا، اور اس درس کی خوبی "تحصیل فراغ بسیاری" یعنی جلد فارغ التحصیل کرا دینا تھی، "تحصیل فراغ بسیاری از مردماں بخدمت ایشاں" کا یہ مطلب میں نے سمجھا ہے، دوسرا مطلب "بسیارے از مردماں" بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی بڑی تعداد میں لوگ ملا صاحب کی خدمت میں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ اس سے بھی خوبی درس پر ہی روشنی پڑتی ہے۔

فائدہ ملا صاحب شہید کے درس کی خوبی، متانت اور اتقان کو ان اجلۂ علماء کے کارناموں سے بھی جانچا جا سکتا ہے، جو ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کر کے اُستادی کے درجے تک پہونچے، اُن میں سے چند نام تاریخ نے محفوظ کر لیئے ہیں:۔

(۱) قطب الدین شمس آبادی مسکناً و امیٹھوی موطناً (۲) حافظ امان اللہ بنارسی صاحب محکم الاصول (۳) قاضی محب اللہ بہاری صاحب سلّم و مسلّم (۴) قاضی شہاب الدین گوپاموی (۵) حاجی صفت اللہ خیرآبادی (۶) زین العابدین سندیلوی (۷) قاضی دولت سہالوی (۸) ملک بہاء الدین بلگرامی (۹) میر عبدالہادی بن میر عبدالواحد بلگرامی (۱۰) ملا محمد غوث کاکوروی (۱۱) مولوی اسمٰعیل اورنگ آبادی (۱۲) ملا محمد اسعد فرزند اکبر ملا قطب شہید (۱۳) ملا محمد سعید (فرزند دوم ملا قطب شہید) اور (۱۴) ملا علی قلی جائسی (غالباً)

یہ تمام تلامذہ اپنے علمی اور تدریسی کارناموں کی بنا پر علیحدہ علیحدہ عنوانِ گفتگو بننے کے مستحق ہیں۔ مگر اس کا یہ محل نہیں ہے۔ ملا قطب کے ایک شاگرد کا جو دوسرے پہلو سے تاریخ میں محفوظ رہ گئے، ان علمی شخصیتوں کے ساتھ تذکرہ نگاروں نے نام نہیں لیا ہے، یہ ہیں غلام مصطفےٰ متخلص بہ انسان کنبوہ مرادآبادی "سروِ آزاد" میں علامہ بلگرامی نے ان کا بحیثیت شاعر ذکر کرتے ہوئے ان ہی کی زبانی ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے:۔

Marfat.com

شیخ غلام مصطفیٰ انسان کامل بود در احاطۂ
علوم عقلی و نقلی ممتاز اماثل، تحصیل معقولات
بیشتر از ملا قطب الدین سہالوی نمود، چندے
در خدمت شیخ غلام نقش بند لکھنوی تلمذ کرد

شیخ غلام مصطفیٰ انسان علوم عقلیہ و نقلیہ پر
حاوی ہونے میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے
تھے، اور ہم عصروں میں ممتاز مانے جاتے
تھے، اکثر علوم عقلیہ کی تحصیل ملا قطب الدین
سہالوی کی خدمت میں کی اور تھوڑا بہت شیخ
غلام نقش بند لکھنوی کی خدمت میں پڑھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :

فرمود، در ایام طالب علمی با جوانے تعلق خاطر
پیدا شد، جوانے در قصبۂ از قصبات سکونت
داشت خود را بمسکن محبوب کشیدم و دست
از تحصیل باز کشیدم قضارا جوانے فوت شد
و من سر بصحرا دادم وقتے ملا قطب الدین
را گزرے براں قصبہ افتاد و از مردم استفسار
حال بندہ نمود صورت واقعہ بعرض رسانیدند
فرمود کسے بہ او برود و او را بیارد مردم
گفتند او بآبادی زنہار نمی آید، حضرت ملا
قلم گرفتہ بر رقعہ نوشت "اطرق کراء
اطرق کراء ان النعامۃ فی القریٰ"
ایں کلام افسونِ عرب است کہ بآں جانوران
وحشی را صید کنند استعمال ایں کلام دریں
مقام نظر بحال شیخ و حضرت ملا کہ استاد بود

شیخ غلام مصطفیٰ نے خود بیان کیا کہ طالب علمی
کے زمانے میں ایک نوجوان سے مجھے عشق
ہو گیا تھا، یہ جوان ایک قصبہ کا رہنے والا
تھا، میں خود کو اپنے محبوب کے وطن میں کھینچ
لایا اور پڑھنے پڑھانے سے دست کش ہو گیا،
بدقسمتی سے وہ جوان فوت ہو گیا اور میں جنگل
کی خاک چھاننے لگا، ایک دفعہ ملا قطب الدین
اسی قصبے میں تشریف لائے اور لوگوں سے
میرا حال دریافت کیا، جو معاملہ تھا لوگوں نے
عرض کر دیا، ملا صاحب نے فرمایا کہ کوئی جا کر اسکو
یہاں لے آتا لوگوں نے کہا کہ وہ بستی میں
کبھی نہیں آتے، حضرت ملا صاحب نے قلم
اٹھایا اور ایک پرزے پر حسب ذیل الفاظ تحریر
فرمائے "اطرق کراء اطرق کراء ان النعامۃ

Marfat.com

بسیار بموقعہ واقع شد، بمجرد دیدن شقہ سمعاً وطاعۃً بخدمت ملا شتافتم وسعادت ملازمت دریافتم۔

فی القری" (یہ الفاظ ایک منتر ہیں جن کے ذریعہ اہل عرب جنگلی جانوروں کو قابو میں کیا کرتے ہیں، اس جگہ اس منتر کا استعمال شیخ غلام مصطفیٰ اور حضرت ملا صاحب کے حال کو دیکھتے کہ وہ ان کے استاد تھے انتہائی برمحل تھا) یہ پرزہ دیکھتے ہی میں دوڑتا ہوا ملا صاحب کی خدمت میں بسروچشم حاضر ہوا اور سعادتِ قدم بوسی حاصل کی۔

شیخ غلام مصطفیٰ استاذ کی وفات علامۂ بلگرامی کی صراحت کے مطابق ۱۱۴۲ھ میں ہوئی، ان کی قبر المچو رمیں ہے۔

تصانیف ملا قطب الدین شہید کی تصانیف کے مطالعہ سے دنیا محروم رہ گئی صرف ان کے نام باقی رہ گئے علامہ آزاد بلگرامی کا کہنا ہے:۔

ملا بشرح عقائد علامۂ دوانی حاشیۂ دقیقے تعلیق کردہ بود، فتنہ جویان وقت شب خون خانۂ ملا را آتش زدند حاشیۂ مذکور درضمن اثاث البیت طعمۂ آتش بیداد گردید

(مآثر الکرام)

ملا قطب الدین نے شرح عقائد علامہ دوانی پر بڑی دقت نظر سے ایک حاشیہ لکھا تھا، فتنہ پردازوں نے جب ملا صاحب کے گھر پر شبخون مارا تو گھر کے سامان کے ساتھ یہ حاشیہ بھی بے رحم آگ کا لقمہ بن گیا۔

ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

درہر فن رسالۂ مضبوط وکتاب مستحکم تالیف فرمودہ اشہر آں حاشیۂ تلویح وشرحِ عقائد نسفیہ و تعریفاتِ بزدوی وحاشیۂ مطول ورسالۂ

ہر فن میں ایک مضبوط تصنیف اور مستحکم کتاب انھوں نے تحریر فرمائی تھی، ان کی مشہور تصانیف میں حاشیۂ تلویح، حاشیۂ شرح عقائد

تحقیق دار الحرب وغیرہ کتب کثیر الحجم کہ از دستِ ظلمۂ فسقہ برباد شدند؂۱

نسفی، تفریعات بزدوی کی شرح، حاشیہ مطول اور دار الحرب کی تحقیق میں ایک رسالہ ہے، یہ سب بڑی ضخامت والی تصانیف ظالم بدمعاشوں کے ہاتھوں برباد ہوگئیں۔

مصنف رسالۂ قطبیہ ملا عبد الاعلیٰ نے لکھا ہے:-

تصانیفش بسیار بود ہمہ مفقود شدند حاشیہ شرح حکمۃ العین کہ در کتب خانۂ مولائے کامل موجود است و چند اجزائے مسودۂ رسالۂ امور عامہ نیز الحال یافتہ شدند و حاشیہ تلویح تا وقت مولانائے عارف موجود الحال مفقود است؂۲۔

ملا قطب الدین کی بہت سی تصانیف تھیں، سب مفقود ہوگئی ہیں، شرح حکمت العین کا حاشیہ ملا بحر العلوم کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور امور عامہ کے متعلق ایک رسالے کے چند اجزاء بھی پائے جاتے ہیں، حاشیہ تلویح ملا نظام الدین کے زمانے تک موجود تھا، اب لاپتہ ہوگیا ہے۔

یہ صورت حال بارھویں صدی ہجری کے آخر کی ہے جو مصنف رسالۂ قطبیہ نے لکھی ہے، محضر میں جو ملا قطب شہید کے فرزندوں کی طرف سے عالمگیر کو پیش کیا گیا تھا، تحریر ہے:-

قریب نہ صد جلد مجتمع بود اکثرے از آں آتش دادہ سوختند دراں میان مصحف مجید چہار جلد و مشکوٰۃ وغیرہ از کتب حدیث و مصنفات مولوی حاشیہ تلویح و شرح عقائد نسفیہ و تفریعات بزدوی و حاشیہ

ظالموں نے ملا صاحب کے کتب خانہ کو جس میں نو سو کے قریب کتابیں تھیں ان میں اکثر کو آگ لگا کر جلا ڈالا، جن میں قرآن شریف کے چار نسخے، مشکوٰۃ اور حدیث کی دوسری کتابیں اور ملا قطب شہید کی تصانیف حاشیہ

؂۱ عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ فرنگی محل ص۶ ؂۲ رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص۳

مطول وغیرہ کتب کثیر الحجم مشتمل بر فوائد جمیلہ بود
ہمہ سوختہ شدہ و ہمہ را بر داشتہ بردند

توضیح، شرح عقائد نسفیہ، شرح تفریعات بزودی اور حاشیۂ مطول وغیرہ شامل تھیں اور جو بڑی ضخیم اور بہترین مباحث پر مشتمل تھیں، سب جل گئیں اور حملہ آور سب اٹھا لے گئے۔

بہر حال اس وقت ملا قطب شہید کی کوئی تصنیف نہیں پائی جاتی ہے، ان کی افسوسناک بربادی کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، اس سے علمی دنیا ایک ایسے مصنف اور مدرس کے نقطۂ نظر سے محروم ہو گئی جو تدریسی پہلو سے بلاشبہ عہد آفریں تھا، ملا قطب کے علمی عہد کا آغاز ایسے وقت ہوا جب ہندوستان کے بڑے بڑے مصنفین زندہ تھے جن میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، میر زاہد ہروی اور حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی قابلِ ذکر ہیں، ان سب حضرات کا رجحانِ تصنیف جداگانہ ہے، اگر ملا قطب شہید سہالوی کی تصانیف باقی رہتیں تو علمی حلقوں کو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ ہوتا کہ طریقۂ تدریس میں انقلاب لانے والی اس مقدس ہستی کا رجحانِ تصنیف کیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "فرنگی محل یا نظامیہ بغداد یا ہندوستان کا کیمبرج" میں ملا قطب الدین شہید کو اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے:-

"تمام ہندوستان بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دو سو برس تک متواتر اور مسلسل بلا فصل ان کی نسل سے علماء ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔"

علامہ شبلی نے یہ مضمون جس کا اقتباس لیا گیا ہے ۱۹۱۰ء میں لکھا تھا۔

ملا قطب شہید کا ددھیال سہالی ضلع بارہ بنکی میں اور ننہال گڑہی بھلول ضلع بارہ بنکی میں تھا۔ ان کے نانا ملک حمزہ شہید[۱] عباسی گڑہی بھلول کے چودھری تھے، ملا صاحب کی شادی قصبۂ بسیہ ضلع

---

[۱] ملک حمزہ عباسی (ملا قطب الدین شہید کے حقیقی نانا) اپنے سگے بھائی ملک مبارز کے ساتھ حسبِ حکم بادشاہ وقت شاہجہاں

(باقی اگلے صفحہ پر)

بارہ بنکی میں احرار خاندان میں ہوئی تھی۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنے اسی مضمون میں لکھا ہے کہ "ملا صاحب کی شادی چودھری محمد آصف سہالوی کی لڑکی سے ہوئی تھی" یہ صحیح نہیں ہے۔ چودھری آصف کی بیٹی سے ملا صاحب کے منجھلے بیٹے کا عقد ہوا تھا۔

اولاد | ملا قطب شہید کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، بیٹیوں کی شادیاں گڑھی کھلول اور گھس کر میں ہوئی تھیں۔

بڑے بیٹے ملا اسعد، منجھلے ملا محمد سعید، سنجھلے ملا نظام الدین اور چھوٹے ملا محمد رضا تھے، ملا اسعد اور ملا سعید نے اپنے والد ماجد ہی سے تحصیل علم کی تھی، بڑے بیٹے ملا اسعد اپنے والد کی حیات ہی میں اورنگ زیب کے پاس چلے گئے تھے، اور اپنی بیوی اور خورد سال بیٹے غلام محمد مصطفیٰ کو اپنے والد کے پاس چھوڑ دیا تھا، وہ عالمگیر کے پاس تھے کہ والد ماجد کی شہادت کی خبر موصول ہوئی۔ ملا اسعد پھر وطن واپس نہیں آئے، اغصانِ اربعہ کے اندراج کے مطابق (صفحہ ۱۳۳) ملا اسعد برہان پور کے صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کا سالِ وفات اور مرقد تک معلوم نہیں ہے، ان کا علمی کارنامہ علامہ دوانی کے حاشیۂ قدیمہ پر حاشیہ موجود ہو جو ان کی علمی قابلیت کی قاطع دلیل ہو جس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے تذکرہ علمائے فرنگی محل کے مصنف مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہو کہ انھوں نے یہ حاشیہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے کتب خانے میں دیکھا تھا، مگر اب مولانا عبدالحیٔ کے ذخیرے میں جو آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی میں منتقل ہو چکا ہے اس کا پتہ نہیں چل پایا۔

منجھلے صاحبزادے ملا محمد سعید ملا قطب کی شہادت کے وقت موجود تھے اور اس معرکے میں زخمی بھی ہوئے تھے، واقعۂ شہادت کے بعد ہی بیٹے محضر لے کر عالمگیر کے پاس گئے تھے، جو اس وقت دکن میں تھا، عالمگیر نے جو صورت واقعہ سے پہلے ہی مطلع ہو چکا تھا، ملا قطب شہید کے کنبے کی اسر،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو ارکی غیر مسلم برادری کے جھگڑے کے تصفیہ کے لیے گئے تھے جہاں دھوکے سے دونوں بھائی شہید کر دیے گئے۔ ماخوذ از کتاب حالاتِ تاریخی چودھریان گڑھی مخطوطہ فرنگی محل صفحہ ۲۹) ملک حمزہ کی صرف اولاد دختری تھی۔ ایک دختر قصبہ سہالی میں کتخدا ہوئیں جن کی اولاد میں علمائے فرنگی محل ہیں۔ دوسری دختر قصبہ محمود آباد گھسکر میں منسوب ہوئیں۔

(چودھریان گڑھی مخطوطہ صفحہ ۱۰)

خواہش کو کہ وہ اب سہالی میں رہنا نہیں چاہتا، معلوم کر کے ان ہی ملا محمد سعید کے ذریعہ کروری بلدہ لکھنؤ کو فرمان بھیجا کہ:-

ہر مکانیکہ ملا محمد سعید فرزندار جمند مولانا قطب الدین شہید برائے سکونت خود و دیگر فرزندانِ شہید مذکور در بلدۂ لکھنؤ تجویز نمایند آں را سپرد کردہ و بقبضۂ او در آوردۂ[۱]	ملا قطب الدین شہید کے فرزندار جمند ملا سعید اپنے اور ملائے شہید کے دوسرے بیٹوں کے رہنے کے لیے جو مکان بھی لکھنؤ میں پسند کریں، وہ ان کے سپرد کر کے اس پر ان کا قبضہ دلایا جائے۔

کروریِ بلدۂ لکھنؤ اس زمانے میں شیخ حسام الدین تھے جو ملا قطب شہید کے چچیرے بھائی تھے، وہ خود اگرچہ لکھنؤ میں تھے لیکن ان کا گھر بار سہالی میں تھا، ان کا گھر بھی ملا قطب شہید کے قاتلین کے ہاتھوں تاراج ہوا تھا۔

ملا محمد سعید عالمگیر کا یہ فرمان لے کر کروری بلدۂ لکھنؤ کے پاس آئے اور اپنے کنبے کے لیے فرانسیسی تاجر کی اس کوٹھی پر ان کی نظر انتخاب پڑی جو اجارے کی مدت ختم ہو جانے کے بعد سرکاری ملک میں آگئی تھی، اس کوٹھی میں جو "حویلی فرنگی" کہلاتی تھی، اپنے گھر والوں کو بسا کر ملا سعید خاص اس حویلی کا فرمان حاصل کرنے کے لیے دوبارہ بادشاہ کے پاس دکن گئے اور جدید فرمان لے کر جس میں "یک منزل حویلی فرنگی" کے الفاظ ہیں (اور جو اب تک محفوظ ہے) واپس وطن آئے۔[۲]

ملا محمد سعید کچھ عرصہ وطن میں قیام کر کے پھر عالمگیر کے پاس چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا، سالِ وفات اور مرقد کے سلسلے میں، وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہم قسمت ہی ثابت ہوئے۔

اب ملا قطب شہید کے کنبے کی سربراہی ملا قطب کے سنجھلے فرزند کے ذمہ آگئی جو والد ماجد کی شہادت کے وقت صرف ۱۴ سال کے تھے، ان کی تعلیم بھی متوسطات سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی، اور یہی چودہ سالہ یتیم تھا جو آوارۂ وطن قافلۂ اولاد ملا قطب شہید کے ہمراہ سہالی سے مشکوک اور غیر یقینی مستقبل کے دھندلکے میں لکھنؤ کی سمت روانہ ہوا تھا۔

---

[۱] اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۳۲ [۲] ایضاً

Marfat.com

لکھنؤ

Marfat.com

تاریخی تحقیقات کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے، کسی تاریخی مقام یا لفظ کی تحقیق میں برسوں صرف کر دینے والے مؤرخ کے نتیجے کو، بارہا ایسا ہوا کہ کسی نئی شہادت کی اچانک دستیابی نے باطل ٹھہرا دیا، "لکھنؤ" کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔

اس سوال پر ہمیشہ غور و خوض ہوتا رہا ہے کہ "لکھنؤ" کا مطلب اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور دراصل یہ لفظ کیا تھا اور کس لسانی ارتقاء سے گزر کر یہاں تک پہونچا؟ اور موجودہ لفظ "لکھنؤ" تاریخ کی کتابوں میں سب سے پہلے کب آیا؟۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا ہے:۔

"تاریخوں میں سب سے پہلے میری تلاش میں تیمور کے حملے کے بعد ۸۰۳ھ مطابق ۱۴۰۰ء میں ملتا ہے، تیمور کی واپسی کے بعد جب ملک میں طوائف الملوکی کا دور ہوا اور ظفر خاں نے گجرات میں، خواجہ جہاں کے بیٹے مبارک شاہ نے قنوج، اودھ، کڑہ اور جونپور میں، اور خضر خاں نے لاہور، دیپالپور و ملتان میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں تو ملو اقبال خاں نے دوآبہ میں اپنی ریاست جمانی چاہی، مبارک شاہ نے پورب میں اس کے پاؤں جمنے نہ دیئے، اس سلسلے میں لکھنؤ کا نام پہلی دفعہ سننے میں آتا ہے، فرشتہ میں ہے۔ "ملو اقبال خاں بہ قنوج رفتہ خواست کہ بہ جونپور و لکھنؤ در آید"[۱]

---

[۱] حیات شبلی ص۱۳ (مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

تاریخ فرشتہ متأخر تصنیف ہے، اس میں 'لکھنؤ' کا نام درج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تیمور کے حملہ کے بعد پھیلی ہوئی طوائف الملوکی کے زمانہ میں بھی، یعنی پندرھویں صدی عیسوی میں بھی لکھنؤ کو اسی نام سے موسوم کیا جاتا تھا، فرشتے کے بیان سے اسی قدر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے زمانے میں، جو کافی متأخر ہے، لکھنؤ کے نام سے اس بستی کو یاد کرنے لگے تھے۔

ایک سراغ ایسا مل گیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ لکھنؤ کا نام تاریخ میں چودھویں صدی عیسوی کے اول نصف میں آ چکا تھا، یعنی ملو اقبال خاں کی سرگرمیوں سے بھی تقریباً سو سال قبل۔

کتاب "رحلۃ ابن بطوطہ" (عربی مطبوعہ) کے مطالعہ کے دوران دوسری جلد کے ٹائیٹل پر بائیں گوشے کے اوپر "ذکر لکھنؤ ص ۶۴" لکھا ہوا ملا، یہ کتاب مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کی خرید کردہ تھی اور ان کے مطالعہ میں رہ چکی تھی، یہ ان ہی کے قلم کی تحریر تھی، جس نے بتایا کہ لکھنؤ کا ذکر ابن بطوطہ کے سفرنامے (عربی مطبوعہ) کے صفحہ ۶۴ پر آیا ہے، ابن بطوطہ سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ۷۳۴ھ (۱۳۳۳ء) میں ہندوستان آیا تھا، اور ہندوستان کے طول و عرض میں دس سال کے قریب اس نے بسر کیے، سلطان کے ایک گورنر عین الملک کی بغاوت کے سلسلے میں اس نے لکھا ہے:۔

وامیرھا عین الملک بن ماھر ومنھا مدینۃ عوض ومدینۃ ظفرآباد ومدینۃ اللکھنوٴ وغیرھا۔ (ص ۶۴ مطبوعہ قاھرہ ۱۳۲۸ھ)

سفرنامے کی پوری عبارت کا اردو میں مفہوم یہ ہے:۔

"جب ملک میں قحط پھیل گیا تو بادشاہ (سلطان محمد بن تغلق) دریائے گنگ کے کنارے جس کو ہندو متبرک خیال کرتے ہیں اور ہر سال حج کے طور پر وہاں جاتے ہیں، چلا گیا یہ دلی سے دس منزل پر تھا۔۔۔۔۔ میں بھی بادشاہ کے کیمپ میں ان ہی دنوں پہونچا تھا، دریائے گنگا کے مغرب میں جو شہر تھے اور جہاں سلطان مقیم تھا، سخت قحط زدہ تھے، اور مشرق میں جو شہر تھے، ان میں ارزانی تھی، اس علاقہ کا حاکم امیر عین الملک بن ماہر تھا، اسی علاقے میں اودھ کا شہر ظفرآباد کا شہر اور لکھنؤ کا شہر ہے۔"

Marfat.com

دوسری تاریخوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قحط محمد بن تغلق کے دولت آباد سے ۷۴۴ھ میں واپسی کے زمانے میں شمالی ہندوستان میں پڑا تھا، مگر پورب کا علاقہ اس مصیبت سے محفوظ تھا، اسی لیے سلطان نے اجازت دے دی تھی کہ جس کا جی چاہے پورب کے علاقے میں جاکر مصیبت کے یہ دن کاٹے، اور خود سلطان محمد تغلق اپنے لشکر کے ساتھ شمس آباد (ضلع فرخ آباد) کے قریب ایک مقام "سرگ دوار" چلا گیا۔[۱]

مشہور ہے کہ لکھنؤ، رام چندر جی کے بھائی لچھمن کی جاگیر تھا، اور اس خطہ کا نام پہلے "لچھمن پورہ" یا "لچھمن پوری" تھا، مگر یہ ماقبل تاریخ کی باتیں ہیں، بہرحال ایک عرفانی اشارہ ایسا ملتا ہے جس سے لکھنؤ کے لچھمن جی سے تعلق کی بات بالکل بے اصل نہیں رہتی۔

یہ روایت "کراماتِ رزاقیہ" کی ہے، جو حضرت شاہ سید عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کے ملفوظات اور کرامات پر مشتمل ہے۔ مصنّف محمد خاں صاحب رزاقی شاہجہانپوریؒ نے صاحبِ ملفوظ کے پوتے شاہ غلام علی رزاقی (متوفی ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ غلام دوست محمدؒ (متوفی ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء) سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ رحمۃ اللہ علیہ سے سن کر بعینہٖ ان ہی الفاظ میں جو حضرت سید بانسویؒ کے زبانِ مبارک سے ادا ہوئے، ملفوظ کو مرتب کیا ہے، اسی لیے کتاب "کراماتِ رزاقیہ" اگرچہ دو سو برس پرانی تصنیف ہے، لیکن اس کی زبان تین سو برس پرانی ہے، کیونکہ مصنف نے "بے کم و کاست" ان ہی الفاظ کے قلم بند کرنے کا التزام رکھا تھا، جو حضرت سید صاحب بانسویؒ کی زبانِ فیض ترجمان سے ادا ہوئے تھے، اور بعینہٖ نقل ہوئے تھے، بہرحال کتاب "کراماتِ رزاقیہ" میں شاہ غلام علیؒ کی زبانی نقل ہے:-

"ایک دفعہ حضرت (سید صاحب بانسویؒ) دکن میں تھے، ایک روز اپنے مکان کو تشریف لے چلے وہاں دو راہیں تھیں، ایک آبادی کی، ایک جنگل کی، کہیں یہ (سید صاحب بانسویؒ) تشریف لے

---

[۱] تاریخِ بدایونی مطبوعہ۔

Marfat.com

جانے میں آبادی کی راہ چھوڑ کر جنگل کی راہ چلے گئے، اس جنگل میں ایک تالاب دیکھا، اُترے وضو کیا تو ایک شخص آیا حضرت سے پوچھا "کہاں رہتے ہو" حضرت نے فرمایا "شہر لکھنؤ میں" اُن نے کہا کہ "ہمارا لچھنؤ ہے" تو فرمایا کہ "ہمارا لکھنؤ تو میں نہیں جانتا ہوں، ایک شہر ہندوستان میں ہے، وہاں رہتا ہوں" تو اُن کہا کہ آج یہاں رہو ہمارے تم مہمان ہو" یہ کہہ کے وہ شخص چلا گیا، ریچھ اور باگ آکر بیٹھے، اُن کے جی میں خطرہ آیا، بعد ایک لمحے کے دو شخص آئے حلوا لے کے، یہ بات کہی کہ اس کو کھاؤ" اور حلوا سوہن بھوگ اس قدر تھا کہ آپ نے کھایا اور گھوڑے کو کھلایا اور کہا کہ "یہ ریچھ اور باگھ جو بیٹھے ہیں سو تمھاری چوکی کے واسطے بیٹھے ہیں، تم اپنے جی میں خطرہ نہ کرو اور رام لچھمن سنتے ہو گے تو ہمیں ہیں صبح کو راہ بتا دیں گے"[۵]........

بے شک اس واقعہ کو تاریخ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس کی حیثیت مکاشفے کی ہے، جس کا تعلق عالمِ اجساد سے نہیں ہے عالمِ امثال سے ہے، پھر بھی لکھنؤ کے موجودہ لفظ کے ابتدائی مرحلے پر ضمنی روشنی اس سے ضرور پڑتی ہے، اور "لچھنؤ" سے لکھنؤ ہونے کے قیاس کو فی الجملہ مدد پہونچتی ہے۔

لکھنؤ کی تاریخ کچھ بھی رہی ہو۔ ملا قطب الدین سہالویؒ کا لٹا ہوا کنبہ اسی لکھنؤ کی طرف نقل سکونت کر رہا تھا، اس طرح ملا قطبؒ کی ایک پیشین گوئی بھی پوری ہو رہی تھی جو اپنے اسی سنجھلے بیٹے کے سلسلے میں جو لٹے ہوئے کنبے میں چودہ پندرہ سالہ یتیم کی حیثیت سے شامل تھا، انھوں نے کی تھی،

اس بیٹے کے بارے میں روایت ہے کہ:

درسنِ صغر سالگی بغایت بیمار شد بحدیکہ مردماں امید از زلیست وے بر داشتند و زنان و مردمانِ خانہ گریہ آغاز کردند و آواز گریہ	بچپن میں انتہائی شدید بیمار ہوئے کہ لوگوں کو امید زلیست باقی نہ رہی، گھر کی عورتوں اور مردوں نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ ان کی

۵؎ کرامات رزاقیہ مطبوعہ ص۳۱ طبع دوم

وزاری چوں بسمع مولانا رسید بخانہ تشریف آوردند وتفحص حال فرزندار جمند خود ساختند بدریافت شدت مرض وردأۃ حال وملاحظہ اضطراب واختلال مردمان ملال بخاطر مبارک راہ یافتہ اند کے سر بجیب تفکر نہادند بعد ازاں بوالدہ خود گفتند کہ ہیچ جائے وسواس نیست انشاء اللہ تعالیٰ ازیں مرض صحت خواہد یافت وبہ لکھنؤ استقامت خواہد ورزید۔[1]

گریہ وزاری جب ملا قطب شہید کی سماعت میں آئی تو مکان کے اندر تشریف لائے اور فرزندار جمند کے مزاج کا حال پوچھا، مرض کی شدت اور حالت کے بگڑنے کو دیکھا اور گھر والوں کی گھبراہٹ اور بدحواسی ملاحظہ فرمائی تو قلبِ مبارک پر اثر ہوا، تھوڑی دیر سر جھکائے رہے، پھر سر اٹھا کر اپنی والدۂ ماجدہ سے فرمایا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے انشاء اللہ اس بیماری سے یہ اچھا ہو جائے گا اور لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کرے گا۔

پھر یہ شدید بیمار بیٹا " صحت یاب بھی ہوا، اپنے والد ماجد سے پڑھا بھی اور جب والدِ ماجد کی شہادت واقع ہوئی تو ان کا یہ فرزند جواب چودہ سالہ یتیم تھا۔ اپنے باپ کی لاش کے ساتھ دشمنوں کی حراست میں کئی روز سہالی سے دور رہا، قرب وجوار کے شرفا جو سہالی سے تین تین چار چار میل پر واقع فتح پور اور دیوا کے زمیندار تھے، خوشامد درآمد کر کے اس چودہ سالہ ستم زدہ کو پنجۂ اشقیا سے چھڑا کر لائے، یہ شعور کی عمر ہوتی ہے، اس چودہ سالہ یتیم کے یہ چار پانچ دن کیسے گزرے ہوں گے؟ کہ ایک طرف اس عالی مرتبت باپ کے بے گور وکفن لاشے کے ساتھ کشاں کشاں اِدھر سے اُدھر لے جایا جا رہا ہے، دوسری طرف اپنی آنکھوں سے گھر بار کو لٹتا، پھنکتا، حقیقی بھائی کو زخمی، اور ماں، دادی، بھاوج کو بے حرمت ہوتے دیکھ چکا تھا، جس کے تصور سے روح لرزنے لگتی ہے، صبر دینے والا ہی ایسے حادثات پر توفیقِ صبر نہ دے تو دنیا کی بڑی آبادی غموں ہی سے ہلاک ہو جائے۔

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ فرنگی محل ص ۶۳

قضا و قدر کے فیصلے بھی بظاہر عجیب ہوتے ہیں، کوئی سوچ سکتا ہے کہ دو بڑے بھائی جن کی رسائی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دربار تک تھی، جن کی تعلیم والد ماجد کے ہاتھوں جو استاد کامل تھے، پایۂ تکمیل کو پہونچ چکی تھی، جو بال بچوں والے ہو کر باپ کے معاملات میں رفیق اور سہیم کی حیثیت رکھتے تھے، وہ تو بادشاہ تک رسائی حاصل کر کے تاریخ میں گمنام ہو جائیں، اور یہ چودہ سالہ یتیم جو ہر طرح بے دست و پا ہو، اس طرح باپ کا جانشین اور اُن کے نام کو روشن کرنے والا ثابت ہو کہ باپ ہی کا نہیں، بھائیوں کا، اُن کی اولاد کا اور پورے کنبے کا نام تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے ثبت کر جائے! نہ صرف اپنے کنبے کا نام اونچا کرے، بلکہ علمی دنیا کو ایسی راہ دکھا جائے کہ تین سو سال کے بعد بھی اور علمی دنیا میں سیکڑوں انقلابات آنے کے باوجود، بار بار نہ سہی تو گاہ گاہ علم کے طلب گاروں کی نگاہیں اس راہ کو تکتی نظر آئیں۔

ملا قطب شہید کا یہی چودہ سالہ یتیم ہے جسے آج دنیا بانیِ درسِ نظامی، استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کے نام کے ساتھ عقیدت و احترام سے یاد کرتی ہے۔

مُلّا نِظَامُ الدّین محمّدؒ

(اُستاذ الہند)

Marfat.com

ظاہری حالات پر نظر ڈالیے تو وہ یہ تھے کہ ملا قطب الدین شہید سہالوی کا یہ یتیم جو باپ کی شہادت کے وقت چودہ سال کا تھا، عالمگیری فرمان کے بموجب، جو حادثۂ شہادت کے پورے دو سال کے بعد یعنی ۱۱۰۵ھ (۱۶۹۴ء) میں باضابطہ جاری ہوا "یک منزل حویلی فرنگی متعلقہ آں واقع بلدۂ لکھنؤ مضاف بصوبۂ اودھ" کی ایک وسیع عمارت میں اپنی دادی، والدہ، دو بھاوجوں، تین خورد سال بھتیجوں اور ایک چھوٹے بھائی کے ساتھ رہ رہا ہے، اب خود اس کی عمر سولہ سال کی ہو چکی ہے، حویلی کے فرمان کے ساتھ کچھ مدد معاش بھی بادشاہِ وقت کی طرف سے مقرر ہے، ہر طرح فراغت کا دور ہے، عنفوانِ شباب سے دوچار قطب شہید کے خاندان کا یہ یتیم دونوں بڑے بھائیوں کی نگرانی اور تربیت کے دباؤ سے بھی آزاد ہے، وہ دونوں اس سے اور گھر بار سے بہت دور، اورنگ زیب عالمگیر کی سپرد کردہ علمی اور انتظامی خدمتوں پہ مامور ہو کر وطن کی خبروں سے، اور اہلِ وطن ان کی خبروں سے لاعلم ہو چکے ہیں، ایسے حالات کا تقاضا یہی ہے کہ وہ رئیس زادے کی سی زندگی گزار کر اپنے خاندان کا نام ڈبو دے، لیکن جو ہوا وہ ظاہری تقاضوں کے بالکل برعکس ہوا، ماں، دادی اور شفیق بھاوجوں کے سایۂ عاطفت کو اس نے خیرباد کہا، خاندان کے بڑے ہونے کی ذمہ داریوں کی پروانہ کی، گھر میں پڑھائی کا مناسب بندوبست ممکن نہ پاکر یا کسی سبب سے جس کی تحقیق اب ممکن نہیں ہے، اس نے ترکِ وطن کا عزم کر لیا، مگر یہ ترکِ وطن آبائی وطن سہالی کو چھوڑنے سے مختلف انداز کا تھا، وہ مجبور ہو کر کیا تھا، یہ پورے اختیار کے ساتھ۔

تاریخ میں ہے کہ ملا قطب الدین شہید کے کنبے کے لکھنؤ منتقل ہونے اور "حویلی فرنگی" میں

Marfat.com

اطمینان کے ساتھ آباد ہونے میں کم و بیش دو سال کا عرصہ لگا، اور جب مستقر اور قیام گاہ کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو نظام الدین محمد بن ملا قطب الدین شہید سولہ سال کی عمر میں) بغرض حصولِ تعلیم گھر سے نکلے اور کم و بیش دس سال میں تعلیم مکمل کر کے واپس لوٹے، (مجھے مدت تحصیل تعلیم کی اس تخمین سے اختلاف ہے، وجوہ آگے بیان ہوں گے)

اساتذہ | اساتذہ میں سب سے پہلے خود والد ماجد ملا قطب الدینؒ تھے، جن کی حیات میں شرح ملا جامی تک ان کی تعلیم ہو چکی تھی، گو پوری قطعیت کے ساتھ، سند اور ثبوت کے بغیر یہ کہنا ممکن نہیں کہ ملا شہید کی حیات میں جس قدر تعلیم ہوئی وہ سب ان ہی سے حاصل کی، لیکن قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اور معلم باپ نے ہونہار فرزند کی تعلیم کی طرف بذاتِ خود توجہ کی ------ والد ماجد کی شہادت کے بعد دیوہ (ضلع بارہ بنکی) جائس (ضلع رائے بریلی) بنارس اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کی روایتیں ملتی ہیں، لیکن دیوہ میں پڑھانے والے کا نام کہیں نہیں ملتا، دوسرے اساتذہ کے نام تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں، لکھنؤ کے قریب ہی قصبہ جائس ضلع رائے بریلی میں ایک صاحبِ درس ملا علی قلی جائسی کے درس کی شہرت تھی، اسی قصبے میں ملا محمد باقر بھی مسند درس بچھائے ہوئے تھے، قطب شہید کا یہ فرزند پہلے ملا باقر ہی کی خدمت میں حاضر ہوا، جنہوں نے اسے ہدایت کی کہ وہ ان کے بعض تلامذہ سے پڑھنا شروع کرے، عام رواج کے لحاظ سے یہ کوئی نامناسب بات نہ تھی، لیکن نظام الدین محمد نے جن کی قسمت میں درس و تدریس کی بادشاہی لکھی تھی، "تو دۂ کلاں" ہی سے استفادہ پیشِ خاطر رکھتے ہوئے اس صورتِ حال کو قبول نہیں کیا اور ملا علی قلی جائسی کے پاس حاضری دی، اور ان ہی سے اکثر کتبِ درسیہ پڑھیں، اس کے بعد بنارس جا کر والد ماجد کے ایک صاحبِ درس اور صاحبِ تصانیفِ مفیدہ شاگرد ملا امان اللہ بنارسی سے "شرح مواقف" جو علم کلام کی انتہائی کتاب ہے اور بعض دوسری انتہائی کتابیں پڑھیں، لکھنؤ واپس آکر ملا غلام نقشبند سے جو شاہ پیر محمد صاحبؒ کے مزار پر (واقع کنارۂ دریائے گومتی) فرائضِ درس اور فریضۂ رشد و ہدایت انجام دے رہے تھے، اور بیک واسطہ شاہ پیر محمد صاحبؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے، فن ہیئت

Marfat.com

کی آخری کتاب رسالہ قوشجیہ "پڑھی اور فارغ التحصیل ہو کر" ملا نظام الدین محمد بن ملا قطب الدین شہید" ہو گئے، اور فرنگی محل (لکھنؤ) میں جو ان کے خاندان کی قیام گاہ آٹھ دس سال ہوئے بن چکا تھا، درس و تدریس کا آبائی شغل شروع کر دیا۔ علامہ سید عبد الحیؒ الحسنی جو تراجم کے سلسلے میں صاحب ترجمہ کی حقیقی خصوصیتوں کی نشاندہی میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ ملا نظام الدین کو الامام العالم الکبیر، العلامۃ الشہیر، صاحب العلوم والفنون غیث الافادۃ الھتون العالم بالربع المسکون، استاذ الاساتذہ امام الجہابذہ الذی تفرد بعلومہ واخذ نواھا بیدہ لم یکن لہ نظیر فی زمانہ فی الاصول والمنطق والکلام کے شاندار القاب و خطابات سے نذرانۂ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔[۱]

---

[۱] نزھۃ الخواطر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد ششم

Marfat.com

فرنگی محل

Marfat.com

"فرنگی محل" کا نام پڑھنے اور سننے والے بجا طور پر سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ فرنگی محل کے نام اور اُس کے کام میں وجہ مناسبت کیا ہو سکتی ہے، خوش عقیدگی، قیاس کی مدد لے کر اس کو "فرہنگی محل" کی بگڑی ہوئی شکل قرار دے چکی ہے، "فرہنگ" بمعنی علم و دانش اس کے خیال میں کثرتِ استعمال سے فرنگ ہو گیا۔[۱]

---

[۱] قبل اس کے کہ اس نام کی اصلیت کی جستجو تاریخ کے صفحات پر کی جائے، اس سلسلے کے ایک لطیفہ کا ذکر نہ کرنا ظلم ہوگا، ۳۴۔۳۵ سال پہلے کی بات ہے، فرنگی محل میں مسلم اکاڈمی کا جلسہ تھا، یہ وہ علمی اور ادبی انجمن تھی جس کو مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی ایڈیٹر دلگداز اور شہر کے ممتاز علماء اور ادبا۔۔۔ با آبی خاندان سے ۱۹۲۳ء میں قائم کیا تھا، عموماً ہر مہینے اس کی نشست کسی ایک ممبر کے یہاں ہوتی تھی، جس میں کوئی عالم یا اہلِ قلم علمی، ادبی یا تاریخی مقالہ پڑھتا تھا، جس پر تبادلۂ خیال ہوتا تھا، اس کے بعد میزبان ممبر کی طرف سے شرکائے جلسہ کی ضیافت کی جاتی تھی، جو شروع شروع تو عام ضیافت رہی، اس کے بعد باقاعدہ پُر تکلف دعوتیں ہونے لگیں، جن میں ممبروں کے علاوہ معززینِ شہر بھی مدعو ہونے لگے۔ اسی قسم کی پُر تکلف دعوت والا ایک جلسہ فرنگی محل میں ہوا، جس میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے "رباعی" پر مقالہ پڑھا تھا۔

مقالہ کے بعد تمام مہمان دسترخوان پر یکجا ہوئے، میزبان جدی (استاذی مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم تھے، راقم الحروف گھر کے لڑکوں کے ساتھ کھانا کھلانے کی خدمت انجام دے رہا تھا، ڈاکٹر وحید مرزا (سابق صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) نے مولانا عنایت اللہ صاحب سے پوچھا کہ فرنگی محل کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ قبل اس کے کہ مولانا مرحوم کچھ کہیں مسٹر محمد وسیم بیرسٹر ایٹ لا نے (جو حکومت پاکستان کے ایڈوکیٹ جنرل ہو کر ۱۹۶۰ء میں وفات پا گئے) اس بے تکلفی کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

علمی تاریخ کے علاوہ مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ (وفات ۱۹۲۶ء) کی رہنمائی میں جب فرنگی محل ملکی اور ملّی سیاست کا ایک بڑا مرکز بن گیا اور سیاسی تاریخ میں بھی اس کا نام بار بار آنے لگا تو اس بنا پر کہ فرنگی محلی سیاست کا بنیادی خیال فرنگیوں کی مخالفت تھا اور "خلافت" تحریک جس کو لوگ "مخالفت" کا مرادف سمجھتے تھے) بڑی حد تک مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی ذات سے وابستہ تھی، فرنگی محل کے نام کی عجیب عجیب توجیہیں کی جانے لگیں، ان سب کا مفہوم مشترک یہ تھا کہ یہ "محل" فرنگیوں کی مخالفت کا مرکز اور مقام ہے۔

بہرحال اس مرکزِ علمی کے نام میں "فرنگی" کا جزء ایک سوال بن کر خاص و عام کے ذہن میں عجیب و غریب گل کھلاتا رہا، اسی صورت حال سے لسان العصر اکبر الہ آبادی کی ذہانت نے بھی فائدہ اٹھایا، جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد یو، پی کے گورنر سرجان ہرسکاٹ ہیوٹ نے رکھا تو انھوں نے جس طرح طبع آزمائی کی اس کو علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے الفاظ میں سُنیے:-

"عجب حسنِ اتفاق ہے، ہندوستان کا سب سے بڑا دارالعلوم لکھنؤ کا "فرنگی محل" تھا، جو درسِ نظامی کا بانی ہے، اور جس کے دامنِ فیض سے مولانا بحرالعلوم، ملا حمداللہ، ملا حسن وغیرہ تعلیم پاکر نکلے، "یہ فرنگی محل" اس لیے کہلاتا تھا کہ ایک فرنگی کی کوٹھی تھی،

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حق سے جوان کو مولانا مرحوم اور دوسرے علمائے فرنگی محل سے تھی، کہا- "وجہ تسمیہ بس یہی ہو کہ یہاں کے کسی عالم نے ایک فرنگن سے نکاح کرلیا تھا، اسی لیے فرنگی محل ہوگیا۔" لکھنؤ کے مشہور معالج ڈاکٹر عبدالحمید نے جو پاس ہی بیٹھے تھے، برجستہ کہا- "جی ہاں! جس طرح اب ڈالی باغ "فرنگی محل" ہوگیا ہے۔" اس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا جس میں وسیم صاحب بھی پوری طرح شریک ہوئے، اسی زمانہ میں ڈالی باغ میں (جو وسیم صاحب مرحوم کی عالی شان رہائشی کوٹھی تھی) رہنے والے ایک نوجوان لندن سے بیرسٹری کرکے آئے تھے اور اُن کی منکوحہ انگریز خاتون بھی ان کے ہمراہ آئی تھیں اور وہیں رہ بھی رہی تھیں۔ (محمد رضا انصاری)

Marfat.com

اور اس لیے "محل" اس کی طرف منسوب ہوگیا، شاہ عالمگیر کی سند میں یہ نام درج ہے، اس جدید دارالعلوم (ندوۃ العلماء) کی بنیاد ہز آنر لفٹیننٹ گورنر نے رکھی کہ وہ بھی اہلِ فرنگ ہیں، میر اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی نے اس موقع پر اس حسنِ اتفاق سے شاعرانہ کام لیا، لکھتے ہیں:۔

رکھی بنائے ندوہ ہز آنر نے آکے خود
سچ پوچھئے اگر تو "فرنگی محل" ہے یہ[۱]

شعر و شاعری میں 'فرنگی محل' کی نمود مختلف انداز میں ہوئی، قدیم لکھنؤ سے واقفیت نہ رکھنے والے چکر میں پڑ گئے جب انھوں نے آتش کا یہ مطلع پڑھا، ؎

ڈھلتی ہے عاشقانہ ہماری غزل تمام | چھانے ہوئے ہیں کوئے فرنگی محل تمام

یا منیرؔ شکوہ آبادی کا یہ مقطع دیکھا ؎

آفت کے ہیں بتانِ فرنگی محل منیرؔ | ہر وقت لکھنؤ میں دکھاتے ہیں شام زلف

تاریخ ادب میں "کوئے فرنگی محل" کی تلمیح کی کوئی تشریح نہ پاکر قدیم و جدید ادب کے مرشد محترم مولانا عبدالماجد دریابادی سے اس سلسلے میں کئی سال قبل رجوع کیا تھا، مولانا نے تحریر فرمایا تھا۔

"فرنگی محل پہلے چوک سے ممیز نہ تھا اس کی شہرت وہی تھی جو بعد کو چوک کی ہوئی، قلق کا بھی مشہور مصرع ہے۔ ع "جب دیکھئے قلق کو فرنگی محل میں ہے"۔

خدا جزائے خیر دے ریختی گو شاعر جانؔ صاحب کو (جن کا پورا نام میر یار علی ہے) ان کی وجہ سے شاعری میں 'فرنگی محل' کی آبرو بنی رہی، وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے ہیں:۔

فرنگی محل گوری بی صاحب! | ہے دُنیا میں جنت کا تختہ اچی
سلامت خدا رکھے اس باغ کو | اسی باغ کے گل ہیں سب جنتی
جو باغی ہیں ان کے رہیں خار خار | یہاں کے نہ غنچے کو ہو بے کلی

---

[۱] حیاتِ شبلی صفحہ ۴۰۲

بڑے چھوٹے سب دین کے رہنما　　یہ ہادی ہیں مرشد ہیں کامل ولی
قسم باجی! مریم کے سر کی مجھے　　کہ جس شمع سے لو ہے میری لگی
میں سو جان سے کیوں نہ پروانہ ہوں　　رہے ان کے اقبال کی روشنی
وہ میرے مسیحا ہیں گردوں جناب　　عنایت مرے حال پہ ہے بڑی
چلو جان صاحب مرے ساتھ تم　　رہے گی وہاں دو گھڑی دل لگی
عطا مجھ کو فرمائیں گے آبرو　　ہیں ہر علم کے قدرداں جوہری[1]

قدیم تاریخ سے بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ فرنگی تاجر کی کوٹھی جو سرکاری املاک میں آچکی تھی اورنگ زیب عالمگیر نے ملا قطب الدین شہید سہالویؒ کے خانماں برباد کنبے کو رہنے کے لیے دی تھی۔ اس سلسلے میں شاہی فرمان جو نافذ ہوا تھا، وہ ہنوز محفوظ ہے، جس کی نقل یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (طغرا) یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ مہر: ابو المظفر محمد محی الدین عالمگیر بادشاہ غازی (مع نسب)

"دریں وقت میمنت اقران فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ یک منزل حویلی فرنگی متعلقہ آں واقع بلدۂ لکھنؤ مضافات بصوبۂ اودھ کہ از اکنہ نزولی است برائے بودن شیخ محمد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم، باید کہ حکام وعمال و متصدیان مہمات حال و استقبال و جاگیرداران و کروریان آں بنام شاں الیہما معاف و مرفوع القلم دانستہ بوجہ من الوجوہ مزاحم و معترض نشوند و اندریں باب بند مجدد نہ طلبند۔"

(مرقوم غرۂ ذیقعدہ سال سی و ہفتم جلوس والا نوشتہ شد)

---

[1] قطعۂ تاریخ طبع "گلستانِ طریقت" مصنفۂ مولوی محمد حسین متین فرنگی محلی مطبوعہ نجم العلوم لکھنؤ (۱۳۰۳ھ) از میر یار علی جان صاحب شاگرد نواب محمد عاشور علی خاں۔

Marfat.com

فرمان کی پشت پر جو عبارت ہے، اس کا اقتباس یہ ہے :۔

"شرح یادداشت واقع بتاریخ روز پنجشنبہ ۱۴ شعبان المعظم ۳۰ سنہ جلوس والاموافق ۱۱۰۵ھ مطابق مرداد ماہ برسالۂ صدارت و مشیخت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان صدر منیع القدر فاضل خاں و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ حسام الدین حسین قلمی می گردد کہ بعرض مقدس و معلی رسد کہ شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید ساکن قصبۂ سہالی بسبب شہادت پدر خود قصبۂ مذکور را گزاشتہ جلا وطن گردیدند و کدام مکانہائے سکونت ندارند الخ۔

بلا شبہ "حویلی فرنگی" ملا نظام الدین کے قیام اور نصف صدی تک سلسلۂ درس و تدریس جاری رکھنے کے نتیجے میں علامہ شبلیؒ کے الفاظ میں "اسلامی علوم کی یونیورسٹی بن گئی" لیکن فرمان میں فرنگی محل کے نام سے کسی مدرسہ کے قیام کا کوئی ذکر نہیں ہے، فاضل اور لائق عالم اور مصنف مسٹر آصف بن علی اصغر فیضی نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جس کا اردو ترجمہ "ہندوستان میں مذہب اسلام پر نظر ثانی کی ضرورت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، لکھ دیا ہے :۔

"۱۱۰۵ھ (مطابق ۱۶۹۳ء) میں جبکہ وہ (ملا نظام الدین فرنگی محلی) پندرہ سال کے تھے اورنگ زیب کے فرمان سے ایک مدرسہ "فرنگی محل" کے نام سے قائم ہوا اور کچھ زمین و مکانات ملا نظام الدین کے دو بڑے بھائیوں کے نام اس مدرسے کے لیے وقف کیے گئے، تکمیل تعلیم کے بعد ملا نظام الدین اس مدرسے میں معلم ہو گئے، اور اپنے والد ملا قطب الدین کے ساتھ مددگار مدرس رہے"۔ (صفحہ ۸ اردو ترجمہ)

فرنگی محل کے نام سے مدرسہ[1] قائم کرنے کی بات تو کسی مغالطے پر مبنی قرار دی جا سکتی ہے

---

[1] محمد اورنگ زیب کا ایک غیر ملکی باشندہ برنی یر تھا، جو دارا شکوہ سے قریبی تعلق رکھتا تھا، اس نے اپنے سفرنامے میں اورنگ زیب کی سخت مذمت کی ہے۔ اس سفرنامے کے حوالے سے زیندر ناتھ لا نے اپنی کتاب "پروموشن آف لرننگ

(باقی اگلے صفحہ پر)

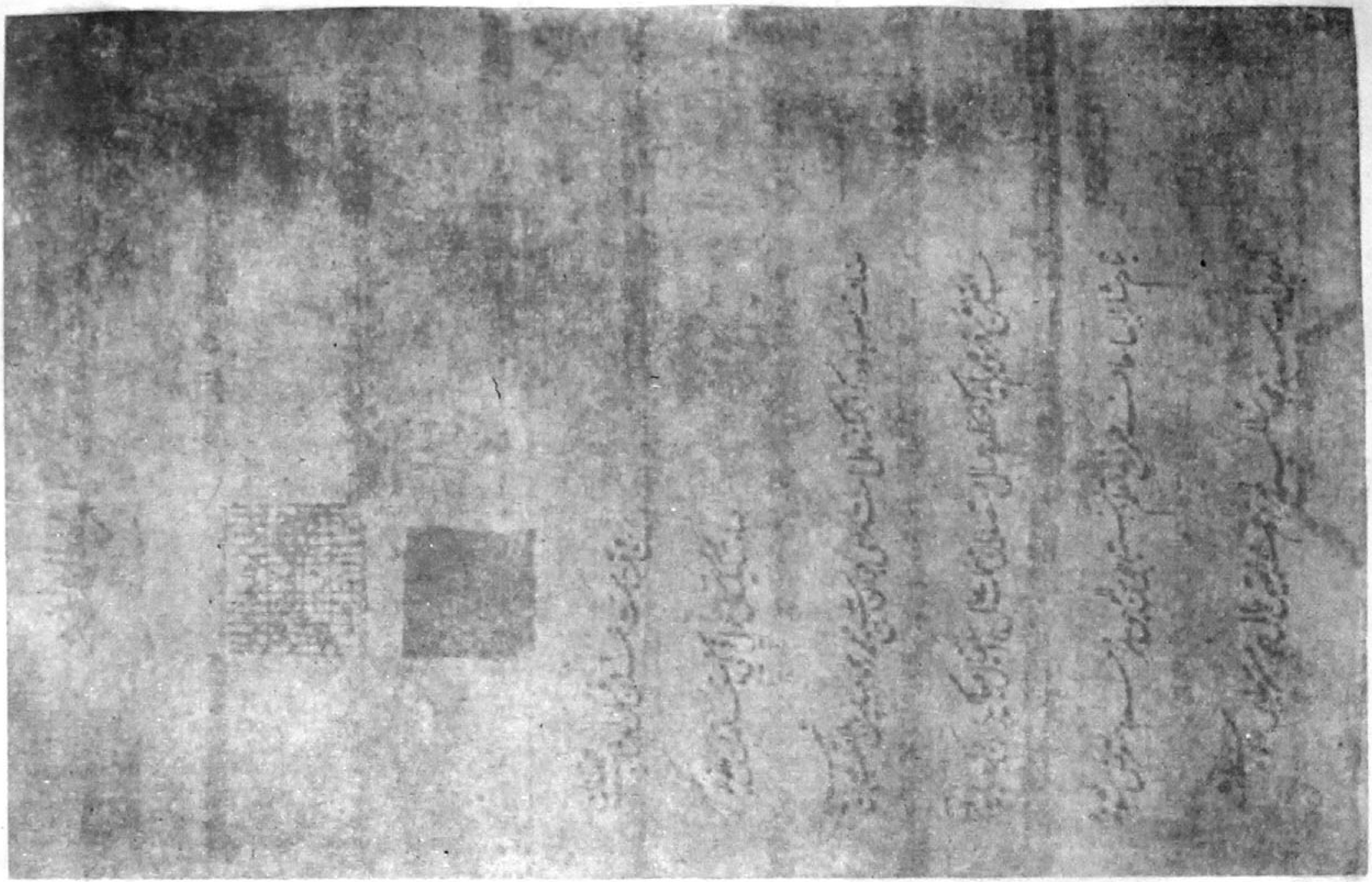

Marfat.com

مگر ملا قطب الدین شہید کو اس مدرسہ کا صدر مدرس اور ملا نظام الدین کو مددگار مدرس قرار دینا تاریخی صراحتوں کے یکسر خلاف ہی نہیں بلکہ بالکل خلاف واقعہ ہے، ملا نظام الدین کی تعلیم کی تکمیل سے دس سال قبل ہی ان کے والد ملا قطب الدینؒ شہادت پا چکے تھے۔

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ذمہ دارانہ انداز نہیں ہے۔ "گزشتہ لکھنؤ" میں مولانا لکھتے ہیں:-

"شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے کسی ضرورت سے اجودھیا کا سفر کیا، واپسی کے وقت لکھنؤ میں ٹھہرتا ہوا دہلی گیا......... اور غالباً اسی موقع پر اس نے فرنگی محل کے مکانات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان انڈیا ڈیورنگ محمڈن رول" میں لکھا ہے کہ "اورنگ زیب نے ایک دفعہ ایک ڈچ باشندہ کی حویلی جو فرنگی محل میں تھی، ضبط کرلی، اور ایک مسلمان کے حوالے کردی ایک مدرسہ قائم کرنے کے لیے۔" یہی عبارت مسٹر لے۔لے فیضی کی غلط فہمی کا باعث بنی ہے، ضبط کرنے کے الزام کی تردید تو دوسرے ذرائع سے ہوسکتی ہے (یا نہیں ہوسکتی ہے۔ اس سے یہاں بحث نہیں ہے) لیکن مدرسہ بنانے کے لیے "فرنگی محل" دینے کی بات اسی فرمان کی روشنی میں بے بنیاد ہوجاتی ہے "برائے بودن" کے الفاظ بہت صاف ہیں، یعنی رہائش کے لیے دی گئی تھی۔

خود برنیر نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے "ڈچ باشندے بہت بڑے پیمانے پر کپڑوں کی خریداری کا کام بھی کرتے تھے، نہ صرف جوالاپور میں بلکہ لکھنؤ میں بھی۔" (ص ۲۹۲ ترجمہ انگریزی سے)

اسی انگریزی عبارت پر ایک حاشیہ بھی ہے، جس میں کہا گیا ہے "فرنگی محل یا فرنیک کے کوارٹر میں جو لکھنؤ شہر کا ایک قطعہ یا ایک وارڈ ہے، فیکٹری تھی، یہ عمارتیں اورنگ زیب کے زمانے میں ضبط کرلی گئیں، اور ایک مسلمان کو مدرسہ یا کالج بنانے کے لیے دے دی گئیں۔ (انگریزی ترجمہ)

اس صراحت سے یہ ظاہر ہوگیا کہ "فرنگی محل" کا دوسرا نام "فرنگس کوارٹرس" بھی تھا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نیل یا گھوڑوں کی تجارت کے بجائے جیسا کہ مشہور ہوگیا ہے، یہاں کپڑوں کی تجارت ہوتی تھی، اور ایک کارخانہ بھی یہاں تھا، کپڑے ہی کا کارخانہ ہوگا۔ اُس وقت کارخانے کا جو مفہوم ہوسکتا ہے وہی یہاں سمجھنا چاہیے۔ محمد رضا انصاری

Marfat.com

علامۂ زماں ملا نظام الدین کی نذر کیے ہوں گے"۔
فرنگی محل کے مکانات نذر کرنے کا "قیاس" شاہی فرمان کی موجودگی میں بالکل بے محل ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ اورنگ زیب کے لکھنؤ آنے کا زمانہ اس کی حکومت کا ابتدائی زمانہ ہے تخت نشین ہونے کے ابتدائی ۲۲-۲۳ سال تو اورنگ زیب نے ضرور شمالی ہندوستان میں گزارے، لیکن آخری ۲۵-۲۶ سال اس کے دکن میں صرف ہوئے اور ان آخری برسوں میں اس کے لکھنؤ آنے کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ فرنگی محل کے فرمانِ شاہی پر تخت نشینی کے ۳۰ ویں سال کی تاریخ پڑی ہے اس وقت یقیناً اورنگ زیب دکن میں تھا۔ اور لکھنؤ آنے کا کوئی موقع اس کے لیے نہیں تھا۔
فرنگی محل کے مکانات نذر کرنے کے سلسلے میں ملا نظام الدین کا نام لینا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ملا نظام الدین شاہی فرمان کے صدور کے وقت سولہ سالہ ایک یتیم تھے، فرمان میں ان کے دونوں بڑے بھائیوں کے صرف نام ہیں، ملا نظام الدین اور ان سے بھی چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کے نام نہیں ہیں۔
بے شک ملا نظام الدین کی مسندِ درس بچھنے کے بعد ملا صاحب کی علمی خدمتوں نے مولانا شررؔ کے الفاظ میں :-

> "چند ہی روز میں فرنگی محل کو ہندوستان کی ایک ایسی اعلیٰ یونیورسٹی بنا دیا کہ سارے ہندوستان کے علماء اور فضلاء کا مرکز لکھنؤ کا یہی چھوٹا سا محلہ قرار پایا ....ان دنوں لکھنؤ ایک گمنام شہر تھا، مگر ایسے ایک گمنام مقام کا اتنی بڑی یونیورسٹی بن جانا کہ ہندوستان تو درکنار بخارا، خوارزم اور ہرات و کابل اس کے آگے سر جھکائیں، بہت ہی حیرت کے قابل ہے، ساری اسلامی دنیا یہیں کی شاگردی پر فخر کر رہی تھی۔" (گزشتہ لکھنؤ)

میر شیر علی جعفری افسوسؔ نے "آرائشِ محفل" میں 'فرنگی محل' کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

> "اور چوک سے متصل دکھن طرف 'فرنگی محل' وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہدِ سلطنت میں اس مکان کے بیچ ایک فرانسیسی سوداگر اترا تھا، چونکہ بے اذن حضورِ اعلیٰ

کے یہ امر وقوع میں آیا ملازمانِ حضور کو گوارا نہ ہوا آخر اس کو اخراج کیا، پھر اورنگ زیب کے وقت میں حسب الحکم بادشاہی مکان مسطور ملا قطب الدین شہید کے فرزندوں کو ملا، چنانچہ اب تک بھی ان کی اولاد کی سکونت وہیں ہے، لیکن وجہ معاش جو ان کی بند ہوگئی یہ صرف قصور طالع کا ہے، والا نواب وزیر کی سرکار سے ہزاروں پرورش پاتے ہیں، وارد وصادر یہاں سے بہتیرا لے جاتے ہیں، پھر یہ تو استحقاق زیادہ رکھتے ہیں، کیونکہ آباؤ اجداد سے اس خاندانِ عالی کے نمک خوار و شکر گزار ہیں جس وقت مزاج جناب عالی کا ٹک ایک متوجہ ہوا یہ قلیل تو کیا چیز ہے اور اس کے نعمائے کثیر پائیں گے اور مدت العمر کو بے نیاز ہو جائیں گے، لیکن کل امر مرھونٌ باوقاتہا۔" بیت

قادر نہ رسد وعدۂ ہر کارہ کہ ہست ‏ ‏ ‏ سوئے نہ کند باری ہر یار کہ ہست

حاصل یہ کہ مکانِ مذکور قدیم مدرسہ ہے، بڑے بڑے فاضل مدرس وہاں گزرے ہیں بلکہ اب تک بھی سررشتہ درس و تدریس کا جاری ہے، چنانچہ سوائے شہر کے طلبہ، اطراف و اکناف سے وہاں تحصیل کے واسطے آتے ہیں اور فیض اٹھاتے ہیں، حق تو یہ ہے کہ اس شہر میں چرچا علم و فضل کا بہ نسبت اور بلاد کے زیادہ ہے کیونکہ فریقین کے فاضل یہاں موجود ہیں، لیکن سنیوں کے فرقے میں مُعتنیٰ مولوی مُبین صاحب اور فرقۂ ناجیۂ امامیہ میں مولانا سید دلدار علی سلمہ اللہ تعالیٰ وحید عصر ہے[1]

میر افسوس کی "آرائشِ محفل" کا زمانۂ تصنیف ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء ہے، اس وقت لکھنؤ میں نواب وزیر سعادت علی خاں کی حکومت تھی اور فرنگی محل کے قیام کو ایک سو پندرہ سال گزر چکے تھے، ملا مبین فرنگی محلی (جن کو "مولوی مبین صاحب" کے نام سے میر افسوس نے یاد کیا ہے) اس وقت علمائے فرنگی محل میں سب سے زیادہ نامور تھے، جو ملا نظام الدین بانیٔ درسِ نظامی کے بیک واسطہ شاگرد تھے۔

---

[1] آرائشِ محفل صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۵ء)

ملا نظام الدین کے فرزند ملا بحرالعلوم عبدالعلی فرنگی محلی، میرافسوس کے زمانۂ ورودِ لکھنؤ کے وقت مدراس میں قیام پذیر ہو چکے تھے اور فرنگی محل چھوڑے انھیں تقریباً پچاس سال ہو گئے تھے۔

جب ملا نظام الدین نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آبائی مشغلہ "درس و تدریس" اختیار کیا، اس وقت لکھنؤ واقعی ایک قصبہ تھا، اورنگ زیب کا عہد ختم ہو رہا تھا اور صوبۂ اودھ جس کی طرف لکھنؤ مضافات رمنسوب تھا، کسی خصوصی حیثیت کا مالک نہیں تھا، برہان الملک کی نوابی قائم ہونے میں ابھی دیر تھی، عدلیہ، انتظامیہ اور بلدیہ کے حکام کا براہ راست مغل شہنشاہ کے دربار سے تقرر ہوتا تھا، شیخ زادوں کی سرکش حکمرانی کے دور سے لکھنؤ اس وقت گزر رہا تھا، "حویلی فرنگی" یا فرنگی محل کا درجہ ملا قطب الدین شہید کے کنبے کی رہائش گاہ اور قصبۂ لکھنؤ کے عام محلے سے بلند ہو کر ملا نظام الدین کی درسگاہ یا "مدرسہ ملا صاحب" تک جب پہونچا تو اٹھارہویں صدی عیسوی کا عین آغاز تھا، مغل خاندان کا آخری مطلق العنان شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر دکن میں اپنی عمر کے آخری چار سال گزار رہا تھا۔ وہ ۱۱۱۸ھ (مطابق ۱۷۰۷ء) میں اپنی عظیم سلطنت کو کمزور ہاتھوں کے لیے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ شاہ عالم (محمد معظم شاہ) تخت نشین ہوا، وہ بھی چار سال حکومت کر کے (۱۱۲۳ھ مطابق ۱۷۱۲ء) دنیا سے رخصت ہوا، مہینہ پندرہ دن کے لیے تخت پر بیٹھنے والے کئی "مغل شہنشاہوں" سے قطع نظر فرخ سیر کے چھ سالہ دورِ حکومت (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۳ء سے ۱۱۲۹ھ/۱۷۱۹ء تک) اور محمد شاہ کے تیس سالہ دورِ حکومت (۱۱۳۰ھ/۱۷۱۹ء سے ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء تک) کو ملا نظام الدین فرنگی محلی کی مسندِ درس کی تابانیوں سے نمود نصیب رہا۔

کم و بیش پچاس سال تک ملا نظام الدین فرنگی محل میں درس دیتے اور اس حویلی کی شہرت کو بامِ عروج پر پہونچاتے رہے، مؤرخین کی نظر میں فرنگی محل "اسلامی علوم کی یونیورسٹی" اور "ہندوستان کا سب سے بڑا دارالعلوم" بنتا چلا گیا، لیکن تقریباً سو سال بعد تک اس حویلی کی نسبت سے "فرنگی محلی" لکھنے کا کوئی سراغ نہیں ملتا، خود ملا نظام الدین اپنی تصانیف میں اپنے کو "سہالوی" لکھتے رہے، ان کے نامور فرزند ملا عبدالعلی بحرالعلوم (وفات ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) نے بھی اپنی تصانیف میں کہیں "فرنگی محلی"

اپنے کو نہیں لکھا، ملا بحرالعلوم کے ہم عصر اور وفات کے اعتبار سے ہم سال ملا محمد مبین فرنگی محلی نے بھی، نیز ان کے نامور جد امجد ملا احمد عبدالحق بن ملا محمد سعید نے بھی اپنی تصانیف میں فرنگی محل کی نسبت سے اپنا تعارف کہیں نہیں کرایا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں "فرنگی محل" ذریعۂ تعارف و امتیاز نہ تھا، بلکہ لکھنؤ کا ایک محلہ تھا جس طرح دوسرے محلے کسی قصبے کے ہوا کرتے ہیں۔

معاصر مؤرخ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ملا نظام الدین سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں تو فرنگی محل کا کوئی حوالہ وہ بھی نہیں دیتے ہیں:۔

انا دخلت فی التاسع عشر من ذی الحجۃ	میں ۱۹ر ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ میں لکھنؤ گیا
الحرام سنۃ ثمان واربعین بعد مأۃ	اور ملا نظام الدین سے ملاقات کی میں نے
والف واجتمعت بالملا نظام الدین	ان کو سلف صالحین کے طریقے پر پایا،
فوجدتہ علی طریقۃ السلف الصالحین	ان کی پیشانی پر بزرگی کا نور
وکان یلمع علی جبینہ نور التقدیس	تاباں تھا۔

(سبحۃ المرجان)

علامہ بلگرامی کی دوسری کتاب مآثر الکرام میں ملا نظام الدین کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

وہم در لکھنؤ رحل اقامت افگند و تمام عمر	لکھنؤ ہی میں قیام اختیار کرلیا اور تمام
بہ تدریس و تصنیف اشتغال ورزید و اشتہار	عمر درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں
عظیم یافت امروز علمائے اکثر قطر	گزار دی اور عظیم شہرت کے مالک ہوئے،
ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند	آج کل ہندوستان کے اکثر اطراف کے
وکلاہ گوشۂ تفاخری شکنند وکسے کہ سلسلۂ	علماء ملا نظام الدین سے شاگردی کی
تلمذ باومی رساند بین الفضلا علم امتیاز	نسبت رکھتے ہیں اور تاج فخر و مباہات
می افرازد و مردم بسیار را دیدہ شد	زیب بسر کرتے ہیں، جو شخص ملا نظام الدین سے

Marfat.com

کہ تحصیل جاہائے دیگر کردند برائے اعتبار فاتحۂ فراغ از مولوی گرفتند۔

شاگردی کا تعلق رکھتا ہے وہ فضلائے عہد کے درمیان امتیاز و خصوصیت کا پرچم بلند کرتا ہے، بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ دوسری جگہوں میں تحصیل علم کی لیکن اپنا اعتبار بڑھانے کے لیے فاتحۂ فراغ آکر ملا نظام الدین ہی سے پڑھا۔

فقیر بتاریخ نوزدہم ذی الحجہ سنہ ۱۱۴۸ھ در بلدۂ لکھنؤ یک صحبت مولوی را دیدم طریقۂ سلف صالحین داشت و شعشعۂ تقدس از ناصیۂ ہمایوں می تافت

فقیر (علامہ آزاد بلگرامی) نے ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۱۴۸ھ (سنہ ۱۷۳۶ء) کو شہر لکھنؤ میں ملا صاحب کی ایک صحبت دیکھی ہے، سلف صالحین کا انداز رکھتے ہیں اور بزرگی کی چمک ان کی مبارک پیشانی سے پھوٹ رہی تھی۔

"حویلی فرنگی" یا "فرنگی محل" یا "فرنگیکس کوارٹرس" نے تاریخ میں جو جگہ حاصل کی وہ ملا نظام الدین ہی کے پچاس سالہ غلغلۂ درس و تدریس کی بدولت حاصل کی، مرزا محمد حسن قتیلؔ (وفات سنہ ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء) ملا نظام الدین کو محمد شاہ بادشاہ کے زمانے کے "سر آمد علماء" قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ملا نظام الدین پسر ملا قطب الدین سہالوی کہ استاد استاد محب اللہ بہاری بود در زمان دولت محمد شاہ بادشاہ سر آمد علما بود چنانچہ حالا ہم در ہند سلسلۂ فضلاء و طلبہ علوم باو انتہا می پذیرد و ملا کمال الدین سہالوی شاگردش کتابے موسوم بہ عروۃ الوثقیٰ نوشتہ کہ تحاریر علماء در کشف غوامض و حل دقائق

ملا قطب الدین سہالوی کے (جو ملا محب اللہ بہاری کے استاد کے استاد تھے) بیٹے ملا نظام الدین محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں سر آمد علماء تھے، چنانچہ آج بھی (یعنی ملا نظام الدین کی وفات کے ستر بہتر سال بعد بھی جو ہفت تماشا کا زمانۂ تصنیف ہے) ہندوستان میں فاضلوں اور عالموں کا

آں حیرانند اگرچہ استادِ اول علمائے زمانۂ حال ملا نظام الدین مرحوم کہ فرنگی محل را در لکھنؤ از ذات او شرفہاست لیکن پیر طریقت شاں......[1]

سلسلہ ان ہی پر منتہی ہوتا ہے، ان کے شاگرد ملا کمال الدین سہالوی نے ایک کتاب "عروۃ الوثقیٰ" لکھی تھی جس کے دقائق و غوامض حل کرنے سے بڑے بڑے علماء عاجز ہیں، اگرچہ زمانۂ حال کے علماء کے استاد اول ملا نظام الدین مرحوم تھے، جن کی ذات سے لکھنؤ میں "فرنگی محل" کو شرف و عزت حاصل ہے، لیکن ان کے پیرِ طریقت ......

اس کے آگے مرزا قتیل کی عبارت خبط ہو گئی، پیش نظر "ہفت تماشا" کا مطبوعہ نسخہ (نول کشور پریس) ہے، اس کا کوئی قلمی نسخہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا ورنہ یہ گتھی صاف ہو جاتی، مطبوعہ "ہفت تماشا" میں اس کے آگے جو عبارت ہے وہ یہ ہے:-

ہمیں ملا کمال الدین بود

"لیکن ان کے پیر طریقت بھی ملا کمال الدین گزرے ہیں۔"

یہ سراسر غلط بھی ہے اور سیاق و سباق سے یہ ٹکڑا مطابقت بھی نہیں رکھتا، بیچ میں کچھ عبارت ضرور رہ گئی ہے، مرزا قتیل کنایوں شروع کرتے ہیں کہ "زمانۂ حال کے علماء کے استاد اول اگرچہ ملا نظام الدین مرحوم تھے" اس کا اختتام یہ ہونا چاہئے تھا "لیکن ان کے پیر طریقت اس کے برعکس کم علم بلکہ اُمی محض تھے" اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ ملا نظام الدین اور ان کے فاضل شاگرد ملا کمال الدین سہالوی دونوں کے پیر طریقت تذکروں کی صراحت اور خود ملا نظام الدین کے بیان کے مطابق "امی محض" تھے، قتیل کی عبارت سے اگر اس کو تحریف شدہ یا مخبوط نہ سمجھا جائے، تاریخی

---

[1] ہفت تماشا مطبوعہ نول کشور پریس (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) ص ۱۴۵

Marfat.com

حقیقت بدل کر رہ جائے گی ، اس کے علاوہ "اگرچہ استادِ اول تھے" کے جملۂ شرطیہ کی شرط اپنی جزا "ان کے پیرِ طریقت بھی ملا کمال الدین سہالوی گزرے ہیں" سے میل بالکل نہیں کھاتی ، اس لیے کہ ملا کمال بھی علمائے عصر کی ایک بڑی تعداد کے استاد تھے ، ان کے پیرِ طریقت ہونے میں اس قدر حیرت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

مرزا قتیل اس کے بعد ملا کمال الدین کے اجلۂ تلامذہ ملا برکت الہ آبادی ، ملا حمد اللہ سندیلوی ملا حسن فرنگی محلی ، ملا حسن چریا کوٹی اور ملا عالم سندیلوی کا ذکر کرنے اور ملا نظام الدین کے نامور فرزند ملا عبد العلی بحر العلوم کو (جن کی وفات کو اس وقت تک دو سال بھی نہیں ہوئے تھے) خراجِ عقیدت پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

ایں بزرگان کہ شمار در آمد شیخ سلسلہ علماء بودہ اند جابجا در ہند علم معقول از ہمینہا منتشر شدہ ، ہیچ فاضلے و طالب علمے نیست کہ از حلقۂ شاگردی اینہا بیروں باشد بعضے بشش واسطہ بعضے بہ ہفت واسطہ و بعضے بکم ازیں در تلمذ علمی باینہا می رسند لیکن بعضے پنجابیاں و دھلویاں [۵]	یہ سب بزرگ جن کا تذکرہ کیا گیا سلسلۂ علماء کے شیوخ گزرے ہیں ، ہندستان میں علم معقول جابجا ان ہی حضرات سے پھیلا ، کوئی طالب علم اور کوئی فاضل ایسا نہیں ہے جو ان کی شاگردی کے حلقے سے باہر ہو ، کوئی چھ واسطوں سے کوئی سات واسطوں سے اور بعض اس سے بھی کم واسطوں سے ان حضرات سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں ؟

فارغ التحصیل ملا نظام الدین محمد کی مسندِ درس بچھنے کے بعد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلبۂ علوم کی توجہ اس طرف کب اور کیسے مبذول ہوئی ۔ ایک پچیس سالہ فارغ التحصیل استاد کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنے کی بات اور ہے لیکن اس استاد کی اہمیت محسوس کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی تھی جب کہ اس نوجوان کی علمی اور تدریسی استعداد کا اظہار ابھی صفر کے درجہ سے آگے نہیں بڑھ پایا ہے ۔

---

۵ ۔ ہفت تماشا مطبوعہ نول کشور پریس صفحہ ۱۳۶

اسی عمر کے کئی اور فارغ التحصیل ذی استعداد اساتذہ اور بھی ہوں گے، پھر ملا نظام الدین کی طرف طلبۂ علم کی کشش کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس کا مجمل جواب تو یہی ہے کہ ان کے طریقۂ درس کی شہرت اس وجہ سے بہت جلد ہو گئی کہ ان کے نصابِ تعلیم کے فوائد، جس کو ان ہی کی نسبت سے "درسِ نظامی" کہا جانے لگا بہت تیزی سے ظاہر ہونے لگے تھے، سب سے بڑا فائدہ تو یہی تھا جس کی طرف ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے ملا قطب الدین شہید کی وجہ شہرت کے سلسلہ میں اشارہ کیا ہے، یعنی "تحصیل فراغ بسیاری از مردمان بخدمت ایشان" (بہت کم مدت میں طلبہ کو فارغ التحصیل کر دینا) ملا نظام الدین کے درس سے کتنی جلد طلبہ فارغ التحصیل ہو جاتے تھے، اس کی ایک حیرت انگیز مثال اُن کے ارشد تلامذہ ملا کمال الدین سہالوی کے احوال سے ملتی ہے۔

ملا کمال کا ستر سال (کم و بیش) کی عمر میں ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء میں (۱۴ محرم الحرام کو) انتقال ہوا[5]، اس حساب سے ان کی پیدائش لگ بھگ ۱۱۰۴ھ میں ہوگی، ان کی ابتدائی تعلیم متوسطات تک ان کے وطن ثانی فتحپور میں ہوئی، ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد جس طرح اولاد ملا قطب نے سہالی چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا تھا، اسی طرح ملا کمال کے والد ماجد قاضی دولت سہالوی نے بھی جو ملا قطب کے شاگرد اور متبنیٰ تھے، سہالی چھوڑ دیا تھا اور اپنی سسرال فتحپور میں اقامت اختیار کر لی تھی:-

چوں قصۂ شہادت ملا قطب الدین شہید	جب خانہ زادوں کے ہاتھوں ملا قطب الدین
از دست قوم خانہ زادہا بظہور رسید و	شہید کا واقعۂ شہادت ظہور پذیر ہوا کہ بے سبب
بے سبب و ناحق ملائے شہید را شہید کردند	اور ناحق ان کو شہید کر دیا، قاضی محمد دولت
قاضی محمد دولت را بود و باش قصبۂ سہالی	کو سہالی میں بود و باش ناگوار ہو گئی، مجبوراً
ناگوار افتادہ و ناچار قاطبۃً ترک کردند	سہالی کو کلیۃً ترک کر کے فتحپور میں

---

[5] "از عمر ہفتاد سال تجاوز کردہ بتاریخ چہاردہم ماہ محرم الحرام سن یک ہزار و یک صد و ہفتاد و پنج ہجری واصل بحق شدند" از اغصان الانساب مصنفہ مولوی رضی الدین محمود انصاری فتحپوری ص ۶۲ (مخطوطہ فرنگی محل)

و در قصبۂ فتحپور ...... اقامت گزیدند[۱] ...... قیام اختیار کرلیا۔

اغصان الانساب کے مصنف مولوی رضی الدین محمود انصاری فتح پوری نے جو ملا کمال کے ہم جد ہیں، لکھا ہے:۔

در ابتدائے حال کتب مختصرہ از میراں کمال الدین ساکن بنگالہ کہ شاگرد ملا نظام الملۃ والدین محمد قدس سرہ بودند خواندہ،[۲]	(ملا کمال الدین سہالوی نے) شروع میں چھوٹی کتابیں بنگال کے رہنے والے میراں کمال الدین سے پڑھیں جو ملا نظام الملۃ والدین محمد کے شاگرد تھے۔

اور میراں کمال الدین بنگالی کے بارے میں بہت صراحت سے صاحب اغصان الانساب نے لکھا ہے:۔

چوں میراں کمال الدین از استاد خود کتب درسیہ خواندہ فارغ شدند در فتحپور آمدہ تدریس آغاز نہادند۔[۳]	میراں کمال الدین بنگالی جب اپنے استاد (ملا نظام الدین محمد) سے کتب درسیہ پڑھکر فارغ التحصیل ہو گئے تو فتحپور آکر انھوں نے پڑھانا شروع کردیا۔

ملا کمال الدین کے بارے میں یہ بھی قریب قریب طے ہے کہ وہ ۲۱-۲۲ سال کی عمر میں ملا نظام الدین سے مطولات پڑھ کر فارغ التحصیل ہو چکے تھے، یعنی ۱۱۲۶ھ میں وہ ایسے فاضل ہو گئے تھے کہ اپنے استاذ کامل ملا نظام الدین پر ایک ناخواندہ پیر کے مرید ہو جانے پر معترض ہونے لگے تھے، نیز جس کرامت کی بنا پر ملا نظام الدین، ایسے پیر کے مرید ہوئے تھے اس کرامت کو ملا کمال اس لیے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے تھے کہ جو معجزہ نبی سے صادر ہو چکا ہو وہی کرامت کی شکل میں کسی ولی سے صادر نہیں ہو سکتا۔ ان کی اس الجھن کو ملا نظام الدین کے استاد ملا غلام نقشبند (وفات ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء) نے بدلائل رفع کیا۔

---

[۱] اغصان الانساب مخطوطہ ص ۲۴ [۲] ایضاً ص ۲۵ [۳] ایضاً ص ۲۳

Marfat.com

ان واقعات کو تاریخ وار ترتیب دینے سے ۔ ظاہر ہے کہ تاریخ کا تعین یہاں تخمینی ہوگا نتائج اس طرح مرتب ہوتے ہیں کہ میراں کمال بنگالی سے مختصرات پڑھ کر ملا کمال الدین سہالوی نے مطولات ملا نظام الدین سے تمام کیے اور ۱۱۲۶ھ سے قبل تعلیم سے فراغت حاصل کی، مطولات پڑھنے کی مدت کو کتنا ہی کم کیا جائے مگر پانچ سال سے کم نہیں کیا جا سکتا، اس لحاظ سے ۱۱۲۰ھ میں انھوں نے مطولات پڑھنے کا آغاز کیا ہوگا اس سے قبل مختصرات اپنے وطن میں میراں کمال بنگالی سے پڑھ چکے تھے اسمیں صرف ہونیوالی مدت اگر تین سال رکھی جائے تو ۱۱۱۵ھ میں مختصرات پڑھنے کا آغاز ہوا ہوگا اور یہ سال وہ ہوگا جب مختصرات کے استاذ میراں کمال بنگالی اپنے استاد ملا نظام الدین سے درسیات تمام کرکے فارغ التحصیل ہو چکے ہونگے۔ سوال یہ ہے کہ میراں کمال نے پڑھنا کے سال قبل شروع کیا تھا، یعنی ملا نظام الدین نے درس و تدریس کا آغاز کب کیا تھا کہ ان کے شاگرد ۱۱۱۷ھ میں فارغ التحصیل ہوکر استاد تک بن گئے، اگر میراں کمال بنگالی کے زمانۂ تعلیم کو پانچ سال قرار دیا جائے تو مطلب یہ نکلے گا کہ ملا نظام الدین ۱۱۱۲ھ میں مسند درس پر بیٹھ چکے تھے، یعنی فرنگی محل میں ۱۱۰۵ھ میں آباد ہونے کے بعد جب شرح جامی تک پڑھ چکنے والے ملا نظام الدین بغرض تکمیل تعلیم دیوہ، جائس اور بنارس وغیرہ گئے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ فارغ التحصیل ہونے میں دس سال صرف کیے، جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے بلکہ چھ یا سات سال میں فارغ التحصیل ہوکر ملا صاحب اپنے وطن واپس آگئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور درس کا طریقہ ایسا اختیار کیا کہ پانچ یا چھ سال میں طلباء کو فارغ التحصیل ہونے کا موقع ملنے لگا۔ اور یہی مطلب ہوگا "تحصیل فراغ بسیاری از مردمان بخدمت ایشاں" کا، یعنی کم سے کم مدت میں فارغ التحصیل کرا دینا۔

بہرحال ملا صاحب کے اولیں تلامذہ میں یہی میراں کمال الدین بنگالی تھے ان کے علاوہ خود اپنے حقیقی بھتیجے احمد عبد الحق بن ملا محمد سعید، عبد العزیز بن ملا محمد سعید غلام محمد مصطفیٰ ابن ملا اسعد وغیرہ بھی، غلام محمد مصطفیٰ اپنے جد ملا قطب شہید کی حیات میں پیدا ہو چکے تھے، اور احمد عبد الحق عین روز شہادت (۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ) کو سہالی میں پیدا ہوئے تھے، ان کے چھوٹے بھائی عبد العزیز کی ولادت لکھنؤ فرنگی محل میں (۱۱۰۸ھ) ہوئی، ملا عبد العزیز بن ملا محمد سعید پہلے مولود ہیں جو خاندان ملا قطب شہید نے

Marfat.com

فرنگی محل میں آباد ہونے کے بعد تولد ہوئے، ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے کی جو مدت بھی فرض کرلی جائے (حد سے حد ۱۱۱۵ھ بھی) یہ تینوں بھتیجے اس وقت بچے ہی تھے، اور ان کو پڑھانے والا درکار تھا۔ حقیقی چھوٹے بھائی محمد رضا بن ملا قطب شہید کے بارے میں اغصان الانساب کے مصنف نے لکھا ہے :-

جملہ کتب درسیہ از برادر خورد مولانا نظام الملۃ والدین قدس سرہ خوانده بتدریس بندگان خدا پرداختند وعالمے از ذات ایشاں خزائن علوم اندوختند ولیل ونہار کرہمت بر درس محکم بستہ بودند[۱]

ملا محمد رضا نے تمام درسی کتابیں اپنے چھوٹے بھائی (تین بڑے بھائیوں میں سب سے چھوٹے) مولانا نظام الدین سے پڑھیں اور بندگانِ خدا کو پڑھانا شروع کردیا، ایک دنیا نے ان کی ذات سے علوم کے خزانے ذخیرہ کرلیے، رات دن درس وتدریس میں استقلال کے ساتھ معروف ومنہمک رہتے تھے،

ملا محمد رضا کی شاگردی بحث طلب مسئلہ اس لیے ہے کہ خاندان فرنگی محل کے قدیم حوالے اس کے خلاف ہیں۔ (اور درایت بھی اس کی مؤید نہیں معلوم ہوتی ہے) ملا نظام الدین اور ملا محمد رضا کو "ہم پیر اور ہم استاد" کہا گیا ہے، اگرچہ ملا محمد رضا کے اساتذہ کی صراحت نہیں ملتی، ملا عبدالاعلیٰ فرنگی محلی (وفات ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۲ء) لکھتے ہیں :-

بعدہٗ تارک دنیا شده مرید حضرت سید عبدالرزاق بانسوی شده پس ہم پیر برادر خود شدند چنانچہ ہم استاد بودند[۲]۔

ملا محمد رضا نے اس کے بعد ترک دنیا اختیار کرلی اور حضرت سید عبدالرزاق بانسوی کے مرید ہوگئے اس طرح وہ اپنے بھائی (ملا نظام الدین) کے ہم پیر بھی ہوگئے، جس طرح

---

[۱] اغصان الانساب مخطوطہ ص۱۲۰ [۲] رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص۱۳

"ہم استاد" تھے۔

ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی (وفات ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) شاگردی کا ذکر کیے بغیر لکھتے ہیں:۔

ملا محمد رضا مذکور اولاً تحصیل علوم کردہ در جنب برادر بزرگ بہ تدریس علوم مشغول گشتہ بعد ازاں بیاد مولیٰ اشتغال نمود[۱]

ملا محمد رضا تحصیل علم کر کے پہلے تو اپنے بڑے بھائی (ملا نظام الدین) کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر درس دینے میں مشغول ہو گئے اس کے بعد درس و تدریس ترک کر کے یاد خدا میں محو ہو گئے۔

ملا محمد رضا اپنے نامور بھائی ملا نظام الدین سے چار ہی پانچ سال چھوٹے تھے، جب ملا نظام الدین سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے وطن سے نکلے تو ملا محمد رضا بھی گیارہ بارہ برس کے تھے، اور اس عمر میں تحصیل علم کے لیے نکلنا جبکہ دیوہ (ضلع بارہ بنکی) اور جائس (ضلع رائے بریلی) جیسے قریبی مقامات ہی تک جانا ہے، ذرا بھی خلاف معمول بات نہیں ہے، اسی لیے بڑے بھائی کے ہمراہ چھوٹے بھائی کا دیوہ، جائس اور بنارس کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے "ہم استاد" ہونا محل حیرت نہیں، یہ ضرور محل تعجب ہوتا کہ ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس آنے کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے، خصوصاً اس حالت میں جبکہ ایک روایت کے مطابق ملا رضا صرف دو ہی سال ملا نظام الدین سے چھوٹے تھے۔

بہرحال ملا محمد رضا کی شاگردی کی روایت مذکورہ تصریحات کی روشنی میں خاصی مخدوش ہو جاتی ہے۔

ملا محمد رضا، آخر عمر میں "قال" سے "حال" کی منزل میں چلے گئے تھے اس لیے ان کے احوال میں تذکرہ نویس بس سرسری سا ذکر درس و تدریس کا کر کے 'حال' کے ذکر میں صفحوں کے صفحے لکھتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ اگر "ہم پیر" ہونے کے ذکر میں "ہم استاد" ہونے کی بات ان کے قلموں سے نکل نہ گئی ہوتی

---

[۱] عمدۃ الوسائل مخطوطہ صد ۳۱۴۔

Marfat.com

تو ملا رضا کی تعلیم کے بارے میں ہلکی سی روشنی بھی ملنا دشوار ہو جاتا، ان کی قابل قدر تصانیف بھی انکی بے توجہی سے خاندان کے ذخیروں میں گم ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان کی شرح سلّم ان کے یادِ خدا میں محو ہو جانے کے سو سال بعد تک موجود رہ کر مفقود ہو گئی۔

بہرحال اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ملا نظام الدین کی درس گاہ میں جس کو بعد کے مؤرخین "مدرسۂ ملا نظام الدین" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ابتداءً دو مدرس تھے، ایک خود ملا صاحب، دوسرے ان کے "پہلو بہ پہلو" ملا محمد رضا، یہ دونوں بھائی کثیر التعداد طلبہ کے درس کی ذمہ داریوں کو باہم تقسیم کیے ہوئے تھے، اور جب ملا محمد رضا درس و تدریس سے دست کش ہوئے اُس وقت ملا نظام الدین کے بھتیجے ملا احمد عبد الحق اور ملا غلام محمد مصطفیٰ بن ملا اسعد فارغ التحصیل ہو چکے تھے، بڑے بھتیجے ملا غلام محمد مصطفیٰ ملاواں کے قاضی ہو کر فرائضِ عدالت انجام دینے لگے، اور ملا احمد عبد الحق مددگار مدرس رہے، "تحصیل کتبِ درسیہ بخدمتش نمودہ در جنب او بتدریس مشغول گشت و تصانیف در معقولات نمود"[۵۲] (ملا نظام الدین کی خدمت میں تحصیل علم کرنے کے بعد ان کے برابر ہی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور فن معقولات میں کتابیں لکھیں) " و اعتبار تمام در اربابِ علم و ارکینِ شہر پیدا کردہ متکفل ضبط و ربط مقدمات خانگی و دجوہاتِ ریاست چنانکہ می بائست نمودہ"[۵۳] (اہلِ علم و عمائدینِ شہر میں عزت حاصل کی اور خاندانی امور و جائیداد کے نظم و ضبط میں جیسا کہ چاہیے دلچسپی بھی لیتے رہے) درس و تدریس میں مشغول ہونے کے باوجود ملا احمد عبد الحق نے اپنے نامور چچا ملا نظام الدین کو امور خانگی سے اس طرح بے نیاز کر دیا کہ ملا نظام الدین:۔

ہمیشہ از مرداں می گفت کہ بدولت میاں	ملا نظام الدین ہمیشہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے
احمد عبد الحق نظام الدین نظام الدین شد کہ	کہ میاں احمد عبد الحق (بھتیجے) کی بدولت نظام الدین
اوشاں ملامت دنیا در یخ ہمہ امورات بر خود	نظام الدین بنے، انھوں نے دنیا کی الجھنیں اور

---

[۵۲] و [۵۳] اغصان اربعہ مطبوعہ صفحہ ۱۳۴

گرفتند و من با طمینان تمام بتدریس علوم مشغول می باشم۔ (اغصان اربعہ مطبوعہ ص۱۳۲)	تمام معاملات کی پریشانیاں اپنے سر لیں اور میں پورے اطمینان کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہو گیا۔

مطلب یہی ہوا کہ درس و تدریس کی مکمل ذمہ داری ملا نظام الدین اپنے ہی سر لیے رہے اور بجا طور پر ان کی درسگاہ "مدرسۂ نظام الدینؒ" کے نام سے تاریخ میں یاد کی جاتی ہے، لیکن ایسی کوئی عمارت جو "مدرسہ" کہلاتی ہو، ملا نظام الدین کے زمانے میں فرنگی محل میں نہ تھی، ان کا گھر یا گھر سے متصل مسجد ہی ان کی درسگاہ ہونا چاہیے، مسجد میں درس دینے کی روایت ایک واقعہ کے ضمن میں ملا بحر العلوم سے ہے:۔

چنانچہ روزے مولانا علیہ الرحمۃ بگوشۂ مسجد نشستہ مرا درس می دادند کہ دریں ہنگام دو جوان خوب رو در مسجد در آمدند الخ ۱؎	(ملا بحر العلوم بیان کرتے ہیں) چنانچہ ایک دن مولانا رحمۃ اللہ علیہ (ملا نظام الدین) مسجد کے کونے میں بیٹھے مجھے پڑھا رہے تھے کہ دو خوب رو نوجوان مسجد میں آ گئے الخ۔

اور یہ مسجد بھی بعض خاندانی روایات کی رو سے ملا صاحب کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تھی "حویلی فرنگی" کا قدیمی جزو نہ تھی، یہ بھی مسموع ہوا ہے کہ محرابِ مسجد کے شمالی حصے میں جو منبر ہے اُس کے تین زینوں میں سے اوپر کے زینے کا پتھر ملا صاحب کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک کا رکھا ہوا ہے، اور یہ خود اپنی آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے کہ حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ خطبۂ جمعہ کے لیے جب منبر پر کھڑے ہوتے تھے تو ادباً تیسرے (آخری زینے) پر نہیں کھڑے ہوتے تھے، بلکہ دوسرے زینے سے خطبہ دیتے تھے، یہی معمول مولاناؒ کے بعد اُن کے جانشینوں اور اماماِن جمعہ کا اب تک ہے، اس کی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ اوپر کی سیڑھی کا پتھر حضرت سید صاحب بانسویؒ

۱؎ عمدۃ الوسائل مخطوطۂ فرنگی محل ص۲۶۰

کے دستِ مبارک کا رکھا ہوا ہے اس لیے اس کو زیرِ پا نہ آنا چاہیے۔

امورِ خانگی اور معاملات زمینداری، جن کے متکفل ملا صاحب کے بھتیجے ملا احمد عبد الحق رہے، کیا تھے؛ اس کی تفصیل صاحبِ اغصان اربعہ نے جو خاندان فرنگی محل کے ممتاز مؤرخ تھے اس طرح بیان کی ہے:

ہر چند فرنگی محل بفرمان بادشاہی معاف شدہ بود لیکن رعایائے متعلقہ آں قبضہ نمی دادند وتمرد وسرمی داشتند بمساعی جمیلہ ملا احمد عبد الحق زیر و زبر شدند وسر بہ رعیت گرمی نہادند وبر خط کرایہ بنام او نوشتہ دادند چراکہ بسبب حلمیکہ مولانا نظام الدین داشت شکستگی خاطر احدے برو ناگوار بود ہر کس کہ بخدمت او نالش با احمد عبد الحق کردے فرمود کہ اوشاں مالک اند ہرچہ خواہند بکنند من اختیار ندارم

(اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۳۵)

اگرچہ فرنگی محل شاہی فرمان کے تحت ہبہ ہوا تھا لیکن ان عمارات پر قابض لوگ قبضہ لینے نہیں دیتے تھے اور سرکشی اختیار کیے ہوئے تھے ملا احمد عبد الحق کی کوششوں سے یہ لوگ زیر ہوئے اور کرایہ داری کے سرخط لکھ دیے یہ سرخط ملا احمد عبد الحق کے نام لکھے گئے۔ اس لیے کہ ملا نظام الدین کے مزاج میں ایسی نرمی تھی کہ کسی متنفس کی بھی دلشکنی ان کو ناگوار معلوم ہوتی تھی، اور جب لوگ (رعایا) ملا احمد عبد الحق کے خلاف ملا نظام الدین سے اپیل کرتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ "ملا احمد عبد الحق ہی مالک ہیں، جیسا چاہیں کریں، مجھے ان کی کارروائیوں میں دخل دینے کا اختیار نہیں ہے۔

اس اقتباس سے، جو ایک ایسے کی تحریر کا ہے جو فرنگی محل کے علمائے فرنگی محل سے آباد ہونے کے صرف پچھتر سال بعد اسی خاندان میں پیدا ہوا تھا، مزید وضاحت ہوگئی کہ فرنگی محل یا "حویلی فرنگی" محض ایک مکان نہ تھا، بلکہ اصل حویلی کے ساتھ متعلقات حویلی بھی تھے، جن میں کرایہ دار رہتے تھے، جو خاندان ملا قطب الدین کی ملکیت ماننے اور قبضہ دینے میں سرکشی سے کام لے رہے تھے، برنیر کے

سفرنامے کا یہ ٹکڑا "فرنگی محل یا فرینکس کواٹرس میں" اور فرمان شاہی کا یہ اشارہ "یک منزل حویلی فرنگی بامتعلقہ آں" اس اقتباس کی روشنی میں بہت واضح ہو جاتا ہے۔

ملا قطب الدین کا کنبہ جب اس حویلی میں منتقل ہوا ہے تو کم وبیش نصف درجن مرد وزن و اطفال پر مشتمل تھا، یعنی ملا سعید بن ملا قطب الدین شہید، بیوہ ملا قطب شہید، والدۂ ملا قطب شہید، زوجۂ ملا محمد اسعد اور ان کے ایک کم عمر بیٹے ملا غلام محمد مصطفیٰ، زوجۂ ملا سعید اور ایک نوعمر بیٹے ملا محمد احمد عبدالحق، ملا نظام الدین اور ان کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا، اس چھوٹے سے کنبے کے لیے اصل حویلی فرنگی" کافی تھی، متعلقاتِ حویلی سے تابعنوں کی بے دخلی کی کوئی ضرورت بھی اُس وقت نہ تھی' مولانا عنایت اللہ مرحوم فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

"اسی کوٹھی (اصل حویلی) میں سب لوگ سکونت پذیر ہوئے، جب اولاد بڑھی اور جگہ کی تنگی ہوئی تو ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کوٹھی کے جنوب جانب اور ملا رضا نے شمال جانب اور ملا اسعد کی اولاد نے اس کوٹھی کے اصطبل کو کھدوا کر مکانات بنوا لیے، ملا سعید کے صاحبزادے (ملا احمد عبدالحق اور ملا عبدالعزیز) اسی میں (اصل حویلی میں) رہتے رہے، ملا عبدالعزیز کا نکاح مفتی مراد کی بیٹی سے ہوا تھا، اور اہل وعیال محلہ سوت ہٹی میں مفتی مراد کے یہاں قیام پذیر تھے، اس لیے یہ کوٹھی (حویلی) مولانا عبدالحیؒ کا مسکن رہی۔"

(تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص ۱۹)

اولاد بڑھنے اور جگہ کی تنگی ہونے کے بعد ہی "متعلقات حویلی" کو اپنے قبضہ میں لینے اور حسب ضرورت اس کی تعمیر میں رد و بدل کرنے کا ارادہ کیا گیا اور اس وقت ملا نظام الدین ایک مشہور شخصیت ہو چکے تھے، طلبۂ علوم جوق در جوق ان کی خدمت میں آنے لگے تھے، درس و تدریس کے انہماک میں ان کو خاندان کے بڑے اور بزرگ ہونے کے باوجود جائداد کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ تھی، اسی لیے کچھ دنوں ملا صاحب کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا یہ ذمہ داری سنبھالے رہے،

و مختار امور خانگی مولوی محمد رضا بود　　　　خانگی امور کے مختار کل ملا محمد رضا رہے،

پس وے مولوی عبدالحق[1] "ردہ قال" سے "حال" میں چلے گئے، پھر گھربار، وطن اور ملک چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے تو ان کے بعد ملا احمد عبدالحق نے مختار کل کے فرائض انجام دیے۔

بہرحال ملا نظام الدین کی درس گاہ حویلی فرنگی کی اصل عمارت تھی، یا مسجد فرنگی محل، یا حویلی کے جنوب میں ملا صاحب کا تعمیر کردہ مکان تھا، درس گاہ میں زیر تعلیم طلبا کا قیام کہاں رہتا تھا؛ دو چار یا دس پانچ طلبہ کے لیے یہ قیاس کر لینا ممکن بھی ہے کہ استاد کی دی ہوئی کسی جگہ یا قریبی مسجد میں رہتے ہوں گے، مگر ملا صاحب کے طلبہ کی کثرت کے پیش نظر یہ قیاس کام نہیں دے سکتا، روایات یہ بتاتی ہیں کہ ملا صاحب کے شاگرد فرنگی محل سے تقریباً ایک میل دور واقع مزار شاہ پیر محمدؒ پر رہتے تھے۔

---

[1] محاسن مناقبیہ از ملا عبدالاعلیٰ (حفید ملا نظام الدین) مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی۔

درس گاہ

و

تلامذہ

Marfat.com

مشہور چشتی بزرگ شاہ پیر محمد صاحب (وفات ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کا مزار لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے ایک بہت اونچے ٹیلے پر واقع ہے، اور اس ٹیلے پر ایک عالیشان وسیع و عریض مسجد بھی ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے اورنگ زیب عالمگیر نے تعمیر کرایا تھا، صاحب بحر زخار کا کہنا ہے کہ شاہ پیر محمد صاحب کے مزار کی عمارت اور مسجد، اودھ کے صوبہ دار فدائی خاں نے تعمیر کرائی تھی، مزار اور مسجد سے متصل آراضی بھی تھی جس پر

خلیفہ شاہ ملا نقشبند بر آں ٹیلہ کذا نقش زدہ عمارات و حویلی بنا کردند و تا امروز اولاد ملا ممدوح دراں مکان بریاست قائم و متمکن [1]

(حضرت شاہ پیر محمد صاحبؒ کے) خلیفہ اور جانشین ملا (غلام) نقشبند نے (جو ملا نظام الدین کے اساتذہ میں تھے) کچھ عمارتیں اور حویلی بنائی تھیں، ملا غلام نقشبند کی اولاد اب تک (زمانۂ تصنیف یعنی ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء تک) وہاں رہ رہی ہے اور قابض و متمکن ہے۔

ملا غلام نقشبندؒ مدرس بھی تھے اور رشد و ہدایت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ان کی خدمت

---

[1] اغصان الانساب مخطوطہ فرنگی محل صفحہ ۱۳۰

Marfat.com

میں علومِ ظاہری کے علاوہ علومِ باطنی کے طلب گار بھی آتے رہتے تھے، اور مسجد بنا کردہ عالمگیر فدائی خاں اور عمارات تعمیر کردہ ملا غلام نقشبند میں ان کا رہنا ہوتا تھا ملا غلام نقشبند کی وفات کے بعد (۱۱۲۶ھ ۱۷۱۴ء) درس و تدریس کا سب سے بڑا مرکز ملا نظام الدین کا آستانہ تھا، خود ملا نقشبند کی اولاد بھی ملا نظام الدین سے شرفِ تلمذ رکھتی تھی، ملا صاحب کے پردیسی طلبہ کی قیام گاہ ٹیلہ شاہ پیر محمد صاحب تھی، مرزا محمد حسن قتیل کا کہنا ہے کہ:

بیشتر بر پشتۂ شاہ پیر محمد کہ در لکھنؤ بکنار دریا مشہور است برائے ہفت صد طالب علم مشاہرہ بقدرِ ضرورت کول و مشروب و ملبوس از سرکار بادشاہ ہندوستان معین بودہ[۱]

"اب سے پہلے (زمانۂ تصنیف یعنی ۱۲۲۷ھ ۱۸۱۲ء سے پہلے) شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر جو لکھنؤ میں دریا کے کنارے مشہور جگہ ہے، سات سو طلبہ کے رہنے، کھانے پینے اور پہننے کے اخراجات کے لیے بادشاہ ہندوستان کی طرف سے ضروری مشاہرہ مقرر تھا۔"

تلامذہ

ملا نظام الدین کے تلامذہ کی فہرست پچاس سالہ درس و تدریس کے نتیجے میں خاصی طویل ہونا چاہیے تھی، صرف اُن ہی تلامذہ کی جامع فہرست پیش کرنا جنھوں نے اول سے آخر تک ملا صاحب سے استفادہ کیا، آسان نہیں، اور اگر ان "مردمِ بسیار" کو بھی شامل کر لیا جائے، جنھوں نے "برائے اعتبار فاتحہ فراغ از مولوی گرفتند" کے تحت سلسلۂ تلمذ ملا صاحب تک پہونچا کر "بین الفضلاء علم امتیاز بلند کرنے کی تمنّا پوری کی تو احاطہ اور بھی دشوار ہو جائے گا۔

شاگردوں میں صرف فرنگی محل میں مقیم بیٹے، بھتیجوں، پوتوں اور آبائی وطن سہالی کے

---

[۱] ہفت تماشا مطبوعہ نولکشور پریس ص ۱۴۰

بنی اعمام کا حساب رکھا جائے تو تعداد کے لحاظ سے خواہ یہ فہرست مختصر معلوم ہو لیکن استاد کی عظمت اور قوتِ تدریس کا سکہ قلوب پر بٹھانے کے لیے بہت کافی ہے۔

میراں کمال الدین | اولین تلامذہ میں میراں کمال الدین تو تھے ہی، بنگالہ کے رہنے والے بقول صاحبِ اغصان الانساب، اور عظیم آبادی، صاحبِ نزہتہ الخواطر اور بہاری مرزا قتیل کے بیان کے مطابق جنھوں نے ملا صاحب سے فارغ التحصیل ہو کر فتحپور (ضلع بارہ بنکی) میں مسندِ درس بچھائی تھی، اور ملا صاحب کے ایک نامور اور صاحبِ درس شاگرد ملا کمال الدین سہالوی کو درسیات کے مختصرات پڑھائے تھے، وہ اولین تلامذہ میں سرِ فہرست قرار دیے جا سکتے ہیں۔

تین بھتیجے | بڑے بھائی ملا محمد اسعد بن قطب الدین شہید کے اکلوتے بیٹے جو اپنے نامور چچا ملا نظام الدین سے آٹھ سال کے قریب چھوٹے تھے، جن کا نام غلام محمد مصطفےٰ تھا، اور منجھلے بھائی ملا محمد سعید کے بڑے بیٹے جو ملا صاحب سے چودہ سال چھوٹے تھے، جن کا نام احمد عبدالحق تھا، یہ دونوں بھتیجے لٹے ہوئے کنبے کے ساتھ سہالی سے آ کر فرنگی محل میں آباد ہوئے، ایک خورد سال تھے اور ایک شیر خوار پھر منجھلے بھائی ملا سعید کے دوسرے بیٹے جو فرنگی محل ہی میں پیدا ہوئے اور اپنے بڑے بھائی سے دو سال اور اپنے چچا سے سولہ سال چھوٹے تھے، جن کا نام عبدالعزیز بن ملا محمد سعید تھا، یہ تینوں بھتیجے بھی ملا نظام الدین کے اولین تلامذہ میں تھے۔

خاندان کے اولین شاگردوں میں ملا احمد عبدالحق مصنف اور صاحبِ درس گزرے ہیں، وہ ملا صاحب سے چودہ سال چھوٹے تھے، لیکن وفات میں صرف چھ سال پیچھے رہے، اور ان کے چھوٹے بھائی ملا عبدالعزیز اپنے بڑے بھائی سے دو سال قبل ہی وفات پا گئے، ملا صاحب کے سب سے بڑے بھتیجے ملا غلام محمد مصطفےٰ، فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملانواں (ضلع اناؤ) کے قاضی ہو گئے، منصبِ قضا پر عزل و نصب کے کئی دور دیکھنے کے بعد اپنے بڑے بیٹے ملا محمد علی کے ساتھ عازمِ دہلی ہوئے کہ معاملات کا آخری تصفیہ کرائیں، راستے میں دونوں باپ بیٹے غالباً شہید کر دیے گئے۔

دوسری پیڑھی میں مذکورہ تینوں بھتیجوں کے علاوہ جو اولین تلامذہ تھے، ملا صاحب کے چھوٹے

بھائی ملا محمد رضا کے دونوں بیٹے ملا احمد حسین اور ملا عبدالحی بھی ممتاز تلامذہ میں تھے۔ پھر تیسری پیڑھی میں بڑے بھتیجے اور شاگرد ملا قاضی غلام محمد مصطفیٰؒ کے تینوں فرزند ملا محمد علی، ملا محمد ولی، اور ملا محمد حسن (جو ملا حسن کے نام سے مشہور ہیں) منجھلے برادر زادے اور شاگرد ملا احمد عبدالحق کے بڑے بیٹے ملا محب اللہ، چھوٹے بھتیجے اور شاگرد ملا عبدالعزیز کے اکلوتے بیٹے ملا محمد یعقوب، ان سب نے ملا نظام الدین ہی سے پڑھا، اور ان میں سے بیشتر نے ملا صاحب ہی سے سند فراغت بھی حاصل کی جو ابھی تکمیل نہیں کر سکے تھے کہ ملا صاحب کی وفات ہوگئی، انھوں نے درسیات کی تکمیل ملا صاحب کے شاگردوں ملا کمال الدین سہالوی ثم فتحپوری اور ملا احمد حسین فرنگی محلی سے کی۔

یہ سب ملا صاحب کے خاندان کے حضرات تھے، جنھوں نے فرنگی محل ہی میں (بعض نے ملا صاحب کی حیات میں اور بعض نے ملا صاحب کی وفات کے بعد) درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا اور سیکڑوں تشنگانِ علوم کو سیراب کیا، ان میں سے ملا کمال الدین سہالوی فتحپوری، ملا احمد حسین فرنگی محلی اور ملا بحر العلوم کے تلامذہ بھی کافی نام آور ہوئے ہیں۔

ملا کمال الدین سہالوی | ملا کمال الدین سہالوی (ثم فتحپوری) کے تلامذہ میں نامور ترین ملا حسن فرنگی محلیؒ ملا محمد برکت الٰہ آبادی، ملا حمد اللہ سندیلوی، ملا عبداللہ سندیلوی، اور ملا محمد اعلم سندیلوی تھے، ان ہی ملا اعلم سندیلوی کے شاگرد رشید، ملا عبدالواحد خیرآبادی تھے، جن کے شاگرد رشید مولانا فضل امام خیرآبادی (والد ماجد مولانا فضل حق خیرآبادی) تھے، جن سے خیرآبادی سلسلۂ تلمذ جاری ہوا، اور دہلی، رام پور اور اودھ میں یہ سلسلہ کافی پھیلا۔ ملا کمال الدین سہالوی کے درس کا فیض مغربی اضلاع بجنور، مرادآباد، مظفرنگر اور سہارنپور وغیرہ میں ملا کمال کے تلامذہ کے ذریعہ دور دور تک اس وقت پھیلا، جب نواب نجیب الدولہ یا ان کے بیٹے غلام قادر روہیلہ نے دارانگر متصل امروہہ میں ایک مدرسہ قائم کیا، اور ملا کمال کے ممتاز شاگردوں کو بیش قرار تنخواہوں پر درس و تدریس کے لیے مامور کیا، رضی الدین محمود انصاری لکھتے ہیں:۔

دریں اثنا نواب نجیب الدولہ بہادر کہ رئیسِ | اسی زمانے میں نواب نجیب الدولہ نے جو دہلی

امیر ذی الاقتدار ملک فوج شاہجہاں آباد
بودند مدرسہ بروئے دریائے گنگ درمقام
دارانگر کہ متصل امروہہ و مراد آباد است
بنا کردہ علمائے ذوی الاحترام مثل مولوی
محمد برکت الہ آبادی کہ از شاگردان رشید
مولانا کمال الدین محمد قدس سرہ کہ عنقریب
ذکر شاں مرقوم قلم می گردد و مولوی محمد حسن
کہ ہمشیرزادہ و ہم شاگرد مولانا موصوف و
مولوی محمد سالم خلف متوسط مولانا ممدوح
بودند و دیگر فضلائے ولایتی و ہندی
بالمشاہرۂ معقول کہ صدہا روپیہ باشد
مقرر کردہ و علیٰ ہذا القیاس طلبہ بے انداز
از شرفائے جوار و غیر جوار بدرماہہ حسب
لیاقت آنہا معین نمودہ دراں مدرسہ
صورت تعلیم و تعلم نمودار گردید [1]

کے اطراف کے رئیس اور ذی اقتدار امیر
تھے، امروہہ اور مراد آباد کے قریب
واقع دارانگر میں دریائے گنگا کے کنارے
ایک مدرسہ قائم کیا جس میں بڑی بڑی
تنخواہوں پر جو سینکڑوں روپیہ تھیں، ممتاز
علماء کو جیسے ملا محمد برکت الہ آبادی (ملا
کمال الدین سہالوی کے خاص شاگرد) ملا
حسن فرنگی محلی (ملا کمال کے شاگرد اور بھانجے)
اور ملا محمد سالم (ملا کمال کے منجھلے فرزند
اور شاگرد) اور بہت سے ہندوستانی اور
غیر ملکی علماء کو مقرر کیا، اسی طرح بے شمار
طلبہ کے لیے بھی جن میں اطراف و جوانب
کے شرفا کے بچے اور دور دور کے بچے بھی
شامل تھے، حسبِ استعداد ماہانہ وظیفہ بھی
مدرسہ کی طرف سے مقرر کیا، اس طرح دارا
نگر کے مدرسہ میں پڑھنے پڑھانے کی صورت
پیدا ہو گئی۔

ان شاگردانِ ملا کمال الدین کے ذریعہ ملا کمال کے استاد ملا نظام الدین کے درس کا سلسلہ
دارانگر کے مدرسہ کے فارغ طلبہ کے واسطے سے تمام مغربی اضلاع میں جن میں ہندوستان کی

---

[1] احسان الانساب مخطوطہ فرنگی محل ص

Marfat.com

راجدھانی شاہجہاں آباد (دہلی) بھی شامل ہے' پھیل گیا' یہ وہ زمانہ ہے جب دلی میں ولی اللٰہی خاندان کا حلقۂ درس خاصا وسیع ہو چکا تھا' اور اس خاندان کے سربراہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی دیگر علوم کے ساتھ تفسیر و حدیث و فقہ کی ترویج میں غیر معمولی شہرت کے مالک ہو چکے تھے' ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد ملا کمال الدین کے دو شاگرد ملا حسن فرنگی محلی اور ملا قطب الدین محمد ابن کمال الدین سہالوی بھی شاہ صاحب کی حیات میں دلی پہنچ گئے تھے' اور ملا حسن نے وہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کیا تھا' اور یہ اسی عہد کا واقعہ ہے جس کو مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے حسب ذیل الفاظ میں درج کیا ہے:۔

"ملا حسن (فرنگی محلی) نے کچھ مدت دلی میں قیام فرمایا' حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگردوں کو خبر ہوئی' وہ بھی ملا حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی مبحث علمی پر بحث کرنے لگے ملا حسن نے جوابات معقولہ سے ان کی تشفی کر دی' وہ حضرت شاہ صاحب کے پاس واپس گئے' اور ملا حسن کی تعریف کرنے لگے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ "ان معقولیوں کو حدیث و قرآن سے بالکل بے خبری ہوتی ہے۔ یہ بیچارے عمر بھر قال الشیخ و قال الرازی میں پڑے رہتے ہیں"۔ ملا حسن اس عرصے میں رامپور واپس ہو چکے تھے۔ کسی نے بحر العلوم تک یہ واقعہ پہنچایا' بحر العلوم نے جواب میں "ارکان اربعہ" لکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کے جواب میں نہایت توصیف و مدح مولانا کی لکھی اور خط کے عنوان میں مولانا کو "بحر العلوم" کے لقب سے

ؔ پاکستان کے ایک مؤرخ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی اپنی تصنیف "تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت" جلد دوم شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۳ء میں لکھتے ہیں: "ملا نظام الدین کے فرزند ملا عبد العلی جوانی میں ارکاٹ چلے گئے تھے۔ وہاں نواب محمد علی والاجاہ کی سرپرستی میں ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ خطاب "بحر العلوم" اسی دریا دل سرکار نے بخشا تھا۔" (ص ۱۴۶) ہاشمی صاحب ایک ایسے مؤرخ ہیں جنھوں نے اپنے مخصوص عقیدے "غزایا شہادت" کے علاوہ ہر نقطۂ نظر رکھنے والے گروہ یا فرد کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے اور غیر مسلموں سے شدید نفرت و بغض کا اظہار کیا ہے۔ وہ اگر غیر سنجیدہ انداز میں بحر العلوم کے بارے میں غلط بیانی کریں تو حیرت نہ ہونا چاہیے (باقی ص ۹۹ پر)

Marfat.com

ملقب فرمایا، خدا کی قدرت کہ حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہوا خطاب آج عالم میں شہرت پا گیا اور اب اہل علم کے حلقوں میں نام اور شاہی خطاب سے زائد حضرت شاہ صاحب کا عطیہ خطاب ہی مشہور ہے۔[1] ان ہی ملا کمال الدین سہالوی کے ذریعہ ان کے استاد ملا نظام الدین کا فیض ہندوستان کے باہر بھی پہنچا، کس طرح؟ اس سلسلے کا واقعہ اغصان الانساب (قلمی) کے مصنف نے بایں طور بیان کیا ہے:

مولوی عبدالرحمن یمنی کہ در یمن صاحبِ درس بودند سالے برائے زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً در بیت اللہ آمدند ہم دراں سال شخصے از شاگردان مولانا ممدوح مشرف بزیارت کعبہ شریفہ آمدہ بود، حسب اتفاق از مولوی عبدالرحمن یمنی دراں جا ملاقات دست داد چیزے بحث علمی بمیاں آمد چوں مولوی عبدالرحمن بمقابلہ آں کس خود را ہیچ مداں دیدند مستفسر شدند کہ ایں علم از کدام فاضل آموختہ اید؟ ایں شخص مدح و تعریف استاد خود بیان کرد مولوی عبدالرحمن یمنی از بیت اللہ بہ ارادہ اخذ علم و تعلیم عازم ہندوستان شدند

یمن (ملک عرب) میں ایک عالم اور مدرس مولوی عبدالرحمن تھے، ایک سال وہ حج و زیارت کے سلسلے میں مکہ معظمہ آئے، اسی سال ملا کمال الدین سہالوی کے ایک شاگرد بھی شرف حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، اتفاق سے مولوی عبدالرحمن یمنی اور شاگرد ملا کمال کی ملاقات مکہ معظمہ میں ہو گئی، آپس میں کوئی علمی بحث چھڑ گئی، جب مولانا عبدالرحمن یمنی نے شاگرد ملا کمال کے مقابلے میں علمی اعتبار سے اپنے کو ہیچ پایا تو دریافت کرنے لگے کہ کس فاضل و عالم سے آپ نے پڑھا ہے، شاگرد نے اپنے استاد

(گزشتہ سے پیوستہ) اول تو بحرالعلوم ترسٹھ سال کی عمر میں ارکاٹ (مدراس) گئے تھے جو ہاشمی صاحب کو جوانی کی عمر نظر آئی۔ دوسرے بحرالعلوم کا خطاب دریا دل سرکار کا عطیہ قرار دے کر خطاب کی وقعت گھٹانے کی کوشش فرمائی ہے، اس کے علاوہ پوری تاریخ ایسی ہی بیجا باتوں سے بھری ہوئی ہے اور حکومت ہند نے اس کتاب کا داخلہ ہندوستان میں جو ممنوع قرار دیا ہے تو اس کے اسباب یہی ہیں۔ [1] تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص ۱۴۱

Marfat.com

دجویا بوده بخدمت مولانا موصوف
رسیده پنج شش سال اقامت نموده مجدداً
کتب درسیه خوانده و بخوبی علوم حاصل
کرده راہی وطن خود شده نمود و در انجا رسیده
بر وسادۂ تدریس تمکین کردند و نام استاد خود
در ملک عرب بلند آوازه گردانیدند ؎۱

ملا کمال الدین سہالوی کا نام لیا
اور اُن کی مدح و توصیف کی، مولوی
عبدالرحمٰن یمنی مکہ معظمہ سے وطن
جانے کے بجائے علم حاصل کرنے
سیدھے ہندوستان کی طرف چل
کھڑے ہوئے، ہندوستان پہونچ
کر ڈھونڈھتے ہوئے ملا کمال الدین سہالوی
تک پہونچ گئے اور پانچ چھ سال
رہ کر از سر نو کتب درسیہ ملا
کمال الدین سے پڑھیں، اور اچھی
طرح تحصیل علوم کرکے اپنے وطن
یمن واپس گئے، وہاں پہونچ کر مسند
درس بچھائی اور اپنے اُستاد ملا
کمال الدین سہالوی کے نام کو ملکِ
عرب میں خوب شہرت دی۔

ملا کمال الدین کے بڑے فرزند ملا قطب الدین محمد نے اپنے والد ہی سے علوم حاصل کیے تھے، نکتہ سنجی اور دقت آفرینی میں وہ اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ

ملا کمال الدین طاب ثراہ می فرمودند کہ اگر
قطب الدین درس می کردند از من کمتر نمی

ملا کمال الدین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قطب الدین
درس دینا شروع کر دیتے تو مجھ سے کم نہ رہتے،

؎۱ اغصان الانساب مخطوطۂ فرنگی محل ص۵۶

بودند و حسرت می کردند که افسوس طبیعت ایشان راغب سوئے درس نیست [1]

ملا صاحب افسوس کرتے تھے کہ بیٹے کی طبیعت پڑھانے کی طرف کسی طرح راغب نہیں ہوتی۔

ملا قطب کے ایک ہم درس ملا محمد مستعان کاکوروی جو ملا کمال الدین کے شاگرد تھے کہا کرتے تھے:

روح مولانا مرحوم کلیتاً در جسم مولوی قطب الدین حلول کردہ است اگر درس می کردند نام پدر عالی قدر خود را رونق می دادند [2]

ملا کمال الدین سہالوی کی روح مولوی قطب الدین کے جسم میں پوری طرح سما گئی ہے۔ اگر وہ درس و تدریس کا سلسلہ قائم کرتے تو اپنے نامور باپ (ملا کمال الدین) کے نام کو بڑی شہرت بخشتے۔

---

[1] اغصان الانساب مخطوطہ فرنگی محل ص۵۵

[2] ملا کمال الدین کے اس لائق و ہونہار فرزند نے درس و تدریس کی طرف کیوں توجہ نہیں کی؟ اس کی وجہ اغصان الانساب کے مصنف نے وہی بیان کی ہے جو اکثر علمی ذہنوں کی خانہ خرابی کی ہوا کرتی ہے۔ یعنی سیاست میں پڑ کر خدمت علم سے غافل ہو گئے۔ مصنف اغصان الانساب کا کہنا ہے کہ:۔

ہرگاہیکہ مولوی قطب الدین محمد از تحصیل علم فارغ شدند عم ایشاں قاضی جان محمد مرحوم بہ سببے ہمراہ خود بہ شاہجہاں آباد بردند در آں جا از امرا و اہلکارانِ شاہی ملاقات کنانیدہ بکار و بار دنیا گزاشتند

(اغصان الانساب قلمی ص۶۵)

مولوی قطب الدین محمد جب تحصیل علم کر چکے تو ان کے حقیقی چچا قاضی جان محمد کسی ضرورت یا مقصد سے انھیں اپنے ہمراہ دلی لے گئے (قاضی صاحب خود بڑے حکام رس اور دربار شاہی تک پہنچنے والے آدمی تھے) انھوں دلی میں امیروں اور شاہی افسروں سے بھتیجے کی راہ و رسم کرا دی اور دنیا دی دھندوں میں پھنسا دیا۔

ملا کمال الدین سہالوی خود اس درجے کے فاضل تھے کہ تنہا وہی اپنے استاد ملا نظام الدین کے نام کو روشن کرنے کے لیے بہت تھے، ان کی ٹکر کا عالم، مدرس اور مصنف اس زمانہ میں دور دور کوئی دوسرا نہ تھا، ان کی تصانیف عروۃ الوثقیٰ، شرح کبریت احمر اور حاشیہ شرح عقائد جلالی میں سے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اس طرح ملا کمال الدین کا ایک ہونہار جانشین علمی دنیا سے درباری ماحول میں پہنچکر خدمت علم سے بے پروا ہوگیا، دلی کا دربار درہم برہم ہوا تو سید شرف الدین محمد عرف مولوی مدن شاہ نے (جو حضرت بڑے پیر صاحب کی اولاد میں تھے، اور نواب شجاع الدولہ کی سرکار سے بڑی جاگیر پائے ہوئے تھے، نواح لکھنؤ میں قریہ خالص پور میں مسند فقر پر بیٹھکر رئیسانہ فیاضیوں کے ساتھ زندگی گزارتے تھے) ان کو اپنے پاس بلایا، مولوی مدن کا کارخانہ درہم برہم ہوا تو ملا قطب الدین خانہ نشین ہوگئے، ہرچند شجاع الدولہ کے نائب راجہ بینی بہادر نے بلایا مگر قبول نہ کیا، اسی خانہ نشینی کے عالم میں ۳ رشعبان ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء میں انتقال کیا، ملا قطب الدین، اغصان الانساب کے مصنف (رضی الدین محمود انصاری) کے حقیقی نانا تھے، ان کے بارے میں یہ ساری تفصیل نواسے ہی نے بیان کی ہے۔

قاضی جان محمد کے بارے میں جو ملا کمال الدین کے حقیقی بھائی تھے، اغصان الانساب کے مصنف نے ایک تاریخی واقعہ لکھاہے، جس کو یہاں نقل کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کسی اور تاریخ میں یہ نظر سے نہیں گزرا، ایک قلمی تصنیف میں درج رہ کر ہوسکتا ہے کہ کبھی معدوم ہو جائے، قاضی جان محمد کے والد قاضی دولت (جن کا ذکر اس سے قبل آیا ہے کہ وہ ملا قطب الدین شہید سہالوی کے شاگرد و متبنیٰ تھے، اور ملا شہید کی شہادت کے بعد واحد رشتہ دار تھے، جو خاندان ملا قطب شہید کے سہالی کی سکونت ترک کرنے کے ساتھ ہی سہالی چھوڑ کر فتحپور چلے گئے تھے) فتحپور کے قاضی ہوگئے تھے، ان کے بعد قاضی جان محمد فتحپور کے قاضی ہوئے، پھر دلی گئے، جہاں سے کئی قصبات جیسے فرخ آباد کے اطراف کے قصبات بھوں گاؤں اور چھپرا مئو وغیرہ اور علاقہ بہرائچ کی سند قضاۃ حاصل کرکے حکم شریعت کو رواج دیتے رہے، دربار شاہی تک بھی پہنچ ہو چکی تھی "عطائے پالکی" سے سرفراز تھے، محمد شاہ کا زمانہ تھا، اس کے دربار میں ہمیشہ حاضر رہتے تھے" مدام حاضرباش دربار شاہی بود" جری اور بہادر ایسے تھے کہ۔ " دراں عصر مثل شاں کمتر کسے بودہ باشد" یہ دلی ہی میں تھے جب نادر شاہ کا حملہ ہوا اور قتل عام سے دلی تاراج

حاشیہ طبع ہو چکا ہے۔ اور عروۃ الوثقیٰ اور شرح کبریت احمر مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) کے مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کلکشن میں مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے۔ مرزا قتیل عروۃ الوثقیٰ سے اس قدر مرعوب نظر آتے ہیں کہ ان کا خیال ہے :-

کتابے موسوم بہ عروۃ الوثقیٰ نوشتہ کہ نحاریر علماء در کشفِ غوامض و حل دقائق آں حیراں شدند (ہفت تماشا "مطبوعہ ص۱۴۵")

ملا کمال نے ایک کتاب عروۃ الوثقیٰ لکھی ہے جس کی باریکیوں کے سمجھنے اور جس کے دقیق مطالب کے حل کرنے سے بڑے بڑے علماء عاجز ہیں۔

پھر لکھتے ہیں :

میر کمال الدین نامی ساکن بہار نیز شاگرد ملا نظام الدین بود چنانچہ میر مزبور و ملا کمال الدین ہر دو را "کمالین" می گفتند شاگردانش بیشتر در اطرافِ بنگالہ اند۔

(ہفت تماشا مطبوعہ ص۱۴۶)

میر کمال الدین (وہی جن کا ذکر میراں کمال الدین بنگالی کے نام سے اوپر گزر چکا ہے اور جن سے ملا کمال الدین سہالوی نے فتحپور میں مختصرات درس پڑھے تھے) بہار کے رہنے والے بھی ملا نظام الدین کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ملا نظام الدین، میر کمال الدین اور ملا کمال الدین کو "کمالین" فرمایا کرتے تھے، میر کمال الدین کے شاگردوں کی اکثریت بنگال کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۹۷ کا) ہوئی۔ نادر شاہ ابھی دلی میں مقیم تھا کہ عید الاضحیٰ (بقرعید) آگئی اور یہ خطرناک اور خوفناک سوال بادشاہ اور امرائے سلطنت کے سامنے آکھڑا ہوا کہ عید کا خطبہ جس میں خلفائے راشدینؓ کے اسماء گرامی لیے جاتے ہیں، کیسے پڑھا جائے گا اور کون پڑھے گا؟ نادر شاہ شیعہ تھا، اس کی سفاکی، قہرناکی اور خونریزی کا ہولناک تجربہ پوری دلی کو ابھی ابھی ہوا تھا، اس سوال کے سامنے آتے ہی ارکان سلطنت

Marfat.com

اس طرح میران کمال الدین ساکن بنگالہ یا ساکن بہار نے اپنے استاد کا فیض بنگال میں عام کیا جہاں ان کے شاگردوں کی کثرت ہوئی اور ملا کمال الدین سہالوی اودھ میں سرگرمِ فیض رسانی رہے۔

میران کمال کے بارے میں ملا عبدالاعلیٰ (حفید ملا نظام الدین فرنگی محلی) نے لکھا ہے:-

محبت با استاد بسیار می داشتند چنانچہ بشنیدن خبر کاذب درباب وفات استاد، سید کمال از غم فوت کردند و سید ظریف بجریان اشک کور شدند[1]

استاد ملا نظام الدین سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ استاد کے وفات کی جھوٹی خبر سُن کر اس قدر غمگین ہوئے کہ اس رنج و غم میں جان دیدی اور سید ظریف (ملا صاحب کے دوسرے شاگرد اور میران کمال کے ہم وطن) روتے روتے بینائی کھو بیٹھے۔

---

[1] رسالہ قطبیہ مخطوطہ فرنگی محل ص۳۱

(حاشیہ صفحہ ۹۸ کا بقیہ) در تہلکہ افتادند و ہوش و حواس در باختند واحدے را یارائے خواندن خطبہ نمی شد خطیب قدیم و دیگر علماء کہ در پایۂ تخت حاضر بودند کنارہ کشی کردند"۔ یہاں تک کہ ایک روز باقی رہ گیا، اب بادشاہ کو تشویش لاحق ہوئی کہ کس سے خطبہ پڑھنے کو کہے، قاضی جان محمد جو حاضر دربار شاہی رہا کرتے تھے، عرض پرداز ہوئے کہ "بندگانِ عالی را دریں باب فکرے نہ باید بندہ حاضر است درخواندن خطبہ دریغ و تساہل نخواہد کرد، گمان ایں است کہ نادرشاہ از شنیدن نامہائے خلفاء ما رابقتل خواہد رسانید جانم فدائے حضور باد"۔ چنانچہ عید الاضحیٰ کے روز قاضی جان محمد سہالوی ثم فتحپوری دلی کی عیدگاہ گئے اور دونوں بادشاہوں (نادر شاہ اور محمد شاہ) کی موجودگی میں "خطبہ بآواز بلند واسمائے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم با مناقب و مفاخر روبروے بادشاہ خونخوار خواندند" لیکن نہ قتل ہوئے نہ گرفتار ہوئے بلکہ "درہموں جا از پیش گاہ بادشاہ خود و ہم نادرشاہ بعطائے دو تلمۂ خلعت سرفرازی اندوختند"۔ (اغصان الانساب مخطوطہ)

Marfat.com

مزید لکھا ہے:۔

ہر دو صاحب تصانیف بودند شاگردانِ	دونوں شاگرد (سید ظریف و میران کمال الدین)
معتبر می داشتند اعلیٰ شاگردانش مولوی	صاحب تصانیف بھی تھے، اور لائق و معتبر
اسد اللہ جہانگیری مدرس و مصنف بودند[1]	شاگرد بھی رکھتے تھے، جن میں سے ایک مولوی
	اسد اللہ جہانگیر نگری مصنف اور مدرس
	گزرے ہیں۔

ملا کمال الدین سہالوی کے براہ راست شاگردوں، بہ یک واسطہ شاگردوں اور دو یا تین واسطوں سے شاگردوں کے کچھ نام اغصان الانساب کے مصنف نے گنائے ہیں۔ مولوی حمد اللہ سندیلوی، قاضی محمد نور الحق فتحپوری (ملا کمال کے ابن عم)، مولوی محمد اعلم سندیلوی، مولوی برکت اللہ الہ آبادی، ملا حسن فرنگی محلی اور ان کے بھائی ملا محمد ولی فرنگی محلی (یہ دونوں فرنگی محلی حضرات ملا کمال کے سگے بھانجے بھی تھے) مولوی احمد اللہ خیر آبادی، مولوی محمد احسن چریا کوٹی (یہ سب براہ راست شاگرد) ان حضرات کے وہ شاگرد جو صاحب درس ہوئے، مولوی باب اللہ جونپوری، مولوی غلام یحییٰ بہاری، مولوی عبدالواجد خیر آبادی وغیرہ ہیں۔ اور تین واسطوں سے شاگردوں میں مولوی فضل امام خیر آبادی، مولوی غلام امام شہید، مولوی عبدالواسع سیدن پوری، مولوی ضامن ساکن کٹرہ مانک پور وغیرہ، یہ سب مولوی عبدالواجد خیر آبادی کے شاگرد ہیں، اور مولوی عبدالواجد، مولوی محمد اعلم سندیلوی کے شاگرد اور بھانجے تھے، اور مولوی اعلم ملا کمال کے شاگرد رشید تھے، اس کے آگے صاحب اغصان الانساب لکھتے ہیں۔

دیگر ان را تا کجا بر شمارم و آنہا کہ تدریس	کہاں تک گناؤں، وہ شاگرد جو صاحب علم
نہ کردند صاحب علم بودند صدہا بودند	تھے مگر تدریس کا شغلہ اختیار نہیں کیا،

---

[1] رسالہ قطبیہ، مخطوطہ فرنگی محل صد ۲۱

از مولانا موصوف تا ایں زماں ہر کس کہ درس	سینکڑوں ہیں، ملا کمال الدین کے بعد سے
ست خواہ فاضل از شاگردی جناب موصوف	اس وقت تک جو بھی صاحب درس ہوا یا
بیک واسطہ خواہ بہ دو واسطہ و چہار واسطہ	عالم فاضل ہے، ناممکن ہے کہ ایک یا دو
از تلمذ آں عالی جناب ممکن نیست کہ بیروں	یا تین یا چار واسطوں سے ملا کمال الدین
آید در تمام ملک ہندوستان ہر کسیکہ صاحب	کے دائرہ تلمذ میں نہ آتا ہو۔ پورے ملک
علم بود و ہست و خواہد بود ہمہ را نسبت	ہندوستان میں جو بھی صاحب علم تھا یا
تلمذ با واسطہ با آنجناب ہست و خواہد شد[1]	ہے یا ہوگا، سبھوں کو بالواسطہ ملا کمال الدین
	سہالوی سے تلمذ ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔
	(اغصان الانساب کا زمانہ تصنیف ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء
	ہے۔ اس وقت ملا کمال الدین کے وصال
	کو پچاسی سال گزر چکے تھے)

مرزا قتیل نے بھی جن کی کتاب ہفت تماشا کا سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ ۱۸۱۲ء ہے اور اسوقت ملا نظام الدین کے وصال کو چھیاسٹھ ۶۶ برس، ملا کمال الدین کے وصال کو اکیاون ۵۱ برس اور بحر العلوم کی وفات کو صرف دو سال گزرے تھے۔ ملا نظام الدین کے دو شاگردوں ملا کمال الدین سہالوی اور ملا بحر العلوم (فرزند ملا نظام الدین) کے کئی شاگردوں کے نام گنانے کے بعد تقریباً یہی لکھا ہے:

ایں بزرگان کہ شمارہ در آمدند شیخ سلسلۂ علماء	یہ سب علماء جن کا ذکر اوپر ہوا ہے (یعنی ملا
بودہ اند جابجا در ہند علم معقول از ہمینہاں	نظام الدین فرنگی محلی اور ان کے شاگرد ملا
منتشر شدہ ہیچ فاضلے و طالبعلمے نیست کہ	کمال الدین سہالوی اور ان کے بلا واسطہ
از حلقۂ شاگردیِ اینہا بیروں باشد یعنے	تلامذہ نیز ملا بحر العلوم اور ان کے تلامذہ)

---

[1] اغصان الانساب مخطوطۂ فرنگی محل ص ۶۱

بشش واسطہ بعضے بہفت و بعضے بکم ازیں در تلمذ علمی با ینہا میرسند لیکن بعضے پنجابیاں و دہلویاں بہفت تماشا مطبوعہ صد ۱۴۶	علماء کے سلسلے کے شیخ دسر گروہ ہیں ایک بھی عالم یا طالب علم ایسا نہیں ہے جو ان کے شاگردوں کے حلقے سے باہر ہو، کوئی چھ واسطوں سے اور کوئی اس سے کم واسطوں سے علمی شاگردی کے سلسلے میں ان ہی حضرات تک پہونچتا ہے، ہاں بعضے پنجابی اور دہلوی علماء اس سے باہر ہیں۔

دہلی اور پنجاب کے علماء کے بارے میں بھی یہ نہیں ہے کہ سب ہی خارج از سلسلہ ہوں۔ اوپر مذکورہ ہو چکا ہے کہ نجیب الدولہ کے مدرسہ واقع دارانگر میں ملا کمال الدین سہالوی کے اجلۂ تلامذہ ملا برکت الہ آبادی، ملا حسن فرنگی محلی اور ملا محمد سالم فتحپوری (فرزند دوم ملا کمال) مسند درس کو رونق بخش کر اطراف و جوانب کے طلبائے کثیر کو فیض پہنچا چکے ہیں، اور کچھ وقفے کے بعد مولوی فضل امام خیر آبادی نے جو تین واسطوں سے ملا کمال کے شاگرد تھے، دلی میں سلسلۂ درس شروع کیا، ان کے نامور تلامذہ میں سے ایک مفتی صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی بھی گزرے ہیں۔

اس کے علاوہ ملا بحر العلوم (فرزند ملا نظام الدین) اور ملا حسن فرنگی محلی نے خاصے طویل عرصے تک رامپور میں درس و تدریس کی اور بڑی تعداد میں ان کے حلقۂ درس سے فضلاء و علماء نکلے، بہت وثوق سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں پنجابی اور دہلوی کتنے تھے، لیکن اس سلسلۂ تلمذ سے پنجابیوں اور دہلویوں کو یکسر خارج سمجھنا خلاف مقتضائے احوال بھی ہوگا، اور بعض تاریخی صراحتوں کے بھی خلاف ہوگا، ملا نظام الدین کے تلامذہ میں ایک صاحب تو ایسے تھے ہی جن کے نام کا جزو دہلوی ہے، یعنی ملا وجیہہ الدین دہلوی، جن کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر کا کہنا ہے کہ الشیخ العالم الکبیر وجیہ الدین الدھلوی احد العلماء

المبرزین فی المنطق والحکمة قرأ العلم علی مولانا نظام الدین بن قطب الدین الکھنوی

اس کے آگے صاحب نزہۃ الخواطر جو لکھتے ہیں وہ مرزا قتیل کے قیاس کو کمزور کرنے کے لیے کافی ہے، یعنی

ولی التدریس ببلدة دھلی اخذ عنه خلق کثیر	دھلی شہر میں درس و تدریس پر مامور ہوئے اور ان سے کثرت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

تو اس "خلق کثیر" میں دہلی کے باشندے بالکل نہ ہوں، یہ بالکل خلاف قیاس ہے، غرض دہلی کے لوگ بھی ملا وجیہہ الدین دہلوی کی معرفت ملا نظام الدین کے سلسلۂ تلمذ میں بڑی تعداد میں "خلق کثیر" ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ تذکرہ نویسوں نے ملا وجیہہ کے اور ان کے تلامذہ کے ذکر میں تساہل برتا یا سیاسی طور پر وہ ایسے نامور نہیں ہوئے کہ ان کی ایک ایک بات کی کھوج اس زمانے کا مورخ لگاتا، جب دلی کی تاریخ درباری سازشوں اور غیر ملکی ریشہ دوانیوں کی تاریخ بن چکی تھی، رسالہ قطبیہ کے مصنف ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی نے ملا وجیہہ کے سلسلہ میں ایک اچھی نشاندہی کی ہے، وہ کہتے ہیں:۔

راغب سوئے شعر بودند لہٰذا در علماء شمار نہ کردہ شدند۔	ملا وجیہہ شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اس لیے علماء کے زمرے میں ان کا شمار نہیں کیا گیا۔

ص ۲۳

ملا بحر العلوم اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر ملا نظام الدین کے طلباء رہتے تھے۔ اسی ٹیلے پر فارغ التحصیل طلبہ کا جلسۂ دستار بندی بھی ہوا کرتا تھا اور ملا نظام الدین اس کے صدر نشین ہوا کرتے تھے اسی ایک جلسۂ دستار بندی میں فرزند ملا نظام الدین (ملا عبد العلی بحر العلوم) کے ساتھ ایک واقعہ ہو گیا تھا، جس نے عبد العلی

کو بحر العلوم بننے پر مجبور کر دیا۔ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کا بیان ہے:۔

"میں نے اپنے اکابر سے سنا ہے کہ چونکہ استاذ الہند (ملا نظام الدین) کے یہی ایک صاحبزادے تھے (یعنی ملا عبد العلی بحر العلوم) اور آخر عمر میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے محبت اور پیار میں زائد بسر ہوئی۔ والد ماجد کے انتقال کے وقت گو کتب درسیہ کی تحصیل سے فراغت ہو چکی تھی، مگر علم کی جانب رغبت نہ تھی، اس زمانے میں دستور تھا کہ فاتحۂ الفراغ پڑھنے والے شاہ پیر محمد صاحبؒ کے عرس کے موقع پر حاضر ہوتے، اور اس عرس میں اکابر علمائے وقت موجود ہوتے، ان کے سامنے دستار بندی ہوتی۔ استاذ الہند کی زندگی میں استاذ الہند ہی اس مجلس کے صدر و مسند نشین ہوتے، جس سال حضرت (استاذ الہند) کی وفات ہوئی اسی سال آپ کی وفات کے بعد جب یہ موقعہ دستار بندی کا آیا حضرت بحر العلوم بھی موافق معمول کے گئے، مگر صرف تماشا دیکھنے کو، بٹیر کی کابک ہاتھ میں تھی، جس وقت دستار بندی کی رسم ادا ہونے لگی تو کسی نے زور سے ان کو دھکا دیا اور کہا کہ "کہاں بڑھے چلے جاتے ہو۔" ملا بحر العلوم نے جواب دیا کہ "مجھ کو نہیں جانتے" میں ملا نظام الدین کا لڑکا ہوں۔" اس شخص نے کہا کہ "سبحان اللہ"! اگر تم استاذ الہند کے بیٹے ہوتے تو مسند پر صدر میں ہوتے یا یہاں بٹیر کی کابک ہاتھ میں لیے ہوتے۔" مولانا بحر العلوم کی حمیت جوش میں آگئی، کابک وہاں ہی توڑ ڈالی اور بٹیریں اڑا دیں، اور گھر آکر کتاب بغل میں لی اور پدر بزرگوار کے مزار پر حاضر ہو کر دیر تک گریاں رہے۔ اس کے بعد کتاب کھول کر مطالعہ شروع کیا جہاں ذرا بھی اشکال ہوتا، روحانیت پدر بزرگوار سے مدد پاتے، یہاں تک کہ فاضل بے نظیر جامع معقول و منقول، عالم علوم ظاہر و باطن ہو گئے۔"

(تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص ۱۳۸)

خاندان فرنگی محل کے متقدم تذکرہ نگار ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی ٹیلے والے واقعہ کا ذکر تو نہیں کرتے لیکن مفہوم تقریباً یہی وہ بھی بیان کرتے ہیں:۔

بعد وفاتش فرزند ارجمندش بمطالعہ کتب معقول و منقول مشغول گشت و ہر مشکلے کہ دریں باب بروے رو می نمود بروحانیت والد خودش حل می گشت چنانکہ زبانی ثقات شنیدہ ام کہ مولانا عبدالعلی محمد می گفت والدم چنانکہ در تربیتم در حیات خود مصروف بود ہم چناں بعد ممات نیز بہ تعلیم و تفہیم و کشف معضلات و حل مشکلات ہم متوجہ ہست ۔۔۔ در ابتدائے حال در مطالبات غامضہ و مواضعیکہ در آں لغزش پائے علماء می گشت بخدمت ملا کمال الدین مرحوم کہ تلمیذ خاص والدم بودند و بزرگ و سن بطریق مناظرہ برائے طلب صواب و ادراک حق در مباحث و مقامات کتب متداولہ درسیہ مذاکرہ می کردم از شاں افادہ تحقیقات غامضہ والدم و ہم تحقیقات خود یقین می فرمودند و گاہے ترش روئے و تنگ خاطر نمی گشتند (اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۲)

ملا نظام الدین کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند کتب معقولہ و منقولہ کے مطالعے میں مشغول ہوئے اور اس سلسلے میں جو بھی مشکل ان کے سامنے آئی اپنے والد صاحب کی روحانیت سے حل ہوگئی چنانچہ میں نے معتبر حضرات سے سنا ہے (مصنف نے ملا بحرالعلوم کی حیات کے ۴۴ سال پائے تھے، لیکن ملاقات نہیں کر سکے اس لیے کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ملا بحرالعلوم فرنگی محل چھوڑ کر جا چکے تھے۔ شاہجہانپور، رامپور، بوہار اور مدراس میں بحرالعلوم کے آخری پچپن ۵۵ سال بسر ہوئے، اور مدراس میں انھوں نے وفات پائی) کہ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم فرمایا کرتے تھے کہ والد ماجد جس طرح اپنی حیات میں میری تربیت فرماتے تھے اسی طرح وفات کے بعد بھی مشکل مقامات اور دشوار علمی مسائل کے حل کے سلسلے میں میری تعلیم و تفہیم کیطرف متوجہ ہیں ۔۔۔ شروع شروع دشوار مسائل

Marfat.com

اوران مباحث کے سلسلے میں جہاں علماء
کے قدم لڑکھڑاتے ہیں، اپنے والد ماجد کے
خاص شاگرد اور بزرگ سن رسیدہ .....
ملا کمال الدین مرحوم کی خدمت میں تصحیح
بات علوم کرنے اور درسی کتابوں کے مباحث
و مقامات کو کما حقہ سمجھنے کے لیے بحث و
مباحثہ کرتا تھا اور وہ میرے والد ماجد کی
نازک تحقیقات اور اپنی تحقیقات مجھ سے
بیان فرماتے تھے، اور کبھی میری بحث و تکرار
سے بدمزہ اور تنگ دل نہ ہوتے تھے۔

اگرچہ والد ماجد کے تلمیذ خاص "بدمزہ اور تنگ دل" نہ ہوتے تھے، لیکن تلمیذ خاص کے شاگردانِ خاص جو اپنے اپنے وقت کے علمائے اجل ہوئے ہیں، نیز دوسرے سن رسیدہ حضرات جب ایک ۱۸۔۱۹ سال کے لڑکے کو ایک من جملہ علمائے روزگار سے مناظرہ کرتے دیکھتے تو نہ صرف بدمزہ ہوتے بلکہ ان کو سخت ناگوار گزرتا تھا، ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کا بیان ہے کہ

براقم رسیدہ است کہ مردم از ملا کمال الدین گفتند کہ ایں طفل ایں قدر بحث و تکرار بخدمت می نماید و بے ادبانہ کلام می کند و شما پاسداری و دلجوئی او می فرمائید و گاہے رنجہ خاطر نمی شوید و بملائمت با او سخن می گوئید ایں معنی پسند طبع تلامذہ و دیگر عزیزاں و دوستاں نسبت بزرگاں را	راقم کو بعض ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ لوگوں نے ملا کمال الدین سے کہنا شروع کر دیا کہ یہ لڑکا آپ سے اس قدر بحث و تکرار کرتا رہتا ہے اور گستاخی سے بات چیت کرتا ہے۔ آپ لحاظ و دلجوئی کرتے رہتے ہیں، کبھی غصہ نہیں ہوتے، ہمیشہ ملائم انداز میں گفتگو فرماتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کا انداز

تادیبِ خورداں با تعلیم و تفہیم مناسب است
نہ کہ اینہا را ہم سر خود گردانند
(اغصان اربعہ مطبوعہ ص۱۲۱)

شاگردوں، عزیزوں اور دوستوں کو ناگوار ہے۔ بزرگوں کو چاہیے کہ چھوٹوں کو پڑھانے اور سمجھانے میں مؤدب رہنا سکھائیں، نہ کہ یہ صورت کہ چھوٹوں کو اپنے برابر کا سمجھ کر بات چیت کریں۔

ملا کمال الدینؒ "تلمیذ خاص" ملا نظام الدین سے لوگوں نے شاگردوں، عزیزوں اور دوستوں کے خیالات کی بڑی وضاحت سے ترجمانی کردی اور مدلل انداز سے ان کو اپنا رویہ بدلنے کا مشورہ بھی دیدیا لیکن ملا کمال الدین نے اس کا جو جواب دیا وہ بھی یادگار ہے:

جواب داد کہ اول ایں طفل صاحبزادۂ من است کہ من استفادۂ علوم بخدمت والدش کردہ ام آنچہ کہ من با او می کنم در مقابلۂ احسانات والدش قدرے ندارد

ملا کمال الدین نے جواب دیا۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ لڑکا میرا استاد زادہ ہے، اس کے والد ماجد کی خدمت میں میں نے یہ سب علوم حاصل کیے ہیں جو کچھ میں اس لڑکے کے ساتھ کر رہا ہوں وہ اس کے والد ماجد کے احسانات کے دیکھتے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

دوم آنکہ ایں طفل دریں عمر آنچہ بمحنت و مشقت خود حاصل کردہ است یقین می دانم کہ والدش را دریں سن حاصل نبود ہر چند در اواخر وقت علامۂ زمان بودہ است

دوسری بات یہ کہ اس عمر میں اپنی محنت اور مشقت سے اس لڑکے نے جو حاصل کر لیا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کے والد ماجد (ملا نظام الدین) نے جب وہ اس کی عمر کے تھے، حاصل نہ کیا ہوگا۔ اگرچہ آخر عمر میں وہ اپنے عہد کے بڑے عالم ہو گئے تھے۔

سیوم آنکہ دریں عرصۂ قلیل مطالعۂ

تیسری بات یہ کہ اس چھوٹی عمر میں اس

کتب قدماء نظر بر تصانیف متاخرین انچہ ایں	لڑکے نے متقدمین کی کتابوں اور متاخرین
کس را میسر گشت علماء در تمام عمر حاصل نمی شود	کی تصانیف پر جو عبور حاصل کیا ہے وہ دوسرے
(اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۲۲)	علماء کو تمام عمر حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اس کے آگے کی عبارت ہو سکتا ہے کہ ملا کمال الدین ہی کا "قول" ہو۔ سیاق کلام سے یہی اغلب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کا بھی یہی خیال ہے کہ ملا کمال الدین ہی کا یہ قول ہے مگر ممکن ہے کہ مصنف (ملا ولی اللہ فرنگی محلی) کا اخذ کردہ نتیجہ ہو۔ بہرحال:

ایں محض بتوجہ روح والدش کہ جامع علوم	اور یہ سب کچھ اس کے والد ماجد کی توجہ
ظاہر و باطن بود ولایتش بحد کمال رسیدہ او را	روحانی کا ثمرہ ہے، وہ علوم ظاہر و باطن کے
حاصل گشتہ دریں صورت بحسب ظاہر اگرچہ	جامع تھے اور ان کی ولایت حد کمال کو
صغر سن دارد لاکن در مقام بحث و تکرار رتبہ	پہنچی ہوئی تھی، ان حالات میں گو دیکھنے میں
علامہ صدر الدین شیرازی و محقق دوانی دارد	وہ ابھی کم سن ہے لیکن بحث و مناظرہ میں
(اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۲۳)	اس کا رتبہ علامہ صدر الدین شیرازی اور محقق دوانی کے برابر ہے۔

واقعہ کی اتنی تفصیل سے اصل غرض اس نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے کہ استاد کے حق کی حفاظت و نگہداشت من جملہ فرائض تلامذہ ہمیشہ رہا کی، اور ملا کمال الدین کے تلامذہ جو استاد زادے کی جرأت آمیز گفتگو پر اظہار ناگواری کرتے تھے وہ بھی استاد کے حق کی اہمیت سے بے خبر نہ تھے پھر بھی استاد زادے کے طرز گفتگو سے ان کو جو بدمزگی محسوس ہوئی تو ظاہر ہے کہ "حق استاد" کے حدود سے وہ متجاوز ہو گئی تھی، ملا کمال الدین کے جواب سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ملا نظام الدین کے ایسے استاد کا حق اور احسان عام اساتذہ کے حقوق و احسانات سے اتنا زیادہ اور خصوصی تھا کہ ان کے بیٹے کی گستاخانہ گفتگو کے مقابلے میں شاگرد کا نازبردارانہ انداز کچھ بھی معاوضہ نہیں دے رہا تھا۔

Marfat.com

مولوی محمد نافع بن مولوی عبدالعلی (بحرالعلوم)
بن ملا نظام الملۃ والدین (لکھنوی) قدس
سرہ سفارشے فرمودند وارشاد نمودند کہ ہم
چناں کہ حقوق والد شریف شما یعنی حافظ الملک
الشہید حافظ رحمت خاں بہادر رحمہ اللہ
سبحانہ بہ والد شریف ایشاں یعنی مولوی عبدالعلی
سلمہ اللہ بسیار اند ہم حقوقِ ایشاں ہم بر شما
بسیار اند بلکہ اقوی واعلیٰ ازاں چہ آنچہ از
شما بہ ایشاں رسیدہ از فوائد دنیاویہ است
وآنچہ از ایشاں بشما رسیدہ از فوائد دینیہ است
چہ سبب خدمات درسیہ وتعلیمات دینیہ
کہ از اساتذہ نسبت بشما واقع شد، آنچہ از
حسنات وخیرات وآنچہ برآں مترتب شود از
حق سبحانہ در جزاء آں بشما رسیدہ پس آں
از سبب ایشاں باشد وایں معنی اقوی واعلیٰ
باشد ازدے، اگرچہ از خدمات شما کہ دربارۂ
ایشاں واقع شد فوائد دینیہ وفوائد اخرویہ
نیز مندرج ست چہ ایں معنی سبب رفع
تشتت خواطر فضلا گردید تا مشغول بافادۂ
امور دینیہ بہ مردم گردیدند اما حقوقِ آخذ
بر معطی زیادہ تر از حقوق معطی بر آخذ ست

محبت خاں دامت ثمرتہ سے ملا نظام الدین
لکھنوی قدس سرہٗ کے پوتے مولوی محمد نافع
بن مولوی عبدالعلی (بحرالعلوم) کے بارے
میں سفارش کرتے ہوئے فرمایا۔ جس طرح
تمہارے والد ماجد حافظ الملک شہید حافظ
رحمت خاں رحمۃ اللہ علیہ کے حقوق ان کے
(مولوی محمد نافع کے) والد ماجد (ملا بحرالعلوم
سلمہ اللہ) پر بہت ہیں اسی طرح ان کے (بحرالعلوم
کے) حقوق بھی تم پر بہت ہیں، بلکہ اس سے
زیادہ اور بلند درجے کے حقوق ہیں، اس لیے
کہ ملا بحرالعلوم کو تم لوگوں کے ذریعہ جو فوائد
حاصل ہوئے وہ دنیاوی ہیں اور ان کے
ذریعہ تم سب کو جو فوائد حاصل ہوئے، وہ
دینی ہیں، یعنی وہ فوائد جو تدریس و دینی تعلیم
کے ذریعہ استاد سے تم کو پہنچے اور اس دینی
تعلیم سے جو اچھائیاں اور نیکیاں تم کو نصیب
ہوئیں اور ان نیکیوں اور اچھائیوں پر اللہ تعالیٰ
سے جو اجر و ثواب تم کو پہنچے گا وہ سب ان
ہی کے سبب سے (استاد کے سبب سے)
ہے، اس بناء پر استاد کے حقوق بلند درجہ
اور زیادہ قوی ہیں۔ بہ نسبت دنیاوی فوائد

Marfat.com

ملا بحر العلوم جب اپنی سابقہ لاپروائیوں پر متنبہ ہو کر آبائی شغل کی طرف متوجہ ہوئے تو یہی نہیں کہ ملا کمال الدین نے ان کے سن و سال کے لحاظ سے ان کی عظیم لیاقت کی داد دی بلکہ دوسرے مؤرخین بھی جنھوں نے ملا بحر العلوم کو دیکھا نہ تھا، صرف ان کا زمانہ پایا تھا، یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں:

درائے پدر بزرگوار خود شاگرد احدے ازیں جماعت نہ بود و در شرح مسلم بر مولوی حمد اللہ اعتراضہا دارد و کمال الدین را نیز بخاطر نمی آرد گویند کہ تبحرے کہ او داشت پدرش نیز نہ داشت

ہفت تماشا از مرزا قتیل مطبوعہ ۱۴۶

وہ اپنے والد ماجد کے سوا اس جماعت (مذکورہ گروہ علماء) میں سے کسی کے شاگرد نہ تھے انھوں نے شرح مسلم کے سلسلے میں مولوی حمد اللہ سندیلوی پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں۔ وہ ملا کمال الدین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، کہتے ہیں جو تبحر ان میں تھا وہ ان کے والد میں بھی نہ تھا۔

مولانا بحر العلوم اپنے والد ماجد سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس میں دو تین سال کے بعد مشغول ہوئے جبکہ ان کے نامور والد کا وصال ہو چکا تھا، تقریباً دس سال بعد تک والد ماجد کی مسندِ درس کو زینت بخشنے کے بعد وہ حافظ رحمت خاں روہیلہ سردار کے پاس شاہجہانپور چلے گئے، جہاں کم و بیش بیس سال تک تصنیف و تالیف و درس و تدریس میں مصروف رہے۔ شاہجہانپور میں ان کے تلامذہ کے حلقے میں فرزندان حافظ رحمت خاں شہید بھی تھے جن میں نواب محبت خاں محبت قابل ذکر ہیں جو دوسرے وجوہ سے تو تاریخی شخصیت بن چکے ہیں، لیکن ان کی علمیت اور بحر العلوم سے تلمذ پر مؤرخین کی خصوصی نظر نہیں پڑی، نواب محبت خاں کے پیرِ طریقت حضرت علی اکبر مودودی کے ملفوظ میں (جو ان کے خلیفہ حسن مودودی لکھنوی نے ترتیب دیا ہے اور جس کا نام لطائف اکبری ہے) ایک واقعہ درج ہے۔

دریں میاں بجامع علوم منقول و فنون معقول نواب محبت خاں بہادر دامت ثمرتہ دربارہٗ

خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ نے اثنائے گفتگو میں علوم منقول و فنون معقول کے جامع نواب

Marfat.com

(لطائف اکبری۔ مخطوطہ فرنگی محل)

کے، اگرچہ تم لوگوں کی طرف سے ملا بحر العلوم
کی جو خدمت ہوئی، اس کے تحت بھی فوائد
دینی اور اخروی آتے ہیں، کیونکہ امراء جو
خدمتیں علماء کی کرتے ہیں وہ علماء و فضلاء
کی پریشاں حالی رفع کرنے کا سبب ہوتے
ہیں اور (معاش کی فکر سے) یکسو ہونے کے
نتیجے میں یہ علماء دینی باتوں کو عامۃ الناس
میں پھیلانے میں منہمک ہو جاتے ہیں، پھر
بھی یہ حقیقت ہے کہ لینے والے کے حقوق
دینے والے پر اس سے زیادہ ہوتے ہیں جتنے
دینے والے کے حقوق لینے والے پر ہوتے ہیں۔

اس واقعہ سے نواب محبت خاں محبتؔ کے بارے میں جو محض اردو شاعر اور رئیس زادے کی حیثیت سے تاریخ میں مذکور ہیں، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ فارغ التحصیل عالم "جامع علوم منقول و فنون معقول" تھے اور ان کے استاد ملا نظام الدین فرنگی محلی کے نامور فرزند ملا بحر العلوم تھے۔

ملا بحر العلوم شاہجہاں پور میں غلغلۂ درس بلند کرنے کے بعد نواب فیض اللہ خاں کی استدعا پر ریاست رام پور تشریف لے گئے، جہاں چار برس تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، نواب رام پور بحر العلوم اور ان کے شاگردوں کے پوری طرح کفیل رہے۔ لیکن یہاں شاگردوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور ایسی کثرت ہوئی کہ اس وقت کی ریاست کے بجٹ پر ان سب کی کفالت بار بننے لگی، اور ریاست کی طرف سے محدود رقم مقرر ہونے کی بات آنے پر مولانا بحر العلوم دل برداشتہ ہوئے، اس کی اطلاع بوہار ضلع بردوان کے علم پرور رئیس منشی صدر الدین (میر منشی گورنر جنرل بہادر) کو ہوئی۔ انھوں نے درخواست کر کے اور انگریزی اثرات سے کام لے کر ریاست رامپور

کو مجبور کر دیا کہ وہ ملا بحر العلوم کو "مدرسۂ منشی صدر الدین" میں درس و تدریس کی رونق بڑھانے پر بہر قیمت آمادہ کر دے۔ مولانا بحر العلوم بوہار تشریف لے گئے۔ مدرسۂ منشی صدر الدین میں ملا بحر العلوم کے طلباء کا کس درجہ پاس و لحاظ کیا جاتا تھا، اس کے سلسلے کا ایک اشارہ لکھنؤ میں مدفون مشہور وجودی بزرگ صوفی شاہ عبد الرحمٰن (وفات ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۰ء) کے تذکرے میں ملتا ہے۔

صوفی صاحب کے تحصیل علم کے ذکر کے دوران مرقوم ہے:۔

بعدہٗ شہرتِ علم و تبحر مولانا عبد العلی محمد قدس سرہ شنیدہ عازم بنگالہ شد، در آں زماں مولانا ممدوح در قصبۂ بوہار متصل کلکتہ بمدرسہ منشی صدر الدین میر منشی کونسل رونق افزائے تدریس بودند۔ مولانا در ماہ صفر ۱۱۹۹ھ بخدمت بابرکت مولانائے عبد العلی محمد قدس سرہ رسیدہ یک سال قیام کردہ سلّم و حاشیہ قدیمہ و بیضاوی کہ باقی ماندہ بود بہ تکمیل رسانیدند۔ مولانا صاحب معظم الیہ خواست کہ بطور دیگر علماء رسم فراغ بعمل آرند، می فرمودند کہ من قبول نہ کردم بسبب آنکہ در مدرسہ مذکور ہر کہ دستار فراغ می بست او را یک خلعت و دو صد روپیہ نقد منشی صدر الدین مذکور می داد و تجویز ڈگری برائے فارغ التحصیل در سرکار انگریزی می نمود گفتم من تحصیل علم برائے خدا کردہ ام ارادہ طمع مال و خلعت

(مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد صوفی شاہ عبد الرحمٰنؒ نے) مولانا عبد العلی محمد (یعنی بحر العلوم) قدس سرہ کے علم و تبحر کا شہرہ سنا اور ان کی خدمت میں بنگالہ روانہ ہو گئے مولانا بحر العلوم اس زمانے میں کلکتہ کے قریب قصبۂ بوہار میں میر منشی کونسل منشی صدر الدینؒ کے مدرسہ میں درس و تدریس کی رونق بخش رہے تھے۔ صوفی صاحبؒ صفر ۱۱۹۹ھ (مطابق دسمبر ۱۷۸۴ء) میں مولانا عبد العلی محمد (بحر العلوم) قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور ایک سال قیام کر کے سلّم الثبوت (اصول فقہ) حاشیہ قدیمہ (کلام) اور بیضاوی (تفسیر) کا درس لیا، یہی آخری کتابیں صوفی صاحبؒ کی رہ گئی تھیں، ان کو پڑھ کر فارغ التحصیل ہو گئے۔ مولانا بحر العلوم نے چاہا کہ جس طرح دوسرے فارغ التحصیل

Marfat.com

است و نہ ہوسِ نوکری بس اسمِ فراغ چہ ضرور است۔

(انوار الرحمٰن مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۰۳ء ص۳۰)

طلباء کو فراغت کی سند ایک خاص اہتمام سے دی جاتی ہے۔ صوفی صاحبؒ کو بھی دی جائے۔ صوفی صاحبؒ کا بیان ہے کہ میں نے انکار کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ مدرسہ منشی صدر الدین سے جس کو بھی سند فراغت دی جاتی اور دستار بندی کی جاتی اس کو منشی صدر الدین ایک خلعت اور دو سو روپے نقد دیتے تھے نیز انگریزی سرکار میں اس فارغ التحصیل کو نوکر بھی کرا دیتے تھے میں نے کہا "میں نے اللہ کے لیے تحصیل علم کی ہے۔ مال اور خلعت کی لالچ میں یا نوکری کی ہوس میں نہیں کی ہے تو رسمی دستار بندی کی مجھے کیا حاجت رہ جاتی ہے۔

بہرحال اس شان و شوکت کے ساتھ مدرسہ منشی صدر الدین میر منشی گورنر جنرل میں ملا بحر العلوم درس و تدریس کرتے رہے، اور بالآخر وہاں تلامذہ کی کثرت اور دور دور سے طالبان علم کی آمد منشی صدر الدین کے ذرائع آمدنی کے لیے بھی وجہ آزمائش بن گئی، اس صورت حال کی شہرت ہوتے ہی نظام حیدر آباد، سلطان ٹیپو اور نواب ارکاٹ (مدراس) تینوں نے بیک وقت درخواستیں اور عرضداشتیں مولانا بحر العلوم کی خدمت میں قدم رنجہ فرمانے کی بھیجیں، مولانا نے نواب ارکاٹ کی عرضداشت کو شرف قبولیت اس لیے بخشا کہ وہ اصلاً قصبہ گوپامئو (ضلع ہردوئی، اودھ) کے رہنے والے تھے، اور ان کو حق جوار حاصل تھا، مولانا کے اس فیصلے پر نواب والاجاہ (آرکاٹ، مدراس) کو کتنی مسرت ہوئی اور ہم چشموں میں اپنے کو کتنا سربلند انھوں نے محسوس کیا، اس کا اندازہ اس انداز پذیرائی سے کیا

Marfat.com

جاسکتا ہے جو بحر العلوم کے وہاں پہنچنے پر نواب والاجاہ نے اختیار کیا۔

"مدراس پہنچے تو بیرون شہر کے علماء و اعیان دولت نے استقبال کیا، آپ (ملا بحر العلوم) پالکی پر سوار اور تمام اعیان دولت پا پیادہ ہمراہ، اس شان سے نواب کے دولت خانے پر پہنچے، نواب نے دروازے تک مع شاہزادوں کے استقبال کیا۔ آپ نے پالکی سے اترنے کا ارادہ فرمایا، نواب نے کسی طرح اترنے نہ دیا اور خود پالکی کو کاندھا دیکر صدر مقام تک لے گیا، مولانا کو صدر میں بٹھایا اور خود مؤدبانہ سامنے بیٹھا۔" (تذکرہ علمائے فرنگی محل" از مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی مطبوعہ صفحہ ۱۳۹)

یہ تو نواب کے اندازِ استقبال کی شان تھی، جو بیان ہوئی، اور بحر العلوم کی تشریف آوری کی شان کیا تھی، اس کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:۔

"فسافر الیہا مع ست مأۃ نفس من رجال العلم" یعنی بردوان ضلع کے قصبہ بوہار سے جب مولانا مدراس کے لیے آمادہ بہ سفر ہوئے تو اُن کے ساتھ طالبانِ علم کا ایک بڑا گروہ تھا، جس کے افراد کی تعداد چھ سو تھی، مولانا بحر العلوم مدراس پہنچے تو ان کے ہمراہ چھ سو طلبہ پر مشتمل پورا ایک جامعہ (یونیورسٹی) تھا۔ عالی ظرف نواب ارکاٹ نے جس شان انکسار سے بحر العلوم اور ان کے چھ سو تلامذہ کا خیر مقدم کیا، ویسی ہی عالی حوصلگی سے اس نے بحر العلوم کے لیے ایک الگ مدرسہ تعمیر کرایا بحر العلوم کے لیے گراں قدر مشاہرہ ان کے دامادوں ملا علاء الدین فرنگی محلی اور مولانا ازہار الحق فرنگی محلی کے لیے جداگانہ وظیفۂ تدریس اور جتنے طلبہ ہمراہ تھے سب کے لیے وظیفۂ تعلیم مقرر کر دیا۔

ایک جدید تصنیف "خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" کے مصنف افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری (مدراس یونیورسٹی) نے قدیم دستاویزوں، تاریخی تحریروں اور سرکاری ریکارڈوں سے نواب والاجاہ محمد علی والی ارکاٹ (کرناٹک) کی دعوت پر ملا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی کے مدراس پہنچنے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک اہم خط بھی نقل کیا ہے اور بحر العلوم کے مشاہرے کا بھی ذکر کیا ہے:۔

Marfat.com

"نواب محمد علی والاجاہ نے اپنے مدرسۂ کلاں کی صدر مدرسی کے لیے مولانا عبد العلی بحر العلوم کو دعوت بھیجی، وہ ۲۴ رذی حجہ ۱۲۰۵ھ کو بہار (بوہار ضلع بردوان) سے مدراس پہنچے، ان کے ساتھ ان کے فرزند مولوی عبد الرب اور مولوی امام بخش اور دوسرے بہت سے لوگ تھے مولانا کی تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر ہوئی۔ مدراس اور آس پاس کے طلبہ ان کی خدمت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے لگے، مولوی محمد غوث (مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر) نے بھی تبرکاً کچھ پڑھنے کا ارادہ کیا، مگر وہ کسی وجہ سے ان کی درسگاہ میں شریک ہونے پر متردد تھے، آخر انھوں نے اپنے دادا قاضی نظام الدین احمد صغیر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استخارہ کیا۔ اس رات خواب میں دیکھا، تو انھیں دلی مسرت ہوئی۔ وہ خود مولانا عبد العلی بحر العلوم سے مل کر اپنا خواب بیان کرنا چاہتے تھے لیکن حجاب دامنگیر ہوگیا۔ انھوں نے اپنے چچیرے چچا مولوی غلام عبد القادر، فرزند مولوی محمد صادق فرزند محمد عبد الرشید شہید کے نام حسب ذیل خط لکھا:-

قبلۂ من! الحمد للہ والمنۃ کہ بہ برکت درود اجازت دادۂ آنحضرت شب را بہ عجیب نعمت عظمیٰ فائز شدم تفصیلش اینکہ بعد نماز تہجد استخارۂ کہ از جد مرحوم بردار اللہ مضجعہ رسیدہ بود بعمل آوردم و نیت کردم کہ استفادہ از حضرت مولانا افاد اللہ علی من برکاتہ نماید یا نہ و مرا فیض ازیشان حاصل خواہد شد یا نہ، تا دیر خواب نیامد آخر نعاسی مستولی شد خود را در مجلس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یافتم و آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم را شبیہ بہ مولانا مدظلہ دیدم حضرت امیر المومنین

قبلۂ من! خدا کی حمد اور اس کا شکر ہے کہ آنحضرت کے اجازت دادہ درود کی برکت سے رات عجیب نعمت عظمیٰ سے فائز ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے تہجد کی نماز کے بعد اس طریقے سے استخارہ کیا جو کہ مجھ کو دادا مرحوم سے (خدا ان کی خواب گاہ کو ٹھنڈک سے بھر دے) ملا تھا، اور نیت یہ کی تھی کہ حضرت مولانا سے (مولانا عبد العلی بحر العلوم سے) (خدا انکی برکتوں سے مجھے فائدہ پہنچائے) استفادہ کرنا چاہیے یا نہیں، اور ان سے مجھے کوئی فیض حاصل ہوگا یا نہیں، دیر تک نیند نہیں آئی اور آخر جب

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ باشارۂ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرابۂ چرمی یعنی
ڈولچی پُر از آب زمزم آوردند وازدست خود
مرانوشانیدند، ہرچند در اثنائے نوشیدن
خواستم مَس کنم لیکن خود دست نہ کشیدند تا
آنکہ شکم من از آب تاگلو پُر شد دراں وقت
حدیث تضلّع بآب زمزم بیاد آمد و اشک
از چشمہا رواں شد بیدار گشتم درحالیکہ
اشک جاری بود و لذت آب زمزم در دہن
الحمدللہ علی ذالک وصلی اللہ علی نبینا وآلہٖ
واصحابہٖ وتابعیہٖ الی یوم الدین۔ خواستم
کہ خود رسیدہ التماس کنم لیکن چونکہ امیر باغ
جہت فاتحۂ امیر مرحوم رفتہ بودم تاب
آمدن آنجا نماند بجناب حضرت مولانا
رفتن وعرض ایں رویا بسیار ضرور لیکن
بہ سبب عدم ارتباط ظاہری محجوب می شوم،
لہٰذا بخدمت معروض است کہ بخدمت
مولوی وجیہ اللہ صاحب سراپا اشتیاق
ایں ماجرا ظاہر فرمودہ بہر عنوان کہ مناسب
دانند اجازت از نواب صاحب گرفتہ
امروز درینجا روانہ فرمایند یا آنحضرت

مجھ پر اونگھ غالب ہوگئی تو اپنے آپ کو جناب
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں
پایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مولانا مدظلہٗ
سے زیادہ مشابہ پا رہا تھا، حضرت امیرالمومنین
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ایک قرابۂ
چرمی یعنی ڈولچی زمزم کے پانی سے بھر کر لے
آئے۔ اور اپنے دستِ مبارک سے مجھے پلانا
شروع کیا، پینے کے درمیان میں ہرچند
اشارہ کرتا رہا کہ بس کریں، مگر انھوں نے اپنا
ہاتھ نہیں کھینچا، یہانتک کہ میرا پیٹ حلق
تک بھر آیا۔ اُس وقت آبِ زمزم کے بدولت
علم سے بھرپور ہونے کی حدیث یاد آئی، اور
میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اسی
حالت میں جبکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے
بیدار ہوا، زمزم کے پانی کی لذت ابھی تک
منھ میں تھی، الحمدللہ علیٰ ذالک وصلی اللہ
علیٰ نبینا وآلہٖ واصحابہٖ وتابعیہٖ الی یوم الدین۔
میں چاہتا تھا کہ خود ہی ہو کر عرض کروں،
لیکن چونکہ امیر مرحوم کی فاتحہ کے لیے امیر باغ
گیا ہوا تھا، اس لیے آنے کی سکت نہ رہی،

Marfat.com

تکلیف کشیدہ تشریف آرند و بندہ را فائز
جناب مولانا کنند چنداں قلق و اشتیاق
مستولی حال است کہ طلب فردا عین قیامت
است زیادہ چہ التماس نماید۔

حضرت مولانا کی خدمت میں پہونچکر اس خواب کا بیان کرنا ضروری ہے لیکن ظاہری ارتباط نہ ہونے کی بنا پر حجاب محسوس ہو رہا ہے، اسی لیے آنجناب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ مولانا وجیہ الدین سراپا اشتیاق سے یہ ماجرا بیان کر کے یا کسی اور صورت سے جس کو آپ مناسب سمجھتے ہوں نواب صاحب کی اجازت لے کر آج ہی مجھے مولانا کی خدمت میں لے چلیں، یا آپ خود تکلیف اٹھا کر یہاں تشریف لے آئیں اور مولانا کی خدمت میں لے جائیں' اتنا قلق اور اشتیاق مجھ پر غالب ہے کہ کل تک کے لیے انتظار کرنا عین قیامت ہو۔ اس سے زیادہ کیا عرض کیا جائے۔

اس خط پر لکھنے کی تاریخ نہیں ہے، مگر خط میں امیر مرحوم کی فاتحہ کا ذکر ہو، ان سے مراد نواب امیر الامراء مرحوم ہیں جو نواب محمد علی والاجاہ کے دوسرے فرزند تھے، اور جن کا ۲۴ر محرم ۱۲۰۳ھ کو انتقال ہوا تھا، چونکہ مولانا عبد العلی ۲۴ر ذی حجہ ۱۲۰۵ھ کو مدراس تشریف لائے تھے، اس لیے قیاس کہتا ہے کہ ۲۴ر محرم ۱۲۰۶ھ کا واقعہ ہے۔"

(خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" ص ۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱ مطبوعہ ۱۹۶۳ء)

نواب محمد علی والاجاہ کا انتقال ۱۲۱۰ھ (۱۳ر اکتوبر ۱۷۹۵ء) کو ہوا، اور اُن کے بڑے بیٹے عمدۃ الامراء جانشین ہوئے اور چھ سال تک حکمرانی کی، نواب عمدۃ الامراء کا ۱۲۱۶ھ میں انتقال ہوا، اور سلطان ٹیپو سے ساز باز کے الزام میں انگریزوں نے ولیعہد نواب تاج الامراء علی حسین خاں بہادر

Marfat.com

پر زور ڈالا کہ وہ حکومت سے دست بردار ہو جائیں اور گرانقدر وظیفے پر قناعت کریں، تاج الامراء کے انکار پر انگریزوں نے نواب والاجاہ کے مرحوم بیٹے امیر الامراء کے فرزند عبد العلی خاں کو گدی نشین کرنا چاہا، تو ملا بحر العلوم اور دوسرے علماء نے فتویٰ جاری کیا کہ نواب عمدۃ الامراء کے حقیقی وارث تاج الامراء کے ہوتے، کسی دوسرے کو گدی نشین کرنا شرعاً اور قانوناً ناجائز ہے۔ مگر انگریزوں نے زور وزبردستی کر کے عبد العلی خاں (فرزند نواب امیر الامراء مرحوم) کو گدی نشین کر ہی دیا، اختیارات لے لیے اور تنخواہ جاری کر دی، عبد العلی خاں نواب عظیم الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے اور مولوی محمد غوث ان کے دیوان اور وزیر اعظم مقرر ہوئے، اور شرف الملک کے لقب سے سرفراز ہوئے، ریاست کے ملازمین بے روزگار ہو گئے، جنھوں نے انگریزوں کے حکمراں ادارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو درخواستیں گزارنا شروع کیں، مولوی محمد غوث شرف الملک ان پر سفارشیں کرتے تھے، اکثر کی درخواستیں منظور ہو گئیں۔ یہ سب تفصیل خانوادۂ قاضی بدر الدولہ کے مصنف نے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

> "اس کے لیے ایک مستقل دفتر قائم ہوا، جس کا نام "کرناٹک اسٹے پنڈس پے ماسٹر آفس" تھا، اور یہ دفتر آج تک قائم ہے، یہ تمام اپیلیں اب تک اصلی صورت میں حاجی ابو احمد محمد عبد اللہ کے پاس موجود ہیں، اُن کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ملا بحر العلوم عبد العلی ہی ایک شخص تھے جنھوں نے انگریزوں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔" (ص ۱۵۷)

۱۲۱۶ھ سے لے کر ۱۳ رجب ۱۲۲۵ھ تک پورے دس سال تک ملا بحر العلوم اس کے بعد بقیدِ حیات رہے اور مدراس ہی میں قیام بھی رہا، لیکن انگریزوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا، حالانکہ ان کا مشاہرہ ایک ہزار روپیہ تھا، اور دو گاؤں بھی جاگیر میں عمدۃ الامراء کے وقت میں دیے گئے تھے۔

ملا بحر العلوم کی وفات کے بعد ان کے فرزند ملا عبد الرب، دوسرے مرحوم فرزند کے بیٹے ملا عبد الواحد اور داماد و جانشین ملک العلماء ملا علاء الدین بن ملا انوار الحق فرنگی محلی نے اپیلیں کیں اور ملا بحر العلوم کی تنخواہ کمپنی بہادر سے جاری ہو کر ورثا میں تقسیم ہونے لگیں۔

Marfat.com

مولوی محمد غوث شرف الملک نے خواب دیکھنے کے بعد ملا بحر العلوم سے استفادہ کیا اور بہت فیض اٹھایا، یہاں تک کہ بڑی شہرت کے عالم اور صاحبِ تصانیف ہوئے، عربی، فارسی میں ان کی علمی تصانیف آج بھی پائی جاتی ہیں، اور فارسی، اردو میں ان کی شاعری آج بھی قابلِ ذکر ہے۔

مولوی محمد غوث کی سب سے اہم تصنیف "نثر المرجان فی رسم نظم القرآن" سات جلدوں میں آج سے ساٹھ سال قبل حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے جس کے مقدمہ میں وہ اپنے استاد بحر العلوم کا جن شاندار الفاظ میں ذکر کرتے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہے:-

ان الاستاذ النحریر ملاذ الصغیر والکبیر راقی مراقی العلم والحکم حامی مراسم الحلم والکرم حاوی العلوم معقولا ومنقولا کافل الفہوم فروعاً واصولاً صاحب الذکر والتقویٰ صاحب الفکر والفتویٰ مولانا وموئلنا منبع الفیض الجاری ابا العیاش عبد العلی محمد بن نظام الملۃ والدین الانصاری متعہ اللہ بنعیم جناتہ ولا حرمنا من فیوضہ وبرکاتہ قد شافہنی یوما بلطیف مقالہ وحرضنی باوعظ اقوالہ علی انفاق الانفاس فی تصنیف

استاذ فاضل، چھوٹوں بڑوں کی پناہ گاہ، علم اور حکمت کے درجوں کو طے کر چکنے والے نیک نفس اور شرافت کے پشت پناہ، علوم معقول و منقول کے کامل، اصول و فروع کی خوب سمجھ رکھنے والے، ذکر و اذکار اور تقویٰ و پرہیزگاری کے حامل، غور و فکر اور فتوے نویسی میں صائب الرائے، ہمارے آقا اور مرجع امید، دریائے فیض کے سرچشمہ ابو العیاش عبد العلی محمد بن نظام الملۃ والدین انصاری نے (ان کے گلستان کے ثمرات سے اللہ تعالیٰ خلق کو متمتع کرے اور ان کے فیض سے ہمیں محروم نہ فرمائے) ایک دن مجھ سے اپنی پاکیزہ گفتگو میں فرمایا اور اپنے دلنشین جملوں سے مجھے آمادہ فرمایا کہ ایک کتاب کی تالیف میں اپنے اوقات

Marfat.com

كتاب ليكون تذكرة حسنة عند	صرف کردں تاکہ احباب کے لیے ایک اچھی
الاحباب فان الكتاب صدقة	یادگار رہ جائے، اس لیے کہ تصنیف ہمیشہ
جارية والى انظار الرجال سارية	رہنے والا کار خیر ہے اور لوگوں کی نگاہوں
فاشربت فى قلبى نصائح موعظته	میں رہنے والی چیز ہے، ان کی مخلصانہ
...... ولما كان امر الاستاذ احرى	تلقین میرے دل میں رچ بس گئی......
بالانقياد وقد عاضده ــــ	اور استاد کا حکم یوں بھی لائق تعمیل ہوتا ہو،
نجل الرئيس والاجاه الكبير المحان	پھر اس حکم کی تائید ...... نواب والاجاہ
ثابت جنگ بہادر عبد الغفار خاں	کے بیٹے محسن کبیر رئیس ثابت جنگ بہادر
فلم احد للعدول مناصاً۔	عبد الغفار خاں نے بھی کی۔ اس کے بعد
	میرے لیے سرتابی کی کوئی گنجائش نہیں رہی

(نثر المرجان)

شرف الملک مولوی محمد غوث مدراس کے نامور علمی خانوادے کے ممتاز فرد تھے، اور ان کے بڑے فرزند مولوی عبد الوہاب مدار الامراء نے بھی تبرکاً "میزان الصرف" (عربی صرف کی پہلی کتاب) ملا بحر العلوم عبد العلی سے پڑھی اور عربی کی انتہائی کتابیں ملک العلماء مولانا علاء الدین احمد فرنگی محلی سے پڑھیں، شرف الملک کے دوسرے فرزند قاضی صبغۃ اللہ بدر الدولہ نے بھی تبرکاً میزان الصرف ملا بحر العلوم سے پڑھی اور انتہائی کتابیں ملک العلماء ملا علاء الدین احمد فرنگی محلی سے پڑھیں، ملا علاء الدین احمد ملا بحر العلوم کے برادر عم زاد کے پوتے تھے، اور ملا بحر العلوم کے داماد اور شاگرد تھے اور مدراس میں ملا بحر العلوم کے جانشین ہوئے، ان کا انتقال مدراس ہی میں ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء میں ہوا۔

"خانوادۂ قاضی بدر الدولہ" کے مصنف نے ملا بحر العلوم اور اُن کے ہمراہی اعزہ و اقارب کے سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

"نواب محمد علی والاجاہ کا جب ۱۲۱۰ھ میں انتقال ہوا اور نواب عمدۃ الامراء بہادر

سریر آرائے سلطنت ہوئے تو انھوں نے ملا عبد العلی بحر العلوم کو ملک العلمار کا خطاب دیا اور نذر کی بہت بڑی تھالی اُن کے دامن میں ڈال دی۔ نواب عمدۃ الامراء نے ضلع چنگل پیٹھ میں چونور اور جعفرا پیٹھ کے دو قریے بطور جاگیر عنایت کیے تھے، جو نواب کی وفات ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء کے بعد ضبط ہو گئے تھے، ان کے بدلے ماہوار رقم مقرر کر دی گئی تھی، بحر العلوم نے انگریزوں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، اور رجب ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ کو بحر العلوم کا انتقال ہو گیا تو دو دن بعد ۱۵ رجب کو ان کے داماد مولوی علاء الدین احمد کو "ملک العلمار" کا خطاب دے کر مدرسہ کلاں کا صدر مدرس بنا دیا تھا، اس مدرسہ میں سلطان العلما مولوی عبد الرب (ابن بحر العلوم) اور قطب العلمار مولوی عبد الواحد بن مولوی عبد الاعلیٰ (ابن بحر العلوم) کے علاوہ اور کئی اساتذہ کام کرتے رہے تھے۔" (ص ۲۰۰)

ملک العلمار ملا علاء الدین احمد ہی مدراس میں آخر عمر تک مقیم رہے اور ملا بحر العلوم کی جانشینی کے فرائض انجام دیتے رہے، ان کے انتقال کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی مدراس میں آخر عمر تک قیام پذیر رہے، اور ردِ وہابیت کے معرکۂ عظیم میں جو وہاں تقویۃ الایمان (مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی) کے سلسلے میں ہوا تھا، بہت پیش پیش رہے، مولوی میر محمد علی واعظ رام پوری نے سید احمد شہید بریلویؒ، مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ اور اس گروہ کے دیگر علماء کے عقائد کی بہت ترویج کی تھی جس نے مدراس میں دو گروہ پیدا کر دیے تھے یہ قاضی بدر الدولہ کا زمانہ تھا، سخت نزاع پھیل گئی جس میں نواب ارکاٹ اور انگریزوں کو دخل دینا پڑا، ملا جمال الدین احمد (نواسہ ملا بحر العلوم) نے اس میں یہاں تک دلچسپی لی کہ میر محمد علی سے شفاعت پر مناظرہ کیا، اور ان کو مجبور کیا کہ وہ تقویۃ الایمان کی قابل اعتراض عبارتوں سے اپنی برأت ظاہر کریں، میر صاحب نے مسجد والاجاہی میں بعد نماز جمعہ برأت نامہ تحریری پیش کیا جو حاضرین کو سنایا گیا، مگر اس مجمل برأت نامہ سے ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی اور اُن کے ہم خیال مطمئن نہیں ہوئے، دوسرا برأت نامہ میر صاحب نے پیش کیا، ایک طرف

Marfat.com

برائت، دوسری طرف ایسی تقریریں جن سے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہ کی تعریف و توصیف نکلتی ہو میر صاحب کرتے رہے، آخر کار ملا جمال الدین احمد اور اُن کے ہم خیال علمار نے میر محمد علی واعظ رام پوری کے کفر کا فتویٰ دے دیا اور انھیں واجب القتل قرار دے دیا، قتل کا اختیار نواب ارکاٹ کو نہ تھا، اس لیے ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی نے ایک اور اشتہار تیار کر کے مسجد والاجاہی میں سنایا اور معاملہ اس حد تک پہونچ گیا کہ شہر مدراس کے چیف مجسٹریٹ نے میر صاحب کو بحفاظت تمام بذریعہ بحری جہاز مدراس سے کلکتہ روانہ کر دیا، ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی نے اس کے بعد میر صاحب کے ایک ایک مرید سے فرداً فرداً توبہ کرانا شروع کر دیا اور اصرار کیا کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں نہیں، مسجد والاجاہی میں عام لوگوں کے سامنے توبہ کریں، نواب محمد علی والاجاہ مرحوم کی ایک بیوہ بھی میر صاحب کے مریدوں میں تھیں، ان کو بھی مجبور کر کے توبہ کرائی گئی، ملا جمال الدین احمد کسی طرح ان کو مستثنیٰ کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔

نزہۃ الخواطر کے فاضل مؤلف علامہ سید عبدالحیٔ الحسنی رائے بریلوی نے ملا جمال الدین احمد کے ذکر میں لکھا ہے:

ثم رحل الی مدراس وولی التدریس فی المدرستہ الوالاجاھیۃ مقام والدہ و نال منزل ابیہ۔	(ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی نے لکھنؤ میں اپنے چچا ملا نور الحق سے تکمیل درس کیا) پھر مدراس چلے گئے، جہاں مدرسۂ والاجاہی میں مدرس ہوئے اور درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اور اپنے والد (ملک العلمار ملا علاء الدین احمد) کا رتبہ پایا اور اُن کے جانشین ہوئے۔

صاحب نزہتہ الخواطر کا خصوصی رجحان سید احمد شہید بریلویؒ کی تحریک کی طرف تھا جس کا اثر اُن کی غیر جانبدار تاریخ نویسی پر برابر رہا ہے، اسی لیے وہ ملا جمال الدین احمد پر آگے چل کر

Marfat.com

سخت معترض ہوتے ہیں:

وكان شديد الرغبة في المباحثة	بحث و مباحثہ کے بڑے ہی دلدادہ اور جو ان کے
شديد التعصب على من خالفه طويل	خلاف ہو اس سے سخت تعصب رکھتے تھے کافر
اللسان بالتكفير والتضليل.	اور گمراہ قرار دینے میں بڑے زبان دراز تھے.

مصنف نزہۃ الخواطر نے سخت الفاظ میں اعتراض جو کیا ہے تو اس کی وجہ بھی مخفی نہیں رہنے دی' اس کے فوراً ہی بعد لکھتے ہیں:-

كان يكفر الشيخ اسماعيل بن	وہ مولوی اسمٰعیل دہلویؒ کی ان کی کتاب تقویۃ
عبد الغني الدهلوي على ما نسب	الایمان کی بعض منسوب عبارتوں کی بنا پر تکفیر
اليه من عبارة في كتابه	کرتے تھے' اور ان عبارتوں سے لوگ حضرت
تقوية الايمان يستدلون	رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان
لها على اساءة ادبه في مقام	میں سوء ادب کا پہلو نکالتے تھے۔ خدا ہم
النبوة ــــ اعاذنا الله منها ــــ	سب کو ایسے سوء ادب سے بچائے۔ حق
والحق ان الشيخ ساحته بريئة	یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل اس قبیح حرکت سے
من هذا القبيح وقد افرط	بالکل بری تھے' جمال (یعنی ملا جمال الدینؒ
الجمال في ذالك فكان يكفر	فرنگی محلی) اس معاملے میں حد سے گزر گئے
من يستحسن تقوية الايمان	تھے' وہ اس شخص تک کی تکفیر کرتے تھے جو
فضلا عن مصنفه حتى نال منه	تقویۃ الایمان کو اچھی کتاب سمجھتا تھا' مصنف
السيد محمد على الواعظ احد اصحاب	تو ہے الگ' یہاں تک کہ سید محمد علی واعظ
سيدنا احمد بن عرفان الشهيد	کو جو سید احمد شہید بریلوی کے گروہ کے ایک فرد
البريلوى اذى كثيراً ببلدة	تھے' ان کے ہاتھوں سخت ایذائیں شہر
مدراس.	مدراس میں پہنچیں۔

یہ "سخت ایذائیں" وہی ہیں جن کی تفصیل "خانوادۂ قاضی بدرالدولہ" کے مصنف کے حوالے سے اوپر نقل ہو چکی ہے، مگر اس کی تنہا ذمہ داری ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی پر نہ تھی، قاضی بدرالدولہ اور دوسرے علماء بھی اس میں برابر کے شریک تھے، اس کے علاوہ تقویۃ الایمان پر یہ مباحثہ تنہا مدراس ہی تک محدود نہ تھا، پورے ہندوستان میں تقویۃ الایمان نے دو حریف گروہ پیدا کر دیئے تھے، اور دونوں اسی وقت سے متصادم بھی تھے، اول تو حد سے گزرنے کا گناہ اکیلے "جمال" (ملا جمال الدین احمد) نے نہیں کیا، ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس کتاب کے خلاف یہی سب کچھ کرنے والے موجود تھے، دوسرے ایک ہی فریق حد سے نہیں گزرا، دوسرا فریق بھی اس مباحثے کے دوران بلکہ اس کے تذکرے کے وقت بھی توازن قائم رکھنے پر قادر نہیں رہ سکا، یہی اس عہد کا مزاج تھا، اس سلسلے میں کسی ایک کو مورد الزام قرار دینا قرینِ انصاف نہیں ہے۔

بہر حال ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں ملا جمال الدین احمد فرنگی محلی کے انتقال کے بعد مدراس میں ملا بحر العلوم کی مسند تدریس ان کے گھرانے کے افراد سے خالی ہو گئی، لیکن ملا بحر العلوم کے ذریعہ بانیِ درس نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی کا دریائے فیض جو رواں ہوا تھا وہ جنوبی ہند میں شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ذریعہ پھیلتا رہا۔

ملا نظام الدین کے دریائے فیض سے جو چشمے پھوٹے ان میں سے ایک بحر زخار بن کر شاہجہانپور، رامپور اور بردوان تک شمال مغرب اور مشرق میں پھیلنے کے بعد دکن تک وسیع ہو گیا یہی وہ چشمہ تھا جسے آج تک بحر العلوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دکن میں دینی علوم کے استاد اول یہی ملا بحر العلوم ہوئے، جن کی جانشینی ان کے داماد ملا علاء الدین (حفید ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی) نے کی، ان کے بعد ان کے بیٹے ملا جمال الدین بن ملا علاء الدین فرنگی محلی نے درس تدریس وعظ و افتاء و مناظرہ وغیرہ میں خاصا بلند درجہ مدراس میں حاصل کیا، یہ تینوں فرنگی محلی بزرگ مدراس ہی میں مدفون ہیں، اور ان کی علمی سرگرمیوں کی تاریخ نیز انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے تحت ریاست ارکاٹ کے حقوق میں دخل اندازیوں کے خلاف عوامی بیزاری کے

Marfat.com

سلسلے میں ملا جمال الدین اور اُن کے والد اور نانا (بحر العلوم) کے برملا اقدامات کے تذکرے ریاست مدراس کے سرکاری کاغذات اور اس زمانے کے بعض مخطوطات میں محفوظ ہیں۔[1]

ملا احمد حسین فرنگی محلی ملا نظام الدین کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کے بیٹے ملا احمد حسین ان نامور تلامذۂ ملا نظام الدین میں تھے جنھوں نے ملا نظام الدین کے سامنے درس دینا شروع کر دیا تھا اور اُن کے بعد فرنگی محل میں ان کی مسندِ درس کی رونق گھٹنے نہیں دی تھی، ملا صاحب نے ان کو متبنیٰ بھی بنایا تھا، سوائے درس و تدریس ان کی زندگی کا اور کوئی مشغلہ نہ تھا، مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کے الفاظ میں :-

کان من اکابر العلماء واعاظم الاذکیاء ولم یزل مشتغلا بالافادة واشاعة مراسم الدین الی ان توفی.

بڑے علما اور زبردست دانشوروں میں تھے، ساری زندگی درس و تدریس اور شعارِ دین کی ترویج میں گزار دی۔

(خیر العمل (قلمی) منقول از آثار الاول من علمائے فرنگی محل لمولانا عبد الباری فرنگی محلی)

لیکن ملا احمد حسین زیادہ مشہور نہ ہو سکے، اس کی وجہ مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کی قلمی یادداشت میں اُن کے دیکھنے والوں کی زبانی اس طرح منقول ہوئی ہے :-

زبانی مولوی نعیم اللہ صاحب بسماعت رسید کہ مولوی محمد مبین تلمیذ ایشان بودند و بسیار مدح و ثنا می فرمودند و می گفتند کہ در تبحر علمی زیادہ از مولوی محمد حسن مرحوم بودند لیکن بہ باعث بے تصنیفی دریں وقت

مولوی نعیم اللہ فرنگی محلی (برادر زادہ و شاگرد ملا مبین فرنگی محلی) کی زبانی میں نے سنا ہے کہ ملا محمد مبین فرنگی محلی ملا احمد حسین کے شاگرد تھے (ملا حسن فرنگی محلی کے شاگرد تو تھے ہی) اور اُن کی بے حد تعریف و توصیف

---

[1] ملا بحر العلوم بن ملا نظام الدین فرنگی محلی کا مزید تذکرہ "اولاد ملا صاحب" کے باب میں ہے۔

Marfat.com

شہرتِ آفاقی نمی دارند، در زمانِ حیات خود بسیار نامور بودند، چنانچہ تفضل حسینؒ خاں صاحب ہم تلمیذ ایشاں بودند و ہم چناں بسیارے از اکابر آں وقت خود را در سلکِ تلمذ ایشاں درج بودند و ہم بسماعت گو رسیدہ کہ مولوی حبیب اللہ ہم تلمیذ ایشاں بودند چنانچہ در مرض الموت از بلدۂ فیض آباد

کیا کرتے تھے، کہتے تھے کہ جہاں تک تبحر علمی کا تعلق ہے ملا احمد حسن میں ملا محمد حسن (ملا حسن) سے زیادہ تھا، لیکن چوں کہ ملا احمد سیوی کی کوئی تصنیف نہیں ہے اس لیے اس زمانے میں وہ عالمگیر شہرت نہیں رکھتے، اپنے زمانے میں وہ بہت مشہور تھے۔ چنانچہ تفضل حسین خاں صاحب (علامہ

لے علامہ تفضل حسین خاں (شاگرد ملا احمد حسین فرنگی محلی و ملا حسن فرنگی محلی) حکومت اودھ کے ایک نامور رکن تھے اور غالباً پہلے آدمی ہیں جو "علامہ" کے نام سے اودھ میں یاد کیے جاتے ہیں، بڑے عالم، منطقی، فلسفی، منجم اور مغربی زبانوں کے جاننے والے اور حکومت انگریزی میں معزز تھے۔ یہی وہ علامہ تفضل حسین ہیں جن کے ایک شاگرد کی روزمرہ کی گفتگو کو دریائے لطافت میں نقل کر کے انشاء نے دلچسپی کا سامان فراہم کیا ہے۔ علامہ کے ایک شاگرد کو ایک شخص بادام سنگھ کے دہقانی اور ان پڑھ خادم سے اس طرح بات چیت کرتے انشاء نے دکھایا ہے:۔

"اس رئیس الاشقیاء بادام سنگھ نے خود کو کیا قرار دیا ہے کہ رؤس دعظارفہ سے دم تسادی مارتا ہے اور عواقبِ امور سے بے اندیشہ محض ہو کر طوالت تقاریہ سے صماخ سامعین پریشان کرتا ہے، زمانے کا احوال علی انحاءِ شتی ہے، یہ بات عقل سلیم اور ذہن مستقیم کے نزدیک استحسان نہیں رکھتی ہے، غایۃ مانی الباب یہ کہ سفہائے دہاقین کے اذہان قاصرہ میں مرتسم ہو کے یہ شخص اپنے اکفاء و اماثل واقران میں بڑا طلیق و ذلیق بودعی المعی لا ایکل لسانہ فی الکلام ہے۔ لو فرض و سلم کہ کوئی اس کے مزخرفات پر افراط اخلاق ہمے مراد نہ ہو تو بھی اس کی مساوات ان اشخاصِ منیع القدر کے ساتھ مامون کے زاد بیتین کی طرح ساقین کی تسادی کے سبب ثابت نہ ہوگی۔"

Marfat.com

همراه شان بودند، مولوی صاحب ایشان وصیت
کرده بودند که درجانب شرق مزار عم مکرم
مولوی نظام الدین محمد قدس سره بالا اتصال
مرا دفن خواهند نمود چنانچه مولوی حبیب اللہ
مرحوم شب عاشورہ باعانت ....
دنبودن ..... بہ باعث ایام محرم الحرام
..... دفن نمودند [1]

تفضل حسین خاں استاد نواب سعادت علیخاں
وزیر الممالک) بھی ملا احمد حسین کے شاگرد تھے،
(علامہ تفضل حسین ملا حسن فرنگی محلی کے
بھی شاگرد تھے) اور ان کے زمانے کے بہت
سے بڑے بڑے لوگ ملا احمد حسین کے سلسلۂ
تلمذ میں داخل تھے، یہ بھی ان سے (مولوی
نعیم اللہ سے) سنا ہے کہ مولوی حبیب اللہ
(ان کے والد) بھی ملا احمد حسین کے شاگرد تھے
اور ملا احمد حسین فرنگی محلی جب فیض آباد سے
(جو اس زمانے میں اودھ کی راجدھانی تھا)
واپس آنے میں مرض الموت میں مبتلا ہو
گئے تو انھوں نے اپنے شاگرد اور برادر
عم زاد کے پوتے (مولوی حبیب اللہ)
کو وصیت کی کہ عم محترم ملا نظام الدین
محمد قدس سرہ کے مزار کے مشرق میں بالکل
ان کے برابر مجھے دفن کرنا، چنانچہ مولوی ...
حبیب اللہ نے عشرۂ محرم کی رات کو مدد
سے ... باوجود یکہ ... نہ تھے، کیونکہ محرم
کے ایام تھے وہیں دفن کیا۔

---

[1] بعین قلمی تحریر کے الفاظ بالکل پڑھے نہ جا سکے اور کچھ مشکوک نظر آئے اسلیے غیر واضح الفاظ کی جگہ نقطے بنا دیے گئے ہیں۔

Marfat.com

مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (شمس العلماء) جن کی وفات ۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء میں ہوئی، احوالِ رجال میں بڑے محقق گزرے ہیں۔ وہ اپنے جدِ امجد ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی (وفات ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء) کے سوانح، ان کے تلامذہ کے حالات اور تلامذہ کے سلسلۂ درس کی تفصیل اصلی ماخذوں اور ایسے لوگوں سے جو براہِ راست واقفیت رکھتے تھے، قلم بند کرا کے اکٹھا کر رہے تھے۔ فرنگی محل کے سن رسیدہ حضرات میں انھیں ایسے لوگ تو بے شک نہیں ملے، جنھوں نے ملا صاحب کا زمانہ پایا ہو، لیکن ملا صاحب کے تلامذہ اور ان کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والے اُس وقت موجود تھے۔ جب مولانا محمد نعیم نے ملا صاحب کے احوال کی تدوین کی طرف توجہ کی تھی، اس سلسلے میں اُن کی تحقیقات خالص مورخانہ انداز کی اور بے کم و کاست ہیں۔ ان ہی مورخانہ تحقیقات میں اُن کا یہ انکشاف بھی ہے، کہ علامہ تفضل حسین خاں (وزیر الملک نواب سعادت علی خاں والی اودھ کے اتالیق پھر نائب المملکت) در اصل ملا احمد حسین ابن ملا محمد رضا فرنگی محلی (شاگرد رشید ملا نظام الدین فرنگی محلی) کے شاگرد تھے، عام طور پر یہی ملتا ہے کہ علامہ تفضل حسین کو ملا حسن فرنگی محلی سے تلمذ تھا۔ ملا حسن سے بھی تھا، اور چونکہ ملا حسن بحیثیت مصنف کافی مشہور رہیں، اور ملا احمد حسین بن ملا محمد رضا فرنگی محلی "بسبب بے تصنیفی" کے شہرۂ آفاق نہ ہو سکے، اس لیے تذکرہ نگاروں نے علامہ تفضل حسین خاں کے اساتذہ میں ملا احمد حسین فرنگی محلی کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔

غفران مآب | علامہ تفضل حسین خاں کے ذکر کے ساتھ ہی، جو ملا نظام الدین فرنگی محلی کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی کا ذکر بھی مناسب ہوگا، جن کو دو واسطوں سے ملا نظام الدین سے تلمذ تھا۔ مولانا سید دلدار علی جو غفران مآب کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، اور جن کا خاندان "خاندان اجتہاد" کہلاتا ہے، مولانا حیدر علی سندیلوی کے شاگرد تھے، جو اپنے والد ملا حمد اللہ سندیلوی کے شاگرد تھے، اور ملا باب اللہ جونپوری سے بھی کچھ کتابیں پڑھی تھیں (جیسا کہ نزہۃ الخواطر کا بیان ہے)، مولانا حیدر علی سندیلوی کو ملا باب اللہ جونپوری سے بھی تلمذ تھا۔

اور ملا حمد اللہ ملا کمال الدین سہالوی (شاگرد خاص

Marfat.com

وھو الذی اشار الی الوزیران یقیمہ الجماعۃ للصلوٰۃ۔
(ص ۳۲۹۔ جلد ۴)

میں حاضری بھی دیتے تھے، اور اُن کے ارشادات کی تعمیل کرتے تھے۔ ان ہی خواجہ صاحب نے (شیعوں کی) نماز باجماعت کے سلسلے میں مشورہ دیا تھا۔

ملا نظام الدین فرنگی محلی کے تلامذہ اور بالواسطہ شاگردوں کی طویل فہرست کا احاطہ بلا شبہ ناممکن ہے، لیکن ملا صاحب کے درس کی مقبولیت اور اس کی عام (طرف) رجحان کا اندازہ کرنے کے لیے تلامذہ اور تلامذہ کے شاگردوں کی کچھ نہ کچھ تفصیل ضرور، مددگار ہوسکتی ہے، اس لیے دائرے کو محدود کرتے ہوئے ملا صاحب کے ان اجلہ تلامذہ کا ذکر کافی ہوگا، جو خاندان فرنگی محل سے تھے، جن میں ملا کمال الدین سہالوی بھی شامل ہیں، جو اگرچہ فرنگی محلی نہ تھے، مگر ملا نظام الدین فرنگی محلی کے نبی علم اور رسم جد تھے۔

ملا کمال الدین (وفات ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء) کا ذکر قدرے تفصیل سے آغاز میں اس لیے بھی کیا گیا کہ تذکروں میں عام طور پر اُن کے تلامذہ کے ذکر کے ساتھ استاد سے شرف تلمذ کا حوالہ مل جاتا ہے، اور حق بھی یہ ہے کہ ملا نظام الدین کی وفات کے بعد ان کے درس کا اصلی ذمہ ملا کمال الدین ہی نے اپنے سر لے لیا تھا، اور پوری تن دہی سے اپنے استاد کی خالی جگہ کو پُر کرنے کی کوشش کرتے رہے، ملا کمال ہی کے زیر تربیت رہ کر ان کے استاد زادے ملا عبد العلی اس درجہ کو پہونچے کہ بحر العلوم کے نام سے یاد کیے جانے لگے، اور ان ہی ملا کمال نے اپنے بھانجے ملا حسن فرنگی محلی اور ملا محمد ولی فرنگی محلی کو استاد بلکہ استاذ الاساتذہ بنایا، اگرچہ ان کے یہ دونوں بھانجے اپنے جد (جد کے حقیقی بھائی) ملا نظام الدین سے علوم حاصل کرچکے تھے، مگر تکمیل نہیں کرپائے تھے۔

ملا کمال الدین سہالوی (ثم فتحپوری) کی مسند درس فتح پور میں تھی، اور وہیں سے بیٹھ کر وہ اس خلا کو پُر کررہے تھے، جو اُن کے نامور استاد کی وفات سے فرنگی محل میں پیدا ہوگیا

Marfat.com

تھا، اگرچہ فرنگی محل میں بھی ملا نظام الدین کے بلا واسطہ شاگردوں کے درس کی مسندیں بچھی ہوئی تھیں، جیسے ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی (وفات ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) ملا احمد حسین فرنگی محلی (وفات بارھویں صدی ہجری کے آخر میں) اور ملا محمد یعقوب فرنگی محلی وغیرہ ان سب کے یہاں بھی طلبا خاصی تعداد میں آتے تھے، جن میں سے بعض خاصے نامور بھی ہوئے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "جائے استاد خالی است" کا احساس فرنگی محل کی فضا میں پوری طرح موجود تھا، اور جب ملا کمال الدین سہالوی کی نگاہِ تربیت سے سنور کر ملا عبد العلی (بحر العلوم)، ملا حسن اور ملا ولی درس و تدریس کی طرف آئے تو فرنگی محل میں پھر استاذ الہند ملا نظام الدین کا دور تازہ ہوگیا، اور سب سے زیادہ شہرت ملا عبد العلی بن ملا نظام الدین کو حاصل ہوئی، مگر وہ دس برس سے زیادہ فرنگی محل میں ٹھہر نہ سکے، اور شیعہ سنی قضیہ کے نتیجہ میں انھیں ترکِ وطن کرنا پڑا، شاہجہاں پور گئے، جہاں کم و بیش بیس[2] برس درس و تدریس کا غلغلہ بلند کیا، حافظ رحمت خاں والی ملک روہیل کھنڈ کی شہادت کے بعد رامپور اس کے بعد بوہار (ضلع بردوان) گئے، ان دونوں مقامات پر ان کے قیام کی مجموعی مدت دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ ۱۲۰۵ھ میں بحر العلوم مدراس پہونچ چکے تھے، جہاں بیس برس تک نشر علوم و عرفان کرنے کے بعد ۱۲۲۵ھ میں ان کا وصال ہوگیا۔

بحر العلوم کے ترکِ وطن کے بعد فرنگی محل میں ملا حسن کی محفل درس استاذ الہند

ملا حسن فرنگی محلی کی یادگار بن گئی، اور ان کے بھائی ملا محمد ولی فرنگی محلی اور چچا ملا احمد حسین فرنگی محلی کی درس گاہ بھی، جو اسی فرنگی محل میں تھی، طالبانِ علم کے لیے کشش رکھتی تھی، لیکن ملا حسن فرنگی محلی، ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی کے بیان کے مطابق:-

بعد مہاجرت مولانائے کامل سوائے ملانذکورد دیگرے نہ بود کہ ریاست علمی اختیار کند، ایشاں اختیار کردند و مرجع خدام و معتقدین ایں خاندان شدند۔

مولانائے کامل (ملا عبد العلی بحر العلوم) کے ترکِ وطن فرمانے کے بعد سوائے ملا حسن کے فرنگی محل میں کوئی دوسرا نہ تھا جو علمی سرداری اختیار کرتا، انھوں نے علمی

(رسالہ قطبیہ مخطوطہ صـ۳۴)

سرداری قبول کی، اور خاندان فرنگی محل کے معتقدین اور خدام کے مرجع بن گئے۔

ملا عبدالاعلیٰ اس کے آگے لکھتے ہیں:۔

قریب بست سال بدرس مشغول ماندند و بسیار اعتبار پیدا کردند، چنانچہ مردان ایشاں را جانشین مولانا عارف می دانستند دستخط بر استفتاء ای کنانیدند، چنانچہ از مولانائے عارف می کنانیدند، و بعد انتقالش از مولانائے کامل می کنانیدند۔

(رسالہ قطبیہ مخطوطہ صـ۳۵)

بیس سال کے قریب ملا حسن فرنگی محل میں درس دیتے رہے، اور بڑا احترام ان کا کیا جانے لگا، چنانچہ لوگ ان کو مولانائے عارف (استاذ الہند ملا نظام الدین) کا جانشین سمجھنے لگے تھے، اور استفتوں پر اسی طرح ان سے جواب لکھواتے تھے جیسا کہ ملا نظام الدین سے لکھواتے تھے اور ملا نظام الدین کے انتقال کے بعد مولانائے کامل (ملا عبدالعلی بحر العلوم) سے لکھوایا کرتے تھے۔

پھر ملا حسن کو بھی اسی طرح کے شیعہ سنی قضیہ سے سابقہ پڑا جیسا کہ بحر العلوم کو پڑا تھا، یہ شجاع الدولہ وزیر الممالک کا زمانہ تھا جس کی راجدھانی فیض آباد تھی، علمائے فرنگی محل کے ساتھ ملا حسن ایک وفد لے کر شجاع الدولہ کے پاس فیض آباد گئے، کہ لکھنؤ کے حکام شیعہ سنی قضیہ بھڑکاتے، اور خوں ریزی کراتے ہیں، اس وفد نے خیر اللہ حسینی اور محمد عطا حسینی کے خون ناحق کی بھی فریاد کی، یہ دونوں طلبا شیعہ سنی قضیہ میں شہید ہو گئے تھے، مگر فیض آباد میں کوئی دادرسی شجاع الدولہ کے عمال نے نہیں کی، ملا عبدالاعلیٰ اس سلسلے میں ارکانِ وفد کی باہمی نااتفاقی کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

وفد کی ناکامی کے بعد ملا حسن بھی لکھنؤ واپس آنے کے بجائے فیض آباد سے اسی راہ پر چل پڑے جو اس سے قبل ان ہی حالات میں بحر العلوم نے اختیار کی تھی، اور حافظ رحمت خاں کے

Marfat.com

پاس شاہجہاں پور پہونچ گئے، اور شاہ مدن (شاہ شرف الدین قادری جیلانی شاگرد ملا کمال الدین سہالوی) کے یہاں قیام کیا، اس وقت بحر العلوم بھی وہاں موجود تھے۔

چوں حافظ رحمت خاں متوجہ بر جہاد مرہٹہ بود و آنہا غلبہ بسیار کردہ بودند خدمت ملا کردن نتوانست ضابطہ خاں ابن نجیب الدولہ ملا را بملک خود طلب نمود آنجا تشریف بردند، اعزاز کلی، نمود چوں خان مذکور از کفار مرہٹہ ہزیمت خورد برفاقت شاہ عالم ماندند چوں خان مذکور بر ملک خود قائم شد باز ملا را طلبیدہ با عزاز تمام در ملک خود داشت چوں دراں ملک ہمیشہ ہنگامۂ کفار و بغاوت بود برخاستہ در مصطفےٰ آباد تشریف آوردند چند سال درس دادہ فوت کردند،

رسالہ قطبیہ مخطوطہ ص ۳۶

اس وقت چونکہ حافظ رحمت خاں مرہٹوں سے لڑائی کی تیاری میں مصروف تھے، جو بے پناہ یورش کر رہے تھے، اس لیے ملا حسن کی خدمت بجا نہ لا سکے نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خاں نے ملا حسن کو اپنے یہاں دارانگر (نزد امروہہ نجیب آباد) بلالیا، اور تشریف آوری پر بڑی توقیر کی، اور جب ضابطہ خاں کو مرہٹوں کے مقابلہ میں ہزیمت ہوگئی (اور ریاست ہاتھ سے نکل گئی) تو ملا حسن شاہ عالم (بادشاہ دہلی) کی رفاقت میں شاہجہان آباد میں رہنے لگے۔ جب ضابطہ خاں پھر اپنی ملکیت پر قابض ہوا تو اس نے ملا حسن کو دہلی سے بلوا لیا، اور پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اپنے ساتھ رکھا، لیکن چونکہ اس کی مملکت میں مرہٹوں اور فسادیوں کی طرف سے ہمیشہ گڑبڑ ہی رہتی تھی، اس لیے ملا حسن وہاں سے رامپور آگئے اور چند سال درس

Marfat.com

وتدریس میں گزار کر وفات پا گئے۔

ملا حسن کی وفات رامپور ہی میں ہوئی، اور وہیں ان کی تدفین عمل میں آئی، خاندانی تحریروں میں ملا حسن کی وفات کا سال مذکور نہیں ہے۔ قدرت اللہ شوق رام پوری نے جو تذکرۂ شعراء موسوم بہ طبقات الشعراء کے مصنف ہیں، اپنی دوسری تصنیف "تاریخ جام جہاں نما" (قلمی) میں جو رضا لائبریری (رامپور) میں محفوظ ہے، ملا حسن کی وفات کا سال ۱۱۹۹ھ لکھا ہے، قدرت اللہ شوق ملا حسن فرنگی محلی کے "ہم اُستاد" مولوی غلام طیب بہاری کے شاگرد تھے، ملا حسن اور مولوی بہاری دونوں نے مطولات ملا کمال الدین سہالوی سے پڑھی تھیں

رسالہ قطبیہ کے مصنف ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی ملا حسن کے داماد تھے، ان کا بیان ملا حسن کے سلسلے میں بلاشبہ مستند ترین بیان ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دارانگر (واقع ضلع بجنور) کے مدرسے میں ملا حسن نجیب الدولہ کے زمانے میں نہیں گئے تھے (جن کا انتقال ۱۱۸۴ھ میں ہوا) بلکہ ان کے بعد اُن کے بیٹے ضابطہ خاں کی دعوت پر گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب... حافظ رحمت خاں والی روہیل کھنڈ بقید حیات تھے، حافظ رحمت خاں کی شہادت ۱۱۸۸ھ میں ہوئی اس طرح ملا حسن کے فرنگی محل سے جانے کا زمانہ قریب قریب متعین ہو جاتا ہے، اور وہ ۱۱۸۴ھ اور ۱۱۸۸ھ کے درمیان کا ہے،

رسالہ قطبیہ کی تفصیل سے شیخ رضی الدین محمود انصاری (اغصان الانساب کے مصنف) کے اس بیان کی تردید ہو جاتی ہے کہ نجیب الدولہ نے ملا حسن کو اپنے مدرسے میں مدرس کی حیثیت سے مامور کیا تھا، جیسا کہ ملا کمال الدین کے ذکر میں اوپر گزرا۔

ملا حسن کے فرنگی محل سے چلے جانے کے بعد ملا نظام الدین کی مسندِ درس ایک بار پھر سونی سونی نظر آنے لگی تھی، اگرچہ اس وقت بھی فرنگی محل میں تلامذۂ ملا نظام الدین کی درس گاہیں تھیں، ملا احمد حسین بن ملا محمد رضا ہی کی ایک درس گاہ تھی وہ شروع سے آخر تک اپنے نامور چچا ملا نظام الدین سے پڑھ چکے تھے اور مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کے بیان کے مطابق آخر عمر تک درس دیتے رہے

Marfat.com

تھے (ان ہی کے ایک شاگرد علامہ تفضل حسین گزرے ہیں) ملا نظام الدین کے ایک دوسرے شاگرد ملا محمد یعقوب ابن ملا عبد العزیز بھی فرنگی محل ہی میں درس دے رہے تھے، بلکہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کی تصریح کے مطابق مولانا محمد یعقوب:۔

"تحصیل علوم حضرت استاذ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور ملا حسن سے کر کے فارغ التحصیل ہوئے ..... استاذ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں آپ (ملا محمد یعقوب) کی تدریس کی شہرت ہو گئی تھی، آپ کی دیانت اور تقویٰ پر عوام و خواص سب کو بھروسہ تھا، یہاں تک کہ سرکار اودھ کی جانب سے آپ کو عہدۂ افتا سپرد ہوا، جس کو آخر عمر تک آپ نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے، حکام کو آپ کے فتووں پر بہت زیادہ اعتبار و اعتماد تھا۔"

(تذکرۂ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص۲۰۵)

یہاں مولانا عنایت اللہ مصنف تذکرۂ علمائے فرنگی محل نے اغصان اربعہ کی تفصیل کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ملا محمد ولی اور خود ملا حسن کے چھوٹے بھائی ملا محمد ولی (بن ملا غلام محمد مصطفےٰ) بھی فرنگی محل ہی میں درس و تدریس جاری کیے ہوئے تھے، انھوں نے بھی استاذ الہند ملا نظام الدین سے اور ملا کمال الدین سہالوی (اپنے ماموں) سے پڑھا تھا، وہ مدرس بھی تھے، مصنف بھی، انکی ایک تصنیف شرح سلّم ہے۔ جو مخطوطہ کی شکل میں بیشتر علمی ذخیروں میں پائی جاتی ہے، اس شرح کے بارے میں مولوی فضل امام خیرآبادی کا بیان ہے کہ

شرح خوب ست، گویند کہ آں شرح بنظر ملا نظام الدین درآمدہ و ملا اصلاح دراں فرمودہ است،	بہترین شرح ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ یہ شرح ملا نظام الدین کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے، اور ملا صاحب نے اس میں اصلاح بھی فرمائی ہے۔
(آمد نامہ مخطوطۂ فرنگی محل)	

یہی ملا ولی فرنگی محلی ہیں، جو خیرآبادی سلسلۂ تلمذ کے نامور استاد مولوی سید عبد الواجد

خیرآبادی استاد مولوی فضل امام خیرآبادی کے استاد ہیں، ملا ولی کے تلامذہ میں اور بھی بڑے نامور لوگ ہیں، جن میں سے ایک سید انشاء اللہ خاں مشہور شاعر بھی ہیں، خود ملا ولی کے تینوں صاحبزادے مولوی عزیز اللہ، مفتی ظہور اللہ اور مولوی نور اللہ بھی اپنے والد ماجد ہی کے شاگرد تھے، مفتی ظہور اللہ کثرت تلامذہ اور مفید ترین درسی تصانیف کی بناء پر بڑی شہرت رکھتے ہیں، سرکار اودھ میں عہدۂ افتاء پر مامور ہونے کے باوجود درس وتدریس میں غیر معمولی انہماک رکھتے تھے، وقائع قادر خانی کے مؤلف مولوی عبد القادر رامپوری ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۴ء میں گشت کرتے ہوئے لکھنؤ آئے، تو فرنگی محل میں مفتی ظہور اللہ سے ملاقات کے لیے بھی آئے۔ یہی اس وقت فرنگی محل کے سب سے بڑے عالم تھے، اپنے روزنامچے میں (جس کا واحد قلمی نسخہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے جیب گنج کلکشن میں ہے) انھوں نے از صنادید فرنگی محل" لکھ کر مفتی ظہور اللہ کو یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ

"ایک دن مولوی ظہور اللہ صاحب کی زیارت سے بھی مشرف ہوا، جو صنادید (اکابرین) فرنگی محل میں ہیں، اور اپنے خاندان کے دستور کے مطابق فنون مروجہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ (فارسی سے ترجمہ)

ملا مبین | بہرحال جب ملا حسن نے فرنگی محل کو چھوڑا ہے، تو کئی مشہور فرنگی محلی مدرس فرنگی محل کے اندر درس دے رہے تھے، مگر ملا حسن کا چلا جانا علمی اعتبار سے خاندان فرنگی محل کے لیے باعث تشویش بن گیا تھا، ملا حسن کے شاگرد رشید اور بنی عم ملا محمد مبین بھی بہت فکرمند ہو گئے تھے، اس سلسلے میں ملا مبین کے حقیقی بھتیجے اور شاگرد ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہے،

ہرگاہ ملا حسن علیہ الرحمہ کہ استاد او بود	جب ملا حسن نے جو ملا مبین کے استاد تھے
از وطن بطرف ملک روہیل کھنڈ رفتہ	فرنگی محل سے روہیل کھنڈ کی طرف ہجرت
ملا محمد مبین علیہ الرحمہ در جناب شاہ	کر لی تو ملا مبین نے شاہ شاکر اللہ سندیلوی
شاکر اللہ علیہ الرحمۃ حاضر شدہ حکایت	شاگرد ملا نظام الدین و مرید میر سید

رفتن ملا محمد حسن از وطن بیان آورد شاہ موصوف خطاب بوئے کردہ فرمود میاں محمد مبین! محمد حسن نامے بود آں نام شما نہادہ شد بخانہ نشینید و درس می دادہ باشید اعتبار شما دریں ملک زیادہ از اعتبار ملا حسن خواہد شد و ہم چناں اتفاق افتاد کہ حق تعالیٰ در باطن اکثرے از امرایان آں زمان مرتکز ساختہ کہ مثل وے در ہند فاضلے نیست چنانچہ روزے در محفل وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ مرحوم سید شاہ مدن علیہ الرحمہ مذکور ملا حسن کردہ رتبۂ عالیہ او در علم بیان ساختہ امیرے قطع کلام کردہ مدح ملا مبین آغاز نمود مرتبہ او را فوق بر مرتبۂ ملا حسن قرار دادہ سید شاہ مدن گفتہ کہ وے عزیز و تلمیذ ملا محمد حسن است امیر گفت غلط است او تلمیذ کسے نیست شاہ مدن خاموش ماندہ گویند آں امیر مرتضیٰ خاں بڑیچ بود،

(اغصان اربعہ مطبوعہ ص ۱۶۸)

اسماعیل بلگرامی) کی خدمت میں حاضر ہو کر ملا حسن کا فرنگی محل سے چلا جانا بیان کیا، شاہ صاحب نے ملا مبین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:- میاں مبین! محمد حسن ایک نام تھا، وہ نام تمھیں دے دیا گیا، جاؤ گھر درس و تدریس کرو، ملا حسن سے بھی زیادہ اس دیار میں تمھارا اعتبار ہوگا (اور ایسا ہی ہوا بھی) اللہ جل شانہ نے اس زمانہ کے بیشتر معززین کے دلوں میں یہ بٹھا دیا کہ اب ہندوستان میں ملا مبین کے درجے کا کوئی اور عالم نہیں ہے، چنانچہ ایک روز وزیر الممالک شجاع الدولہ کی محفل میں سید شاہ مدنؒ نے ملا حسن کا ذکر کیا (جو یقیناً وہی زمانہ ہوگا، جب ملا حسن ہجرت کر کے ضابطہ خاں کے پاس جا چکے تھے، اور تفصیل سے بتایا کہ علمیت میں ان کا کیا بلند مرتبہ تھا، ایک امیر نے شاہ مدن کی بات کاٹتے ہوئے ملا مبین کی تعریف و توصیف شروع کر دی اور ملا مبین کو ملا حسن سے بلند مرتبہ ٹھہرایا، شاہ مدنؒ نے جواب میں کہا "ملا مبین تو عزیز بھی ہیں اور شاگرد بھی، ملا حسن

Marfat.com

ہ کے ہیں"۔ امیر نے کہا "بالکل غلط! ملا
مبین کسی کے شاگرد نہیں، بے چارے شاہ
دین خاموش ہو کر رہ گئے۔ ان امیر کا نام
لوگوں نے امیر مرتضیٰ بلوچی بتایا ہے"

ملا مبین فرنگی محلی کا انتقال عہد سعادت علی خاں میں ۱۲۲۵ھ میں فرنگی محل میں ہوا۔ وہ ملا نظام الدین کے وصال سے چار سال قبل ۱۱۵۷ھ میں پیدا ہو چکے تھے، اور اسی ۱۲۲۵ھ میں ملا بحر العلوم کا انتقال مدراس میں ہوا۔ ملا حسن اور اُن کے چھوٹے بھائی ملا محمد ولی ایک سال کے فرق سے بارھویں صدی ہجری کے اختتام پر عازم آخرت ہو چکے تھے، فرنگی محل میں ملا محمد ولی کے صاحبزادگان نے جن میں مفتی محمد ظہور اللہ درس و تدریس میں سب سے نامور ہوئے، مشغلۂ آبائی کو جاری رکھا اور مفتی یعقوب کے فرزند ملا عبد القدوس نے جو ملا حسن اور ملا غلام یحییٰ بہاری کے شاگرد تھے۔ درس و تدریس کے شغل پر ایسی توجہ کی کہ عہد سعادت علی خاں میں عہدۂ افتار قبول کرنے سے انکار کر دیا، مدراس میں ملا بحر العلوم کی جانشینی ملک العلماء ملا علاء الدین احمد بن مولانا احمد انوار الحق فرنگی محلی نے کی، ان کے بھائی مولانا نور الحق فرنگی محل میں درس و تدریس کرتے رہے، یہ دونوں بھائی ملا علاء الدین اور مولانا نور الحق نیز ان دونوں کے والد ماجد مولانا احمد انوار الحق بھی بحر العلوم ہی کے شاگرد تھے، ان تینوں حضرات میں سے کسی نے شاہجہاں پور، کسی نے رامپور اور بوہار جا کر بحر العلوم سے اعلیٰ کتابیں پڑھ کر فراغت حاصل کی تھی۔ ملا بحر العلوم کے صاحبزادوں میں بڑے ملا عبد الاعلیٰ، (مصنف رسالہ قطبیہ) نے بھی اپنے والد ماجد ہی سے ساری تعلیم حاصل کی تھی، لیکن ان کی وفات والد ماجد سے اٹھارہ سال قبل (۱۲۰۷ھ) میں ہو گئی، دوسرے بیٹے ملا محمد نافع بن بحر العلوم بھی والد ماجد کی حیات میں انتقال کر گئے۔ مولانا عبد الرب بن بحر العلوم نے جن کو نواب ارکاٹ نے سلطان العلماء کا خطاب دیا تھا، کچھ دنوں مدراس میں والد ماجد کی وفات کے بعد درس و

تدریس کی، اس کے بعد وطن واپس آکر شغلِ تدریس جاری رکھا، ان کی وفات سنہ ۱۲۵۴ھ میں ہوئی، ان کے بعد اُن کے نامور فرزند مولانا عبدالحکیم نے بحرالعلوم کی جانشینی فرنگی محل میں رہ کر کی، اور ان سے بھی فیض بہت جاری ہوا۔

شادی

اولاد ، تصانیف

اور وفات

Marfat.com

استاذ الہند ملا نظام الدین محمد ۱۱۰۵ھ (۹۴-۱۶۹۳ء) میں جب کہ ان کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی، سہالی سے ترکِ وطن کر کے لکھنؤ کی "حویلی فرنگی" میں والدہ، دادی، دو بھاوجوں، دو بھتیجوں اور ایک چھوٹے بھائی کے ساتھ مقیم ہوئے، اور نئے وطن میں مستقل بود و باش کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد تحصیلِ علم کے لیے گھر سے نکلے، تذکرہ نویسوں کے تخمینے کے مطابق ۲۵ سال کی عمر میں اور بعض قوی قرائن کے پیشِ نظر اکیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر ۱۱۱۲ھ (۰۲-۱۷۰۱ء) میں اپنی نئی رہائش گاہ فرنگی محل یا حویلی فرنگی واپس آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تاہل کی زندگی کا آغاز اسی زمانے میں ہوا۔ ملا صاحب کی شادی کس عمر میں ہوئی؟ اس کی تفصیل جاننے کا اب کوئی ذریعہ ہماری دست رس میں نہیں ہے، بس یہی معلوم ہے کہ ملا صاحب کی شادی اپنے آبائی وطن قصبہ سہالی میں چودھری محمد آصف کی بیٹی سے ہوئی تھی، چودھری محمد آصف جو ملا قطب الدین شہید کے بنی اعمام میں تھے "ملا قطب الدین پر دشمنوں کے حملے کی خبر سُن کر نو آدمیوں کے ساتھ امداد کو پہونچے تھے، اور مدرسۂ ملا شہید کے سامنے ہی حملہ آوروں کی مدافعت کرتے ہوئے اپنے ہمراہیوں سمیت شہید ہوئے تھے، (۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۱ء)

ان اہلیہ سے ملا نظام الدین کے ایک اولاد ہوئی، جو صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی،

(اغصان اربعہ) مُلّا صاحب کے برادرزادگان مُلّا احمد عبدالحق (بن ملا محمد سعید) ملا عبدالعزیزؒ (بن مُلّا محمد سعید) مُلّا غلام محمد مصطفیٰ (بن ملا محمد اسعد) ملا عبدالحیٔ (بن ملا محمد رضا) اور ملا احمد حسین (بن ملا محمد رضا) ہی ملا صاحب کی اولاد تھے۔ آخر الذکر بھتیجے ملا احمد حسین کو جو سب بھتیجوں میں چھوٹے تھے، ملا صاحب نے متبنیٰ کر لیا تھا۔

مولانا عارف (ملا نظام الدین محمد) نے مولوی احمد حسین مرحوم [1] (ابن محمد رضا) کو تبنیٰ کیا تھا	مولانائے عارف مولوی احمد حسین مرحوم را متبنیٰ کردہ بود، رسالۂ قطبیہ مخطوطہ صہ ۱۵

اور یہ سب بھتیجے مُلّا صاحب کے سامنے ہی صاحبِ اولاد بھی ہو چکے تھے، وہ کنبہ جمع

---

[1] یہاں ضمناً یہ ذکر ضروری ہے کہ ملا احمد حسین کی وفات کی تاریخ اور زمانہ کہیں نظر سے نہیں گزرا تھا، رسالہ قطبیہ کے مصنف مولانا عبدالاعلیٰ نے ملا احمد حسین کو "مرحوم" لکھا ہے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ زمانۂ تصنیف رسالۂ قطبیہ میں وہ انتقال کر چکے تھے، رسالۂ قطبیہ کی تصنیف ۱۲۰۰ھ میں ہوئی جیسا کہ ملا عبدالاعلیٰ (مصنف) نے وضاحت سے لکھا ہے:-

"قد فرغت من تسوید ھذہ الرسالۃ المتبرکۃ الموسومۃ بالقطبیۃ فی بیان احوال الفرق النظامیۃ عاشر محرم الحرام سنۃ الف ۱۲۰۰ھ ومائتین من ھجرۃ النبی الاکرم"

(اس رسالہ کی تالیف سے جس کا نام القطبیۃ فی بیان احوال الفرق النظامیۃ ہے، دسویں محرم ۱۲۰۰ھ میں فرصت پائی)

اس ضمنی ثبوت سے یہ معلوم ہو گیا کہ ملا احمد حسین کی وفات بارھویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی، نزھۃ الخواطر کے مؤلف مولانا سید عبدالحیٔ حسنی نے ساتویں جلد میں جو تیرھویں صدی ہجری میں وفات پانے والوں کے احوال میں ہے، ملا احمد حسین کو جو ذکر کیا ہے، یقیناً تسامح ہے مصنف نزھۃ الخواطر نے سال وفات بیان بھی نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

کی سربراہی مُلّا نظام الدین پر سولہ سال کی عمر میں آپڑی تھی، ان کی نگاہوں کے سامنے پھل پھول رہا تھا پھر بھی مُلّا صاحب اور ان کے مخلصین کے دل میں یہ تمنا مچل رہی تھی کہ مُلّا صاحب سے صلبی اولاد کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری ہو جس طرح علمی فرزندوں سے ان کا سلسلہ پھیلتا جا رہا ہے، بلکہ خود مُلّا صاحب بھی بشری تقاضے کے تحت اپنی بے اولادی سے ملول رہتے تھے۔

ازیں جہت بمقتضائے بشریت رنجیدہ خاطر می ماند، و از برادر زادہ خود ملا احمد عبدالحق قدس سرہٗ اکثر می فرمود کہ باوجودیکہ اولاد برادران و فرزندان شان فرزندان من اند لاکن دل ہمیں می خواہد کہ یکے از ان خودم باشد، او شان عرض کردند کہ اگر از زوجۂ اولٰی فرزند متولد نمی شود زوجۂ دیگر باید کرد شاید حق تعالیٰ از و عطا فرماید،

فرمود عالم الغیب خدائے تعالیٰ ست بر من در عالم رؤیا ہیچ منکشف گشتہ ازیں جہت جرأت بایں امر نمی توانم و خود را مورد مہلکہ و فساد نمی گردانم تاوقتیکہ کدام بزرگے کہ بر و اعتماد من باشد ازیں معنی خبر نخواہد داد ارتکاب ایں امر نخواہم کرد،

بشری تقاضے کے تحت رنجیدہ اور ملول رہتے تھے، اور اپنے بھتیجے ملا احمد عبدالحق قدس سرہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بھائیوں کی اولاد اور ان کی اولاد کے بچے میرے ہی بچے ہیں، پھر بھی یہ دل چاہتا ہے کہ ایک اولاد میری بھی ہو۔ بھتیجے (ملا احمد عبدالحق) نے عرض کیا کہ ان بیوی سے اگر اولاد نہیں ہے تو دوسرا عقد کر لیا جائے۔ اللہ چاہے گا تو اس سے فرزند عطا فرمائے گا۔

ملا صاحب نے جواب میں فرمایا کہ غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے، اس سلسلے میں عالم رؤیا میں مجھے کوئی اشارہ نہیں ملا ہے اس لیے میں اس معاملے (عقد ثانی) میں اقدام نہیں کر سکتا، اور خود کو جھگڑے فساد کا نشانہ نہیں بنا سکتا، جب تک کوئی ایسا بزرگ جس پر

Marfat.com

مجھے اعتقاد ہو، اس سلسلے میں کوئی (الہامی) خبر نہ دے گا، میں عقدِ ثانی کرنے کا ارتکاب نہ کروں گا۔

تا حضرت سید میر محمد اسماعیل بلگرامی قدس سرہ بر رموز باطنی مولانا مطلع گشتہ از درگاہ الٰہی ملہم گشت کہ از زوجۂ دیگر فرزنداں بوئے میسر خواہند گشت، سید صاحب از ایں معنی مولانا را خبر دادہ تا در اواخر عمر مولد شد، و کتخدا گشت در قصبہ سترکھ نکاح دیگر کرد حق تعالیٰ از بطن این زوجہ یک پسر عطا فرمود کہ او را بہ عبد العلی محمد موسوم گردانید و یک صبیہ متولد شد۔

(اغصان اربعہ مطبوعہ صفحہ ۱۲)

یہاں تک کہ حضرت میر محمد اسماعیل بلگرامی قدس سرہٗ، ملا صاحب کے مکنونِ خاطر سے باخبر ہوئے، اور درگاہِ الٰہی سے ان کو الہام ہوا کہ ملا صاحب کی دوسری شادی سے اولاد ہوگی، یہ الہامی اشارہ حضرت میر سید اسماعیل بلگرامی نے ملا صاحب سے کھلوا دیا، پھر آخر عمر میں آمادہ ہو کر ملا صاحب نے دوسرا نکاح قصبہ سترکھ میں کیا ان دوسری بیوی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک فرزند جن کا نام عبد العلی محمد ہے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔

اور یہ صاحبزادے جن کو دنیا بحر العلوم کے نام سے یاد کرتی ہے، اپنے نامور والد ماجد ہی کی آغوشِ تربیت میں پلے بڑھے، ملا صاحب نے اکلوتے فرزند کو بڑے لاڈ پیار سے پالا اور جب وہ چار سال چار مہینے کے ہوئے، تو اُن کی بسم اللہ کی تقریب بھی ملا صاحب نے کی، ایک قلمی تحریر کے مطابق جو ملا عبد اللہ امیٹھوی (شاگرد رشید ملا نظام الدین فرنگی محلی) کے پوتے کی لکھی ہے، اس تقریب کا مختصر حال یہ ہے:۔

والدم یعنی پسر کلاں ملا عبد اللہ امیٹھوی

میرے والد بیان فرماتے تھے کہ جب

موسوم بہ مولوی شاہ علاء الدین احمد قلندر قدس سرہٗ) بیان می فرمودند کہ در زمانیکہ تقریب مکتب یعنی بسم اللہ حضرت ملک العلماء مولانا عبد العلی صاحب قدس سرہ، منعقد شد دراں محفل اجلۂ علمائے نامدار و فضلائے والا تبار و مشائخ کبار ازاں جملہ جناب حضرت قاضی محمد تقی صاحب مہونوی قدس سرہ، نیز موجود بودند حسب تجویز دیگر اصحاب محفل حضرت قاضی محمد تقی صاحب، قدس سرہ بسم اللہ از زبان خود حضرت مولانا عبد العلی صاحب را گویانیدند ازیں جا برکت زبان حضرت قاضی محمد تقی صاحب قدس سرہٗ خیال نمودہ شود کہ ذات ملکی صفات حضرت مولانا عبد العلی قدس سرہ در تبحر انواع علوم و فضائل کمالات صوری و معنوی فخر تمام علماء و اولیاء کل ہندوستان شد،

(یہ قلمی تحریر مولانا محمد نعیم فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۲ھ کے مخطوطات کے ذخیرے میں ہے جو ان کے پرپوتے مولانا محمد ناصر کے پاس موجود ہے۔)

ملک العلماء مولانا عبد العلی صاحب قدس سرہ (بحر العلوم) کی بسم اللہ کی تقریب منعقد ہوئی تو اس محفل میں بڑے بڑے علمائے وقت فضلائے زمانہ اور مشائخ کبار موجود تھے، ان ہی میں قاضی محمد تقی صاحب مہونوی قدس سرہٗ بھی تشریف رکھتے تھے، تمام حاضرین محفل کی تجویز اور خواہش پر حضرت قاضی محمد تقی صاحب قدس سرہ نے اپنی زبان سے مولانا عبد العلی صاحب سے بسم اللہ پڑھوائی اس سے قاضی محمد تقی صاحب قدس سرہ کی زبان کی برکت کی تاثیر ملاحظہ کرنا چاہیے، کہ فرشتہ صفات حضرت مولانا عبد العلی صاحب قدس سرہٗ کی ذات تمام علوم میں کیسی متبحر اور ظاہری و باطنی کمالات و فضائل میں کیسی جامع گزری ہے کہ ہندوستان بھر کے تمام علماء و اولیاء اللہ کے لیے باعث فخر ہے۔

Marfat.com

ملا صاحب کا دوسرا نکاح، جو شیخ محمد کریم بن شیخ محمد علیم بن ملا شاہ محمد ولی محمد عثمان چشتی ستر کھی کی دختر سے ہوا، کب ہوا، اس کا تعین مشکل ہے، "دراواخر عمر" سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور بعض، دوسرے قرائن سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۱۴۱ھ و ۱۱۴۰ھ کے قریب قریب ہوا ہوگا، اس لیے کہ ملا صاحب نے یہ عقد اپنے پیر بھائی اور صاحب فیض روحانی میر سید اسماعیل بلگرامیؒ (وفات ۱۱۶۳ھ ۱۷۵۰ء) کے مکاشفے کے مطابق کیا تھا، ظاہر ہے کہ ملا صاحب کے پیر و مرشد حضرت سید السادات سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ قدس سرہ اس وقت پردہ فرما چکے ہوں گے (وفات ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴ء) ورنہ ان ہی سے اس سلسلہ میں رجوع کرنا اولیٰ و انسب ہوتا۔ ان کے خلیفہ اور پیر بھائی کا بیچ نہ تھا، اس کے علاوہ صاحبزادہ ملا عبدالعلی بحر العلوم کی عمر ملا صاحب کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھی، اور صاحبزادی کی تیرہ سال کی۔

در عمر ہفدہ سالگی از تحصیل علوم ظاہری
فراغت یافت و در ہماں سال مولانا اورا
در قصبۂ کاکوری کتخدا کرد و خود بعد شش ماہ
در ہمیں سال بعالم علوی پیوست و دختر
سیزدہ سالہ ناکتخدا گذاشتہ،

ملا عبدالعلی (بحر العلوم) سترہ سال کی عمر
میں تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے،
اور اسی سال ملا نظام الدین نے بیٹے کا
عقد قصبۂ کاکوری (ضلع لکھنؤ) میں کر دیا
بیٹے کے نکاح کے چھ ماہ بعد ملا نظام الدین
نے سفر آخرت اختیار فرمایا، اور ۱۳ سالہ
ناکتخدا بیٹی چھوڑی

ملا صاحب کا سال وفات ۱۱۶۱ھ ہے، اس وقت صاحبزادے (بحر العلوم) اٹھارہ سال کے تھے۔ صاحبزادے کی پیدائش سے دو ہی ایک سال قبل ملا صاحب کا عقد ثانی ہونا چاہیے۔ (۱۱۴۰ھ یا ۱۱۴۱ھ میں)

ملا صاحب کی صاحبزادی کا عقد ۱۳ سالی میں ملا صاحب کے بھانجے شیخ حفیظ ابن شیخ سیف الدین کے ساتھ ہوا، جو صاحب اولاد ہوئیں، صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کی طرف

ملا صاحب نے بذاتِ خود توجہ فرمائی، اگرچہ ملا صاحب کے تلامذہ جن میں بھتیجے اور متبنیٰ بھی شامل تھے اس وقت صاحب درس و تدریس ہو چکے تھے، لیکن انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خود ہی تعلیم دی اور ہمہ وقت اس کے متمنی رہے کہ ان کا اکلوتا بیٹا، خلف الصدق ثابت ہو، خود ہی بیٹے کو پڑھاتے بھی تھے اور ملاقات کے لیے آنے والے اللہ والوں سے بیٹے کے لیے دعا کے طلبگار بھی ہوا کرتے تھے۔

ملا ولی اللہ فرنگی محلی جنھوں نے فرزندِ ملا نظام الدین کا کافی زمانہ پایا تھا، اپنی تصنیف عمدۃ الوسائل للنجاۃ میں جو ملا صاحب کے فرزند (ملا عبد العلی بحر العلوم) کی حیات میں لکھی گئی تھی، لکھتے ہیں:-

اکثر معتبرین از زبانِ فقیر زبانی صاحبزادۂ ملا	اکثر لوگوں نے جو معتبر اور ثقہ ہیں صاحبزادہ
ملا عبد العلی سلمہٗ ربہٗ نقل کردہ اند کہ ایشان می	ملا نظام الدین، ملا عبد العلی سلمہ ربہ کی
گفتند مولانا علیہ الرحمۃ بجہت محبت کہ با من	زبانی مجھ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ملا
داشت ہمیشہ برائے من دعائے علم کردے	عبد العلی فرماتے تھے کہ ملا صاحب جیسی
و باہر کہ از اہل لباس ملاقی گشتے از وے	محبت مجھ سے فرماتے تھے، اس کی بنا
درخواست دعائے برائے من کردے چنانکہ	پر ہمیشہ میرے لیے حصولِ علم کی دعا
روزے مولانا علیہ الرحمۃ بگوشۂ مسجد نشست	فرمایا کرتے تھے، اور اہل اللہ میں سے
مرا درس می دادند، کہ دریں ہنگام دو جوان	جس سے بھی ملاقات ہوتی، اس سے بھی
خوب تر در مسجد آمدند و بر مولانا علیہ الرحمۃ	میرے لیے دعا کراتے تھے، ایک دفعہ
سلام گزاردند یکے از آنہا بجانب راست	ایسا ہوا کہ ملا صاحب مسجد کے ایک کونے
و دوئم از آنہا بجانب چپ بنشستند و	میں بیٹھے مجھے پڑھا رہے تھے، ناگاہ دو
مولانا علیہ الرحمۃ بغایت تکریم و تعظیم	خوبصورت جوان مسجد میں داخل ہوئے
شاں کردہ ہمہ حیراں گشتیم کہ ایشاں	اور ملا صاحب کو سلام کیا، ان میں سے

Marfat.com

کدام کسانند کہ جناب مولانا علیہ الرحمۃ چنداں بہ تکریم شاں کوشید، بعد ساعتے اشارہ بہ من کرد، پرسیدند ایں کیست مولانا علیہ الرحمۃ فرمود، پسر من برائے ایں دعا کنید حق تعالیٰ اورا علم نافع و فہم کامل عطا فرماید، باہم بتعجب نگریستند، وگفتند شما خود قادر اید بر آنکہ اگر خواہید بفضل الٰہی ہمیں وقت تمامی علوم بوے حاصل گردند، گفت آرے ممکن ست از لطف الٰہی، لاکن مقصود من حصول بدیں طور نیست می خواہم کہ بنور دیدۂ من بکسب و اکتساب میسر شوند، ایں بگفت دست بدعا بر داشت و آں ہر دو کساں شریک دعا بودند ہرگاہ از دعا فارغ شد آنہا از نظر ما غائب شدند عجب بر عجب مرا افزود پرسیدم کہ ایں ہا کدام کس بودند فرمودند از جملۂ اولیائے کرام در فلاں جزیرہ مشغول بحق داشتند،

عمدۃ الوسائل مخطوطۂ فرنگی محل

ص ۲۶

ایک ملا صاحب کی داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھ گیا، ملا صاحب نے ان دونوں کی بے حد تعظیم کی، ہم حیران تھے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں، جن کی اس قدر تعظیم ملا صاحب کر رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد ان نوواردوں نے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون صاحبزادے ہیں؟ ملا صاحب نے فرمایا میرا بیٹا ہے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اسے علم نافع اور فہم کامل عطا فرمائے، ان نوواردوں نے باہم ایک دوسرے کو پہلے تو تعجب سے دیکھا پھر بولے آپ کو خود یہ قدرت حاصل ہو کہ اگر چاہیں تو ابھی تمام علوم بفضل الٰہی صاحبزادے کو حاصل ہو جائیں، ملا صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے بے شک یہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن میرا مطلب اس طرح حصول علم سے نہیں ہے، یہ چاہتا ہوں کہ میرے نور نظر کو پڑھ کر اور کسب کے ذریعہ علم نصیب ہو، اتنا فرمانے کے بعد ملا صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ان

Marfat.com

دونوں نو واردوں نے بھی دعا میں شرکت
واعانت کی، جوں ہی ملا صاحب دُعا سے
فارغ ہوئے، یہ دونوں آنے والے ہماری
نظروں سے غائب ہوگئے، مجھے حیرت پر
حیرت ہوئی، بالآخر میں نے ملا صاحب
سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا
اولیائے کبار میں سے تھے، فلاں جزیرے
میں یادِ الٰہی میں بسر کرتے ہیں۔

ملا عبدالعلی (بحرالعلوم) نے اپنے والد ماجد ہی سے تعلیم پائی اور فارغ التحصیل ہوگئے، اس وقت ان کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی، اکلوتے بیٹے تھے، فارغ التحصیل ہونے کے باوجود درس و تدریس کی طرف توجہ نہیں کی، والد ماجد نے اس کے بعد شادی بھی کردی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد بھی ملا عبدالعلی نے خاندان کی ذمہ داریوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی، ان کی شادی کے چھ ماہ بعد ہی ملا صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اب گھر کی ساری ذمہ داری، ان ہی پر آپڑی، پھر بھی والد ماجد کی قائم مقامی کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا، دھیان کب گیا جب تابڑ توڑ دو واقعے پیش آئے، ایک واقعہ تو شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر جلسۂ دستار بندی کے موقع پر پیش آیا جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، دوسرا واقعہ جو اس سے قبل کا معلوم ہوتا ہے، روایتاً ہم تک پہونچا ہے، وہ یہ کہ ملا صاحب کے وصال کے بعد ایک فقیر صدا لگاتا ہوا دروازے پر آیا، گھر سے ماما نے نکل کر اس کو کچھ دینا چاہا، فقیر نے نہیں لیا، اور ملا صاحب سے ملنے کی خواہش کی، ماما نے جواب دیا کہ ملا صاحب پردہ فرما چکے ہیں، فقیر نے کہا ان ملا صاحب سے نہیں اُن کے بیٹے ملا صاحب کو میں کہہ رہا ہوں، ماما نے اندر آکر ملا عبدالعلی سے کہا کہ باہر کوئی آپ کو پوچھ رہا ہے، نوجوان ملا عبدالعلی چھت پر کبوتر اڑا رہے تھے، اسی حالت میں باہر آگئے، ایک کبوتر بھی ہاتھ میں تھا، فقیر نے کہا آپ کا

مگر واقعہ تو پیش آچکا تھا، لکھنؤ میں شیعہ عملداری تھی، شجاع الدولہ کا زمانہ تھا، یعنی اس وقت تک لکھنؤ اودھ کی راجدھانی نہیں بنا تھا، بہرحال اس واقعہ سے شیعوں میں، ہل چل مچ گئی اور یہ شہرت ہوگئی کہ

مولانا از امامین منحرف شدہ متوجہ سوئے خروج شدند بہمیں دستاویز قاضی غلام مصطفےٰ کہ مقتدائے اہلِ تشیع بود و از مولانائے کامل معاندت دینی و دنیوی می داشت بلوۂ عام نمودہ خواست کہ مولانائے کامل را تصدیعہ دہد این خبر بمولانائے کامل رسید، مولانائے کامل نیز بلوہ خاص و عام نمودہ ارادۂ محاربہ نمود۔

(رسالہ قطبیہ مخطوطہ صـ ۲۳)

مولانا بحرالعلوم حضرات حسنینؓ سے منکر ہوکر بغاوت پر آمادہ ہوگئے ہیں، شیعان لکھنؤ کے لیڈر قاضی غلام مصطفےٰ تھے، انھوں نے اس کو بہانہ بنا کر، اس لیے کہ وہ بحرالعلوم سے دین و دنیا کی عداوت رکھتے تھے ایک مجمع کیا، اور بلوہ کر کے مولانا بحرالعلوم کو زک پہونچانا چاہی، بحرالعلوم کو جب اس کی خبر لگی تو انھوں نے بھی (اہلِ سنت کے) عوام اور خواص کو اکٹھا کر کے ارادہ کر لیا کہ حملہ آوروں سے جنگ کریں گے۔

"خاص و عوام" کی اتنی بڑی فوج جمع کر لینا اسی وقت ممکن ہے، جب ان کا علمی اقتدار معاشرے میں پوری طرح سرایت کر چکا ہو، اتنی بڑی جمعیت بحرالعلوم کے گرد اکٹھا ہوگئی تھی کہ حکومتِ وقت اور شیعہ لیڈر قاضی غلام مصطفےٰ،

تاب مقاومت نیاوردہ پیام صلح نمودند مولانائے کامل صلح فیما بین اسلام اصلح دیدند قبول کردند

(رسالہ قطبیہ صـ ۲۳)

مقابلہ کی طاقت نہ پاکر صلح کے لیے پیغام دینے لگے، بحرالعلوم نے مسلمانوں کے درمیان صلح ہوجانے کو مناسب تر سمجھا اور پیغام صلح قبول کر لیا۔

مگر بحر العلوم تک خبریں آنے لگیں کہ یہ صلح محض فریب ہے، مقصد یہ ہے کہ غفلت میں موقع پاکر بحر العلوم کو قتل کردیا جائے، بحر العلوم نے عزیزوں اور دوستوں سے صلاح لی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ ہر وقت اپنی محافظت کا انتظام رکھنا قدرت سے باہر ہے، اعزہ نے جواب میں مشورہ دیا کہ :-

اصلح آنست کہ چندے سفر نمایند چوں	بہتر یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لیے یہاں سے
مقدمہ کہنہ شود باز بیایند دوستایان	کہیں چلے جائیں، جب معاملہ پرانا
جواب دادند کہ مکان مولانا عارف گذاشتن	ہوجائے پھر تشریف لے آئیں، دوستوں
خوب نیست ہمہ متفق شدہ تدارک ایں	اور مخلصوں نے کہا، ملا نظام الدین کا آستانہ
معنی خواہیم نمود،	چھوڑنا مناسب نہیں، ہم لوگ متحد و متفق
رسالۂ قطبیہ مخطوطہ ص۳۳	ہوکر صورتِ حال کا تدارک کرلیں گے۔

بحر العلوم نے اعزہ کے جواب سے بددل ہوکر مخلصوں سے کہا کہ ہمارے اعزہ جو ہمارے ساتھ رہتے ہیں، تیار نہیں معلوم ہوتے، تو تم کیا کرپاؤ گے، پھر یہی طے فرمایا کہ لکھنؤ سے چلے جائیں، چونکہ یہ خیال تھا کہ مخلصین جانے سے روکیں گے، اس لیے بلا اطلاع دیئے اور بہانے سے لکھنؤ چھوڑکر شاہجہاں پور، حافظ رحمت خاں والیِ ملک روہیل کے پاس چلے گئے۔

رسالۂ قطبیہ کے مصنف کے اس قول سے کہ "بے اطلاع بحیلہائے بسیار مولانا بغیرت تمام ہجرت نمودہ" بحر العلوم کے ایک شاگرد کے اس قول کا مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ "جب مولانا بحر العلوم حج و زیارت کے لیے روانہ ہوگئے، "تو" یہ بات "عقیدۂ وثیقہ" کے مصنف نے مقدمے میں لکھی ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ لکھنؤ سے روانہ ہونے کے لیے مولانا بحر العلوم نے حج و زیارت کے لیے روانگی کا خیال ظاہر کیا ہوگا جس سے عقیدۂ وثیقہ کے مصنف کو غلط فہمی ہوگئی، حالانکہ بحر العلوم کو ہندوستان سے باہر جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔

یہ ناخوش گوار معاملہ تخمیناً ۱۱۶۲ھ؍ ۱۷۵۲ء میں یعنی استاذ الہند ملا نظام الدین کی وفات کے

Marfat.com

دس گیارہ برس بعد پیش آیا، ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصانِ اربعہ (مطبوعہ) میں اس واقعہ کا اشارۃً ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " دراوائل حال سانحۂ عظیمے در وطن پیش آمد" اسی کے ساتھ انھوں نے عزیزوں کے جواب کی وضاحت بھی کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ " میرے والد اور میرے چچا نے مجھ کو بتایا کہ اس سانحہ کے بعد بحر العلوم سے اور " میرے دادا ملا محب اللہؒ" سے گفتگو ہوئی تھی، اور انھوں نے جواب میں کہا تھا کہ ہم لوگ (عزیز اور رشتہ دار) تو گھروں میں رہتے ہیں، آپ کے پاس طالب علم بڑی تعداد میں ہیں، جو شہر میں سیر و تفریح کے لیے بھی جایا کرتے ہیں، اور آپ ان طالب علموں کو عزیزوں اور رشتہ داروں سے زیادہ مانتے ہیں، اگر شہر کے اوباشوں اور بدمعاشوں نے شہر میں کہیں آپ کے ساتھ یا آپ کے طلبہ کے ساتھ کوئی گستاخی کی، یا جان لے لی تو ہم لوگ وہاں کہاں موجود ہوں گے، ؟ ہاں اگر ایسا ہوا کہ آپ کے گھر پر کوئی بُری نیت سے آیا اور فساد کرنا چاہا، تو پہلے ہم اپنا سر آپ پر تصدق کردیں گے، اس کے بعد جو ہوگا ہوگا، بحر العلوم نے فرمایا کہ محض اس حد تک ذمہ داری قبول کرنے سے میرا یہاں قیام ممکن نہیں ہے۔ " میرے دادا ملا محب اللہ نے ہمہ وقت کی ذمہ داری (شرکتِ عمومی) لینے کی جرأت نہیں کی، اور بحر العلوم نے شہر کے گڑبڑ کا اندازہ کرتے ہوئے ترکِ وطن کرلیا،" (اغصان اربعہ ص ۱۲۷، کا خلاصہ)

بحر العلوم کا یہ مزاج کہ وہ حکومتِ وقت سے مقابلہ تک کے لیے تیار ہوگئے، اپنے والد ماجد ملا نظام الدین کے غم خور مزاج کے برعکس تھا، ملا صاحب نے پوری زندگی فروتنی اور غم خوری میں گزاردی، اس قدر بردباری اور حلم اُن کے مزاج میں تھا کہ " متعلقات فرنگی محل" میں آباد کرایہ داروں تک سے حق داستحقاق کے معاملے میں بھی سختی کا رویہ برتنے سے انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ برادر زادہ ملا عبد الحق نے رعایا کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اُن کی سرکشی کا انسداد کیا۔

رعایا اور کرایہ دار کا معاملہ تو ایک طرف ملا نظام الدین اپنے ہم چشموں اور معاصرین کے

علمی اعتراضات تک پر سکوت اختیار کرتے تھے، خواہ اس میں خود ملا صاحب کی کتنی ہی سُبکی کیوں نہ ہو جائے، فرماتے تھے کہ

اگر اعتبار و رشد کسے در الزام من باشد	مجھے غلطی پر قرار دے کر اگر کسی کا اعتبار
مارا قبول است۔	اور مرتبۂ علمی بڑھتا ہے تو میں غلطی قبول
عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)	کرنے پر تیار ہوں۔

فرماتے ہی نہیں تھے، بلکہ اس پر ایسا عامل تھے کہ اس کے برعکس ہونے پر بے حد ناراضگی ہو جاتی تھی، اس سلسلے میں ایک واقعہ ہو بھی گیا تھا، ایک صاحبِ علم نے ایک معقولی مسئلے کے سلسلے میں ملا صاحب سے استفسار کیا، ملا صاحب نے اس کا مناسب جواب دیدیا، اس صاحبِ علم نے ایسی بحث و تکرار شروع کردی، جس کا مقصد مقابل کو خاموش کر دینا ہوا کرتا ہے، ملا صاحب نے اس خیال کے پیشِ نظر کہ فضول بحث و مباحثہ اہلِ علم کی شان کے خلاف ہے، خاموشی اختیار کرلی، بحث کرنے والے صاحب ملا صاحب کے پاس سے گئے اور مشہور کرنے لگے کہ میں نے ملا صاحب کو بحث میں چپ کر دیا، شدہ شدہ یہ بات ملا صاحب کے تلامذہ تک پہونچی، مسئلۂ زیر بحث پر خود ملا صاحب اپنی بعض تصانیف میں روشنی ڈال چکے تھے، بحث کرنے والے صاحب نے جو بات چھیڑی تھی، اُس کے ۲۷ جواب ملا صاحب کی تصنیف میں لکھے موجود تھے، ملا صاحب کے تلامذہ کو جب معلوم ہوا، تو اُن میں سے ایک صاحب بحث کرنے والے اہلِ علم کی خدمت میں پہونچے، اور اسی مسئلے میں اُن سے بھڑ گئے، یہاں تک کہ ان کو خاموش کر دیا، اور یہ بھی جتا دیا کہ ملا صاحب جو بحث میں خاموش ہو گئے تھے، تو محض اس لیے کہ فضول کی تکرار ان کا شیوہ نہیں، حالانکہ مسئلۂ زیر بحث کے بارے میں ملا صاحب اپنی تصنیف میں یہ سب لکھ چکے ہیں۔

طالب علم نے تو حقِ شاگردی ادا کر دیا، اور صحیح ادا کیا، لیکن ملا صاحب کو جب اس کی خبر لگی تو

ازان طالب علم بسیار ناخوش و ملول خاطر گشت و گفت اگر مردمان بطریق طعن چیزے می گفتند مرا می گفتند نہ ترا، اگر در الزام من اعتبار فاضلے گردد، اولیٰ است از آنکہ بسبب من بربادی و حرج درس فاضلے شود،

عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)

اس طالب علم سے بے حد ناخوش اور رنجیدہ ہو گئے اور طالب علم سے فرمایا کہ اگر لوگ بطور طنز کچھ کہتے ہیں تو مجھ کو کہتے ہیں تم کو نہیں کہتے ہیں، اگر مجھ کو کم علم قرار دینے سے کسی عالم کا اعتبار زیادہ ہوتا ہے تو یہ بہ نسبت اُس کے بہتر ہے کہ میری وجہ سے کسی صاحبِ درس فاضل کے درس میں خلل پڑے اور بربادی ہو۔

صرف اسی تلقین و نصیحت پر بس نہیں کی، بلکہ :-

اورا از خانۂ خود وداع کرد و گفت کہ من باین قسم کار راضی نشوم و ایذائے احدے از تکاب نکنم،

(عمدۃ الوسائل قلمی)

اس طالب علم کو اپنے یہاں سے خارج کر دیا، اور کہہ دیا کہ اس قسم کی حرکتوں سے میں راضی نہیں ہو سکتا، کسی شخص کو بھی رنج پہونچانے کے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا ہوں۔

اس خاکساری اور فروتنی کا مطلب یہ نہیں کہ علم اور دین کے حقوق کی نگہداشت سے بھی چشم پوشی فرما جاتے تھے، اس کے برعکس اہلِ ثروت اور دنیاوی اقتدار رکھنے والوں سے زیادہ التفات نہ فرماتے، اور اگر ایسے لوگوں سے کوئی حاضرِ خدمت ہوتا تو اس کی تعظیم کے لیے کبھی کھڑے نہ ہوتے بلکہ فرماتے تھے کہ :-

ایں ہمہ از ندے ریاست

اہلِ ثروت کی اس طرح تعظیم کرنا دکھاوے میں داخل ہے،

اس سلسلے میں ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہے :-

Marfat.com

میاں شیخ غلام مخدوم ساکن سہالی کہ بعالی خدمت اخلاص و نیاز و قرابت داشتند ازیں خاکسار حکایت می کردند کہ من در ایام شباب خود بیمار شدم در مکانے کہ مولانا می نشست بر سریرے ازیں سبب افتادہ می ماندم روزے بعضے از امیران صاحب جاہ برائے ملازمت شاں آمدند، دانستم کہ ایں وقت بالانشینی مناسب نیست خواستم کہ از تخت فرود آیم و بزیر نشینم فرمود اے فلاں بحال خود باش و دیدن سفید پوشاں دیوانہ مگرد۔

(عمدۃ الوسائل مخطوطہ)

میاں شیخ غلام مخدوم ساکن سہالی نے جو ملا صاحب سے عقیدت بھی رکھتے ہیں، اور رشتہ داری بھی، مجھ سے بیان کیا کہ میں جوانی کے زمانے میں بیمار رہ گیا تھا اور جس مکان میں جو ملا صاحب کی نشست گاہ تھی، ایک تخت پر پڑا رہتا تھا، ایک روز کوئی صاحب عزت و اقتدار امیر ملا صاحب سے نیاز حاصل کرنے آیا، میں نے خیال کیا اس وقت مجھ کو تخت پر لیٹے رہنا زیبا نہیں ہے، تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھنے کا ارادہ کیا، ملا صاحب نے فرمایا، غلام مخدوم! اپنی جگہ لیٹے رہو، سفید پوشوں آدمیوں کو دیکھ کر دیوانے نہ ہو جاؤ۔

ہفت ہزاری منصب رکھنے والے ایک امیر نے جو ملا صاحب سے تلمذ رکھتے تھے، اور عقیدت بھی، جمعہ کی نماز کے لیے ایک دفعہ کہلوا بھیجا کہ

انتظار من اگر حضرت فرمایند من ہم داخل جماعت گردم، و باقتدائے آنحضرت نماز گزارم،

اگر تھوڑا سا انتظار فرمالیں تو میں بھی جماعت میں شامل ہو کر حضور والا کی اقتدار میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرلوں،

ان ہفت ہزاری منصب والے شاگرد اور عقیدت مند کو آنے میں وقت مقررہ سے کچھ تاخیر ہو گئی، ملا صاحب نے بغیر انتظار کیے نماز پڑھا دی، اور فرمایا:۔

نماز خدا است نہ اہل دنیا، انتظار چنیں

نماز خدا کی ہے، دنیا والوں کی نہیں ہے،

Marfat.com

کساں داخلِ ریا است" اور ایسے لوگوں کا نماز میں انتظار کرنا دکھاوے میں داخل ہے۔

(عمدۃ الوسائل)

لباس اور رہن سہن میں بھی ملا صاحب، کے یہاں کوئی امتیاز اور شناخت والی بات نہ تھی، عام انسانوں کی طرح لوگوں میں بیٹھتے تھے، اجنبی پہچان بھی نہیں سکتا تھا، کہ اس مجمع میں ملا صاحب کون ہیں:۔

ابو المعالی خاں برائے ملاقات آمدہ از مردمان پرسید کہ ملا نظام الدین کجا است مردم بمکان نشست مولانا قدس سرہ نشان دادند و آں وقت جناب شاں بر زمین بر فرش ناکارہ نشستہ درس می دادند وے پوشیدہ کہنہ زیبا [illegible] دیدہ بود ایشاں را چوں بریں حالت دید نشناخت ودانست کدام ناملے است کہ درس می دہد گفت مولانا نظام الدین کجا ام جامی شنیدہ و درس می دہد، فرمودند من ہمیں ام کہ مولانا کجاست نظام الدین نام من است،

ابو المعالی خاں ملاقات کے لیے آئے، لوگوں سے پوچھا کہ ملا نظام الدین کہاں ہیں؟ لوگوں نے وہ جگہ بتا دی جہاں ملا صاحب بیٹھا کرتے تھے، ابو المعالی وہاں گئے اس وقت ملا صاحب زمین پر بچھے ایک پھٹے پرانے کپڑے پر بیٹھے ہوئے بچے اور سبق پڑھا رہے تھے، ابو المعالی علمائے فارس کی شان و شوکت دیکھے ہوئے تھے، ملا صاحب کو جو اس بے سروسامانی کے عالم میں پایا تو پہچان نہ سکے، سمجھے کہ کوئی مدرس ہوں گے جو لڑکوں کو پڑھا رہے ہیں ——— پوچھا، مولانا نظام الدین کس جگہ تشریف رکھتے ہیں اور درس دیتے ہیں، ملا صاحب نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مولانا کہاں ہیں نظام الدین میرا ہی نام ہے۔

ابو المعالی خاں جو غیر ملک سے تازہ تازہ ہندوستان وارد ہوئے تھے اور اپنی ولایت میں علماء کا

Marfat.com

کروفر دیکھے تھے، استاذ الہند ملا نظام الدین کی فروتنی اور سادہ مزاجی دیکھ کر اگر ان کو شناخت نہ کر سکے تو حیرت کی کوئی بات نہیں، حیرت اس پر ہو سکتی ہے کہ نہ جانے کیوں وہ ملا صاحب کو مذہب امامیہ کا مجتہد یا عالم سمجھ بیٹھے اور چند مسائل مسلکِ امامیہ کے انداز میں یہ کہتے ہوئے دریافت کیے :-

در مذہب حق چہ می نویسند ، مولانا جواب ہر یک موافقِ کتبِ امامیہ بتفصیل ذیل بیان فرمودند، چنانکہ تسکین خاطرش گشت ۔

مذہبِ حقہ (امامیہ) میں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ملا صاحب نے ہر سوال کا جواب کتبِ امامیہ کے مطابق اس تفصیل سے دیا کہ اس کی پوری طرح تشفی ہو گئی۔

ابو المعالی خاں نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ نادانستگی میں یہ بھی دریافت کر بیٹھے کہ:-

دریں مقدمہ بر مذہبِ اہلِ ضلال چہ می نویسند و اشارہ با اہلِ سنت کرد مولانا مراد او فہمید و آنچہ دریں کتب بود آنہم بیان ساخت وے بغایتِ مشغوف بآنحضرت گردید و گفت چنانچہ در ولایت شنیدہ بودم زیادہ تر یافتم و دیگر کلماتِ مشتملہ بر خوشامد بر زبان آوردہ مولانا را ناگوار آمدہ از آنکہ از چنیں کلمات راضی نمی شد فرمود ہیچ نیافتند من ہم یکے آں اہلِ ضلال ام۔

ان مسائل کے بارے میں اہلِ ضلال (گمراہ لوگ) کا مذہب کیا ہے؟ اہلِ ضلال سے اس کا اشارہ اہلِ سنت کی طرف تھا، ملا صاحب نے اس کا مطلب و مفہوم سمجھ لیا اور ان مسائل کے بارے میں کتبِ اہلِ سنت میں جو کچھ درج تھا وہ بیان کر دیا، ابو المعالی ملا صاحب کا انتہائی گرویدہ ہو کر کہنے لگا "اپنے ملک میں جیسی آپ کی شہرت سنی تھی اس سے بھی زیادہ آپ کو پایا" اسی طرح کے کچھ اور تحسین و تعریف کے کلمے اس نے کہے، ملا صاحب کو اب ناگواری ہوئی، اس لیے کہ وہ اپنی تعریف و

توصیف کے جملوں سے کبھی خوش نہیں
ہوتے تھے، فرمایا "کچھ نہیں پایا آپ نے،
میں بھی ان ہی ضلال میں سے ایک ہوں۔"

اس نادانستہ غلطی کا ردعمل ہونا قدرتی تھا، وہ بیحد پشیمان ہوئے، لیکن

بایں بدل وجان رسوخے ونیازے بدلِ جناب پیدا ساختہ | اس ناخوش گوار واقعہ کے باوجود وہ دل و جان سے ملا صاحب کی خدمت میں نیاز مندی وعقیدت رکھتا رہا۔

اس واقعہ سے جو ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے عمدۃ الوسائل میں لکھا ہے، دو خاص باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کے علم کا دائرہ دوسرے علماء کی طرح محدود نہ تھا، وہ جس مہارت سے فقہ حنفی کے مطابق استفسارات کا جواب دیتے اسی عبور کے ساتھ فقہ امامیہ کے مطابق بھی سائل کی تشفی کر دیتے تھے، دوسرے یہ کہ ملا صاحب کا شہرہ اُن کی زندگی میں ہندوستان کی حدوں کو پار کر کے غیر ممالک تک پہونچ گیا تھا، اور غیر ملکوں سے بھی لوگ اشتیاقِ ملاقات میں آیا کرتے تھے، ہندوستان اور قرب وجوار کے اہلِ علم وفضل تو حاضرِ خدمت ہوا ہی کرتے تھے! اہلِ علم کی ملاقاتیں فوائد سے خالی نہیں ہوتیں، چنانچہ جوار کے ایک مشہور خانوادے کے ایک صاحبزادے ملاقات کو آئے تو اُن سے ملا صاحب سے جو گفتگو ہوئی وہ خالص علمی تھی اور ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے ان ہی صاحبزادے کی زبان سے سن کر اس کو قلمبند کر لیا۔

رائے بریلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ علم اللہ تھے، جن کی طرف دائرۂ شاہ علم اللہ منسوب ہے، ان کے پوتے مولانا محمد واضح ملا نظام الدین کے ممتاز شاگرد ملا عبداللہ امیٹھوی کے شاگرد تھے، یہی مولانا واضح ایک دفعہ ملا صاحب کی یعنی اپنے استاذ الاستاذ کی ملاقات کو آئے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

می گفتند کہ من یکبار بجہتِ ملاقات مولانا | مولانا واضح بیان کرتے ہیں کہ ملا صاحب

علیه الرحمه آمدم و موسم سرما بود آں وقت قریب بہ شام اندکے تاریکی شب گشتہ بود کلاہ سمور بر سر مبارک داشت و من آں وقت از سببِ تاریکی دریافتم کہ موئے بر سر بطریقِ حلقہ کہ نامشروع است نہادہ و خطرۂ ایں معنی بخیال من آمد و دو شبہہ دیگر بخیال داشتم یکے آں کہ استعمال حقہ می سازد و دوم آنکہ بتدریس منطق مشغول می باشد باوصف آنکہ مزاولت بایں علماء حرام نوشتہ اند

رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے ایک دفعہ میں حاضر خدمت ہوا، جاڑے کا زمانہ تھا اور شام کا وقت، بلکہ تھوڑا تھوڑا اندھیرا پھیل چکا تھا، اس وقت ملا صاحب بالوں کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، اندھیرے کی وجہ سے میں یہ سمجھا کہ ملا صاحب کے سر پر اس قسم کے بال ہیں جیسے لوگ رکھ لیتے ہیں کہ سر کے گرد بالوں کا حلقہ اور بیچ سے بالوں کا صفایا، یہ طریقہ خلاف شرع ہے، اس وقت اس خلاف شرع بات کا گمان میرے دل میں ہوا، دو شبہے اور بھی تھے، ایک یہ کہ ملا صاحب حقہ پیتے ہیں، دوسرے یہ کہ منطق پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں، حالانکہ علماء نے منطق میں مشغولیت کو حرام لکھا ہے.

اول بتواضع و مدارا بامن پرداخت بعد ازاں کلاہ از سر برداشت و گفت اے فلاں! سمور بسیار گرم و نافع موسمِ سرماست دانستم کہ ایں اشارت بر خطرۂ ماست و جواب از داہمہ کہ عارض خاطر گردیدہ بود، بعد ازاں حقہ خادمے آوردہ پیش نے

ملا صاحب مجھ سے بڑی تواضع اور مدارات سے پیش آئے، اس کے بعد اپنے سر سے بالوں کی ٹوپی اتاری اور فرمایا: میاں محمد واضح سمور بہت گرم اور جاڑوں میں بہت مفید ہوتا ہے، میں سمجھ گیا کہ میرے دل میں جو بدظنی تھی اس پر ملا صاحب

نہاد خواستم کہ سوال از حل و حرمتش بنمایم قبل ازاں کہ بسخن در آیم گفت: عمر بمطالعۂ کتب فقہیہ گزشت اما تحریم حقہ و درسِ منطق از کلام معتبرین ثابت نگشتہ و شاہ علم اللہ جد شما شاید حقہ را حرام می گفتند، ایں را اگر از کتابے بر آوردہ باشند مرا نشان دہید، گفتم تصریح دریں باب واقع نگشتہ اما حرکت لغو و بے فائدہ است ازیں جہت منع می کرد، فرمود بایں منافع ہم دارد مثل کسر ریاح و دفع قبض وغیرہ اوجاع و امراض بادی بعضے کہ دریں باب از حد افراط و تفریط درگزشتہ اند، لغو و باطل ست چہ اصل ہر شے مباح است و ہر گاہ کہ از شارع نص بر حرمت نیافتہ باشند حل بر اصل نمایند ....

مطلع ہو کر میرے وہم کا جواب دے رہے ہیں اتنے میں ایک خدمت گذار نے حقہ لاکر ملا صاحب کے سامنے رکھ دیا، اب میں حقہ کے جائز و ناجائز ہونے کے بارے میں استفسار کرنا ہی چاہتا تھا کہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی ملا صاحب نے فرمایا: ساری عمر فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں گزر گئی لیکن مستند مصنفین کی کتابوں میں کہیں بھی حقہ کشی اور منطق پڑھانے کی حرمت کا کوئی ثبوت نہیں ملا، آپ کے دادا شاہ علم اللہؒ غالباً حقہ نوشی کو حرام بتاتے تھے، اگر یہ مسئلہ انھوں نے کسی کتاب سے لیا ہے تو مجھے بھی اس کا حوالہ بتایئے"۔ میں نے کہا اس بارے میں کوئی صراحت تو کتابوں میں نہیں ملتی ہے، لیکن چونکہ یہ ایک بے کار اور لغو کام ہے، اسی لیے وہ منع کرتے تھے"۔ ملا صاحب نے فرمایا لیکن حقہ نوشی میں فائدہ بھی تو ہے، ریاح کا توڑنا، قبض کو رفع کرنا، درد اور بادی امراض میں اس کا مفید ہونا وغیرہ، جو لوگ اس سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے

Marfat.com

ہیں وہ مہمل اور فضول بات ہے، اس لیے کہ ہر چیز اصلاً مباح ہے، شریعت میں اگر حرام ہونے کی صراحت نہیں ہے تو اصل ہی پر ہر شے کو محمول کرنا چاہیے......

اما منطق وسیلۂ ازدیاد قوۂ نطقیہ وطریقۂ امتیاز رائے صواب از رائے باطل است کہ مراعات قوانین منطق موجب عصمت از خطا است در فکر پس دانستن قدر ضروری ازاں واجب، چہ وے از مبادی علم اصول فقہ است و ممنوع و حرام مزاولت قواعد فلسفیہ کہ مخالف نص قرآنی و احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات باشند۔

رہا منطق کا معاملہ تو وہ قوت عقلیہ میں اضافہ کرتی ہے، اور صحیح و غلط نتیجے کے درمیان اس کے ذریعہ فرق کیا جا سکتا ہے، منطق کے قواعد کو پیش نظر رکھنے سے غور وفکر میں غلطی سے حفاظت ہوتی ہے، اس لحاظ سے بقدر ضرورت منطق کا جاننا واجب ہے، اس لیے کہ وہ علم اصول فقہ کے مبادیات میں سے ہے، ممنوع یا حرام اگر ہے، تو وہ فلسفے کے اُن قواعد و اصول میں مشغولیت ہے جو قرآن و احادیث کے خلاف ہیں۔

اس واقعہ سے ملا نظام الدین فرنگی محلی کی فقیہانہ نظر اور دینی بصیرت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے، بلکہ اُن کے مرتب کردہ درس کا جسے درسِ نظامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک نمایاں پہلو اُبھر کر سامنے آجاتا ہے وہ یہ کہ فقہی تنگ نظری کا اس سے سدباب ہو جاتا ہے، اسی درس کے نتیجے میں علامہ شبلیؒ نعمانی کے الفاظ میں:

"علما میں وہ سختی کم ہوگئی جو فقہا میں عموماً ہوتی ہے، فتاویٰ عالم گیری میں تکفیر کا باب اٹھا کر دیکھو اس کے مقابلے میں مولانا بحر العلوم نے (ملا نظام الدین بانیِ درسِ نظامی

Marfat.com

کے فرزند اور شاگرد نے) ارکانِ اربعہ میں امامت کی بحث میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مقابلہ کرو تو زمین و آسمان کا فرقِ نظر آئے گا۔"　　(درسِ نظامیہ از علامہ شبلی نعمانی)

فرق یہی نظر آئے گا کہ یہاں مسائلِ فقہیہ اصول پر منطبق نظر آئیں گے اور اصول ہی کی روشنی میں استفسارات کے جواب دیے جائیں گے، اگر ہر شے کی اصل مباح ہے تو جب تک اس کی ممانعت یا مضرت رسانی کے سلسلے میں کتاب وسنت سے کوئی سند نہ ملے گی، اس وقت تک وہ مباح ہی رہے گی، برعکس اس کے فتاویٰ عالمگیری میں، جو قدیم، مستند اور غیر مستند فقہی ذخائر کا مجموعہ ہے، ان ذخائر کے حوالے کی روشنی میں فیصلے ملیں گے، خواہ وہ اصول پر منطبق ہوں یا نہ ہوں، بانیِ درسِ نظامی کے استاذ الاساتذہ ملا عبدالسلام دیوی (ملا قطب شہید سہالوی کے اور اُن کے والدِ ماجد کے استاد) کے بارے میں رسالہ قطبیہ کے مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ:۔

خلافِ روایاتِ فتاویٰ فتویٰ می داد زیرا کہ بر اصول منطبق نمی یافت۔	فتاویٰ کی کتابوں میں درج فتووں کے برخلاف فتویٰ دیتے تھے، اس لیے کہ کتابوں میں درج فتاویٰ اصولِ فقہ پر منطبق نہیں پاتے تھے۔

تو اس کا مطلب یہی ہے کہ فتاویٰ کے ذخیروں میں جو فتوے درج ہیں اُن میں ایسے بھی ہیں جو اصولِ فقہ کے مقررہ قواعدِ استنباطِ مسائل کے مطابق نہیں ہیں، اسی لیے ملا عبدالسلام دیوی جو بقول مصنفِ رسالہ قطبیہ علمِ اصولِ فقہ کے ہندوستان میں رواج دینے والے تھے، ان "ذخائرِ فتاویٰ" میں درج فیصلوں کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی بھی جو فقہی رائے رکھتے تھے، وہ اصول کی روشنی میں قائم کر کے رکھتے تھے، اور عام فقہاء کی طرح تشدد اور تقشف سے کام نہیں لیتے تھے، اور یہ نتیجہ تھا معقولات سے مزاولت رکھنے کا کہ فکر و نظر سے مسئلے کی تہ تک پہونچنے کا سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

مشرب کے اعتبار سے ملا صاحب صوفی تھے، اور اپنے وقت کے ایک ممتاز قادری شیخ حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے (یعنی ان کو اپنے مرشد کی طرف سے لوگوں کو مرید کرنے کی اجازت تھی) ملا صاحب کے مریدوں کی تعداد خاصی تھی، جن کی تربیت ملا صاحب کرتے تھے، کشف و کرامات کے متعدد واقعات عمدۃ الوسائل میں درج ہیں، جس میں سے ایک واقعہ ایسا ہے جو علمی رنگ بھی رکھتا ہے۔

ملا محمد مبین فرنگی محلی نے بیان کیا کہ مولوی امین الدین نے مجھ سے یہ واقعہ نقل کیا کہ میں خدمت میں حاضر تھا، ملا صاحب نے فرمایا کہ ایک صاحب چار منزل سے میرے لیے حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی لا رہے ہیں، یہ نہیں معلوم کہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا کون سا حاشیہ ہے۔ (ملا سیالکوٹی کے کئی کتابوں پر حاشیے ہیں) جی چاہتا ہے کہ تفسیر بیضاوی پر ان کا جو حاشیہ ہے وہ ہو، — ایسا ہی ہوا کہ چار روز کے بعد وہ صاحب آئے اور انھوں نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا وہ حاشیہ پیش کیا جو انھوں نے تفسیر بیضاوی پر لکھا تھا، مولوی امین الدین کہتے ہیں کہ مجھے مدتوں یہ خلجان رہا کہ ملا صاحب نے بطور کشف یہ تو معلوم کر لیا کہ اتنی دور سے ایک شخص ان کے لیے حاشیہ عبدالحکیم لے کر آ رہا ہے، لیکن کشف سے یہ نہ معلوم کر سکے کہ کون سا حاشیہ ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جب میں نے کتابوں میں یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو از روئے کشف مقام ہجرت معلوم ہوا تھا اور آپ نے صحابہ سے اس کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ "یہ نہیں معلوم کہ ہجرت کی جگہ مدینہ ہے یا حجر"، اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ کشف میں اسی طرح ہوتا ہے کہ جو چیز دکھائی جاتی ہے اس کی بعض علامتوں کو ظاہر کر دیا جاتا ہے اور بعض کو نہیں ظاہر کیا جاتا، اس وقت میری تسلی ہو گئی۔

(عمدۃ الوسائل قلمی)

ایک صاحب میاں محمد ماہ جوہری تھے، جو بڑے دیندار آدمی تھے، ان کے بارے میں ملا ولی اللہ نے لکھا ہے کہ :-

Marfat.com

از ابتدائے طفولیت بخدمت مولانا علیہ الرحمہ حاضر می شدند و استفادہ کردہ اند۔

بچپن ہی سے ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان سے فیض بھی حاصل کیا تھا۔

میاں محمد ماہ جوہری نے اپنا ایک واقعہ خود ملا ولی اللہ فرنگی محلی سے بیان کیا کہ مجھے جوانی کے زمانے میں بعض صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظنی رہتی تھی، ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت اونچا پہاڑ ہے جو بیچ سے دو ٹکڑے ہو گیا ہے، اور میری طرف اس طرح بڑھ رہا ہے کہ جیسے میرے گلے میں طوق کی طرح اتر کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔ ڈر کے مارے میری آنکھ کھل گئی اور صبح ہی میں ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا خواب ان سے بیان کیا، ملا صاحب نے فرمایا:۔

شاید شمارا با کسے از اصحاب جناب اطہر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بد اعتقادیت ازیں سبب بر شما چنیں حادثہ پیش آمدہ و آں کوہ ایمان شما بود کہ ازیں باعث شق گشتہ و در تخلل افتادہ و سابق ازیں بر عقیدۂ من اطلاع نداشت فرمود کہ لازم کہ ازیں توبہ کن و گرنہ موجب ہلاک تو گردد۔

شاید تم اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے بد اعتقاد ہو، اسی سے تم پر یہ حادثہ گزرا، وہ پہاڑ تمھارا ایمان ہے جو اسی بد اعتقادی کی وجہ سے شق ہو گیا اور یہ پریشانی پیدا ہوئی۔ میاں محمد ماہ جوہری کہتے ہیں کہ میرے اس عقیدے کی ملا صاحب کو کوئی خبر پہلے سے نہ تھی، یہ خواب سن کر ملا صاحب نے فرمایا کہ اس بد اعتقادی سے توبہ کرنا تمھارے اوپر لازم ہے، ورنہ تمھاری تباہی کا باعث ہوگی۔

ملا صاحب کے دو بھانجے محمد عاشق اور فرحت اللہ زمیندار تھے، ایک دفعہ مالگزاری کے محاسبے کے سلسلے میں محمد اکبر یار خان ناظم علاقہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے،

Marfat.com

ان کے رشتہ دار اور عزیز ملا صاحب کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے۔ ملا صاحب نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص زیادہ دیندار ہو، وہ یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ کا جس قدر ممکن ہو ورد کرے[۵]، اس ورد کے دوران ورد کرنے والے نے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، حضرت غوث پاکؒ نے خواب دیکھنے والے کو اپنے پائے مبارک کے آبلے دکھائے اور دریافت فرمایا کہ تم نے اتنی تکلیف مجھے کیوں دی، واقعہ سننے کے بعد ناظم محمد اکبر یار خاں کو یاد فرمایا، اور اُس کی سرزنش فرمائی، خواب دیکھنے والے نے خواب کی تفصیل ملا صاحب سے عرض کی، اُس وقت ملا صاحب کے برادر زادے ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی بھی موجود تھے، اُنھوں نے خواب سُن کر فرمایا کہ کام تو ہو جائے گا لیکن حضرت غوث پاکؒ کا اظہار تکلیف اور آبلہ پائی قرینہ ہے کہ کام ہونے میں دیر ضرور لگے گی۔ (عمدۃ الوسائل)

ایک نابینا شیخ ملک محمد، ملا صاحب کی خدمت میں آئے اور اپنی معذوری اور بیروزگاری کا حال بیان کیا، ملا صاحب نے ان کو تسلی دی کہ بینائی نہ ہونے سے پریشان نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی صلاحیت بخشے گا کہ ہر قسم کے ہتھیار اور جواہرات کو ہاتھ سے چھو کر اس کی عمدگی، خرابی اور قیمت وغیرہ کا صحیح صحیح حال بتا سکو گے، اور یہی پیش آیا کہ وہ تلوار وغیرہ کو چھو کر بتا دیتے تھے کہ اس کا لوہا کس قسم کا اور اس کی خوبیاں کیا کیا ہیں، یہانتک کہ اگر ایک تلوار دوبارہ

---

[۵] اس ورد کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے ہے۔ بعض علماء اس کے پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں، کوئی سو سال پہلے اس سلسلے میں ایک صاحب نے جن علماء سے استفتاء کیا تھا ان میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دیوبندی بھی تھے انھوں نے بھی کلیتہً اس ورد کو ممنوع نہیں قرار دیا ہے، ان علماء کے جوابات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا نام ہے "فتویٰ جواز یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ" مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس کی اجازت دی ہے، ان کی تحریری اجازت مولانا حکیم واثق الیقین سجادہ نشین کرسی ضلع بارہ بنکی اور مولانا محمد ناصر فرنگی محلی (حفید ملا نظام الدین) کے پاس میں نے خود دیکھی ہے۔　　محمد رضا انصاری

Marfat.com

ان کو دکھائی جاتی تو وہ بتا دیتے کہ اسے دیکھ چکے ہیں اور اس کا لوہا، جوہر اور صفائی اس قسم کی ہے، ماہرین اسلحہ و فولاد ملک محمد اعمیٰ کے اندازوں کی توثیق کرتے تھے، اس سلسلہ میں ان کی ایسی شہرت ہو گئی کہ :-

ناظم الملک وزیر الممالک نواب صفدر جنگ ابو المنصور خاں بہادر غفر اللہ تعالیٰ او را طلبید و تمامی سلاح خانہ خود ملاحظہ کنانید و صفت ہر یک از شمشیرہا و کاردہا و دیگر اسباب آہنی کہ ملک محمد بیان ساختہ بواقع ہم چناں بود، دانست کہ ایں مرد کامل است در فن خویش، بر معاش او مقرر کردہ دادند بخوبی تمام بخانۂ خود نشستہ اوقات بسر می کرد و می گفت کہ ایں ہمہ بہ برکت زبان مولانا علیہ الرحمہ بمن حاصل گشتہ ورنہ من ہماں اعمایم کہ بودم
(عمدۃ الوسائل)

ناظم صوبۂ اودھ وزیر الممالک نواب صفدر جنگ ابو المنصور خاں بہادر نے ان کا شہرہ سن کر بلوایا اور اپنے اسلحہ خانے کے تمام ہتھیار دکھائے۔ تلواروں، خنجروں وغیرہ کے جو جو اوصاف ملک محمد نے بیان کیے درحقیقت وہ ان ہی اوصاف کے حامل اسلحہ تھے، صفدر جنگ کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص اپنے فن میں کامل ہے اور ان کا گزارہ مقرر کر دیا، وہ مزے میں اپنے گھر میں بیٹھے زندگی کے دن گزارتے رہے، ملک محمد کہا کرتے تھے کہ یہ ساری شہرت اور خوشحالی ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان کی برکت کا طفیل ہے ورنہ میں تو وہی نابینا ہوں جو تھا۔

ملا نظام الدین کے دیکھنے والوں سے سن کر ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے جو خصائل ملا صاحب کے بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں :-

كان نبيلاً، شريفاً، كريماً، حليماً، زاهداً، ورعاً، متبعاً لسنة رسول الله

نیک خصائل، شریف، مہربان، بردبار، متقی، زاہد، پرہیزگار، رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

فی اعلاء کلمۃ الحق وکان لا یتکلم	صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پیرو، حق
الا لیناً من القول ولا یلبس الا خشنا	بات کے کہنے میں ہمیشہ نرم بات کہتے
من الثیاب عضداً للضعفاء و	اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے، کمزور کے قوت
للمساکین وھادیاً للمضلین...	بازو غریبوں کے مددگار اور گمراہوں کے
...... ہرگز گاہے بجہت طلب معاش	راہنما تھے، .... گزارہ مقرر کرانے
بجانب احدے از اہلِ دول التجا نہ	کی خواہش لے کر کبھی کسی دولتمند یا حاکم کے
بردہ و بغیر خدا حال خود کسے نہ گفتہ	پاس نہیں گئے۔ سوائے خدا کے اپنا حال
	کسی سے نہیں کہا۔

خدائے تعالیٰ کے سوا کسی پر اپنا حال ظاہر نہ کرنے کے ذاتی رویہ کے ساتھ ساتھ ملا صاحب اس کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ ان کے متعلقین میں کوئی ایسی بات زبان سے نکالے جو خدا کے علاوہ کسی اور پر اعتماد کا ادنیٰ سا شائبہ رکھتی ہو، اسی سلسلہ کا یہ واقعہ ہے کہ جب ملا صاحب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آخری حالت ہو گئی تو ملا صاحب کی پہلی بیوی حاضر خدمت ہوئیں اور کہا "آپ کی خدمت میں مجھ سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو معاف کر دیجئے" ملا صاحب نے فرمایا "تم سے کوئی قصور یا کوتاہی نہیں ہوئی، میں نے ہی تمہارے سلسلہ میں کوتاہی کی کہ تمہارے اوپر تمہاری سوت لے آیا، میں خود تم سے معذرت خواہ ہوں"۔ دوسری بیوی (والدۂ ملا بحر العلوم) اس کے بعد آئیں اور کہنے لگیں "میرے لیے کیا فرماتے ہیں، اور مجھ مع ان بچوں کے کس کے سپرد کر رہے ہیں، آپ کے بعد آپ کی بیوہ اور ان یتیموں کی خبر گیری کون کرے گا؟۔

بسمعِ ایں کلمات مغموم خاطر گشت و گفت	یہ الفاظ سن کر ملا صاحب کبیدہ ہو گئے
مرا برداریدہ ہر دماں گرفتہ بر داشتند فرمود،	اور فرمایا "مجھے اٹھا کر بٹھا دو" حاضرین نے
از پیشِ من برخیزید نظام الدین می میرد،	سہارا دے کر بٹھا دیا، فرمایا دفع الباً زوجہ

خدائے کہ رزاقِ مطلق است موجود و باقی ست، ایں بگفتہ۔ و بعدہ اشغال مشغول گشتہ

(عمدۃ الوسائل)

ثانیہ سے مخاطب ہو کر) میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، نظام الدین مر رہا ہے، خدا جو رازق مطلق ہے باقی اور موجود ہے"۔ یہ فرما کر ملا صاحب انگلیوں پر وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

ملا صاحب کی گزر بسر کا ذریعہ کیا تھا؟ اس سلسلہ میں ایک حوالہ تو "حویلی فرنگی" کے اُس فرمان میں ملتا ہے جو اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۱۰۵ھ میں جاری کیا تھا جس میں "حویلی فرنگی" کے ساتھ "متعلقات حویلی" کا بھی ذکر ہے، یہ "متعلقاتِ حویلی" کرایہ داروں کے پاس تھے، اور جیسا کہ اوپر گزرا، سرکش کرایہ داروں کو ملا صاحب کے برادر زادہ ملا احمد عبدالحقؒ نے زیر کیا تھا، اور اُن سے کرایہ داری کے سرخط لکھوا لیے تھے، مگر اس حوالے سے یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ کتنی آمدنی ہوتی تھی۔ بہر حال جو بھی ہوتی ہو گی وہ اولاد ملا قطب الدین شہید میں تقسیم ہوتی ہو گی، اس میں ملا صاحب کا کتنا حصہ ہوا کرتا تھا، یہ آج بتانا بہت مشکل ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کا ایک دوسرا فرمان۔ انتہائی کرم خوردہ حالت میں محفوظ رہ گیا ہے، جو "باسمہ سبحانہٗ و تعالیٰ" کی پیشانی سے شروع ہوتا ہے، اس کے نیچے ایک بڑی مُہر سُرخ روشنائی سے لگی ہے، جس میں "فرمان ...... ابو المظفر ...... محمد محی الدین بادشاہ ...... کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، باقی دیمک کے نذر ہو گئے ہیں، فرمان کی داہنی طرف ایک اور مُہر ہے، جو سیاہ روشنائی سے لگائی گئی ہے، اس کے وسط میں ابو المظفر محمد محی الدین عالمگیر کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، "ابن" کے تحت اور گرد کچھ نام اور ہیں جو پڑھے نہیں جاتے ہیں، مُہر کے چاروں کونوں پر اللہ کے چار نام لکھے ہوئے ہیں، جن میں دو "یا واسع" "یا" "نافع" صاف صاف پڑھے جاتے ہیں اور "یا فتاح" بھی پڑھنے میں آتا ہے، اورنگ زیب کی یہ مُہر ۱۱۰۰ھ کی ہے، مُہر کا سال اسی پر کندہ ہے لیکن اجرائے فرمان کی تاریخ محو ہو گئی ہے، فرمان کی جو عبارت دیمک کی نذر ہونے

Marfat.com

سے رہ گئی ہے، وہ حسب ذیل ہے :۔

"دریں وقت میمنت عنوان فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک صد دوازدہ بیگھہ زمین افتادہ لائقِ زراعت خارج جمع از پرگنہ دیوی تابع سرکار لکھنؤ مضافات صوبۂ اودھ در وجہ مدد معاش شیخ نظام الدین وغیرہ حسب الضمن مقرر باشد کہ حاصل آں را صرف مایحتاج نمودہ بدعائے بقائے دولت ابد طراز اشتغال نمایند، باید کہ حکام وعمال وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال آراضی مزبورہ را پیمودہ وچک نمودہ .... وقانون گوئی وضبط ہر سالہ بعد تشخیص چک وتکرار زراعت وکل مطالبات سلطانی وتکالیف دیوانی ...."

اس کرم خوردہ فرمان سے اتنی بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب نے قصبۂ دیوی کی ایک سو بارہ بیگھہ اراضی جو قابلِ کاشت تھی، ملا نظام الدین وغیرہ (یعنی اولاد ملا قطب الدین شہید سہالوی) کو گزر بسر کے لیے دی تھی کہ اس کی پیداوار کو وہ اپنے صرف میں لائیں اور سلطنت کی دعا گوئی میں مصروف رہیں۔

اس فرمان میں بھی تنہا ملا نظام الدین کی گزر بسر کا جداگانہ بندوبست نہیں ملتا ہے، ملا قطب الدین شہید کا پورا کنبہ جو ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے تک اس سے زیادہ ہو چکا تھا، جتنا سہالی سے ترک وطن کر کے یہاں آیا تھا، اس پیداوار میں بہ حصۂ رسدی حق دار تھا، یہ قطعی ہے کہ یہ فرمان "حویلی فرنگی" کے فرمان کے کئی سال بعد صادر ہوا، اور اس وقت صادر ہوا جب ملا صاحب جو پہلے فرمان کے وقت ۱۶ سال کے تھے، اس لیے قابلِ ذکر نہ تھے، اس فرمان کے وقت سرگروہ خاندان ملا قطب شہید ہو چکے تھے اور یہ اورنگ زیب کا آخری زمانہ ہوگا۔

ایک اور فرمان کی اصل تو نہیں مگر نقل محفوظ رہ گئی ہے، جس پر کوئی مہر نہیں ہے، اس "فرمان والاشان" کی تاریخ اجراء "دہم رجب المرجب سال دوم از جلوس والا" ہے، پورا فرمان گھسیٹ میں نقل ہوا ہے، اور غیر ماہر اسے بدقت پڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ پورا کا پورا

Marfat.com

محفوظ ہے۔

ایک غیر ماہر فوٹو کے اسے جس قدر پڑھ سکا، اس کا ضروری اقتباس حسب ذیل ہے :-

: فرمان واجب الاذعان صادر شد کہ دو روپیہ بلا قصور ...... معاف یومیہ از خزانہ عامرہ سرکار لکھنؤ صوبہ اودھ در وجہ مدد معاش ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر یافت بر آوردہ صرف معیشت نمود، بدعائے بقائے دولت روز افزوں مواظبت نمایند، باید کہ متصدیان مہمات و داروغگان و مسرفان حال و استقبال یومیہ مذکور را موافق ضابطہ معمول بادمی رسانیدہ باشند و اندریں باب ہر سال سند مجدد نطلبند و اگر در محلہ بگیرہ چیزے نوشتہ باشد آنرا اعتبار نہ کنند۔ شرح یادداشت واقعہ بتاریخ ...... دہم ذوالحجہ سنہ ۲ جلوس معلی موافق ۱۱۱۹ھ مطابق ۲۲ اسفندار ماہ سر۔

شرح یادداشت کے تحت متعدد عہدیداروں کے نام درج ہیں۔ (۱) رفیع القدر امجد خان (۲) فدوی درگاہ آسمان جاہ میر محمد (۳) شجاعت نشان صمصام الدولہ باقر بیگ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصرت جنگ (۴) رکن السلطنت العلیہ نظام الملک آصف الدولہ، (۵) مؤتمن الدولۃ العلیہ معتمد السلطنۃ الالہیہ عمدہ امرائے رفیع الشان زبدۃ خوانین ...... جملۃ الملک مدار المہام خانخاناں بہادر ظفر جنگ ......

اس کی پشت پر ایک مہر ہے جس کی عبارت یہ ہے۔ "خادم شرع مفتی محمد غوث" اس فرمان کی تاریخ اجراء "سال دوم جلوس والا" ہے، جس کو ۱۱۱۹ھ کے مطابق کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرمان اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال (وفات ۱۱۱۸ھ) کے بعد اس کے بیٹے شاہ عالم محمد معظم شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال جاری ہوا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے قصبہ دیوی (ضلع بارہ بنکی) کی ایک سو بارہ بیگھہ آراضی قابل کاشت کے فرمان کے بعد جس میں شیخ نظام الدین وغیرہ شامل تھے، اس کے بیٹے محمد معظم شاہ کا فرمان آتا ہے، جس کی نقل اوپر گزری اس میں دو روپیہ یومیہ کا گزارہ صرف

Marfat.com

"ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید" کے نام مقرر ہوا ہے، لیکن یہ دو روپے یومیہ کا گزارہ بھی تنہا ملا نظام الدین کا نہ تھا، اس کے بعد والے ایک اور پروانہ میں جس میں "دو روپیہ یومیہ" کا ذکر ہے "وغیرہ" بھی بڑھا ہوا ہے، یہ پروانہ جس میں "وغیرہ" کا اضافہ ہے، دو مہریں رکھتا ہے، جو صاف صاف پڑھی جاتی ہیں۔ (۱) حبش خان مرید عالمگیر بادشاہ (۲) سربلند خان بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی، فرخ سیر کی مدت حکومت ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء سے ۱۱۲۹ھ مطابق ۱۷۱۹ء تک ہے، اسی طرح ایک اور پروانہ مہری "قطب الملک یمین الدولہ۔ خان بہادر ظفر جنگ۔ فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" (مہر کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے) بھی ہے، "حبش خاں مرید عالمگیر بادشاہ والا پروانہ جس پر دوسری مہر "سربلند خاں بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی" کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب ہی کے زمانہ کا ہے، اس لیے کہ اس پر تاریخ "بست ونہم محرم الحرام سنہ ۴۲ جلوس والا" پڑی ہے، اور ملا نظام الدین کی زندگی میں مغل بادشاہوں میں سے صرف اورنگ زیب ہی نے اپنے جلوس کا بیالیسواں سال پایا تھا، اورنگ زیب کا بیالیسواں سال ہجری سال کے ۱۱۱۱ھ کے مطابق پڑتا ہے، اور یہ زمانہ ملا نظام الدین کی طالب علمی کا تھا، اسی لیے اس پروانہ میں بھی ان کے بڑے بھائی "شیخ محمد (اسعد) وغیرہ کا ذکر ہے، اس کے ۱۵-۱۶ سال بعد اسی کی تجدید فرخ سیر نے کی، اس وقت ملا نظام الدین فرنگی محل میں مسند درس بچھا کر طلبہ کو فیض پہونچانے لگے تھے، اور اس وقت تک غالباً ان کے دونوں بڑے بھائی وفات پا چکے تھے، اس لیے اس پروانے میں جو قطب الملک یمین الدولہ عبد اللہ خان بہادر ظفر جنگ فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" کی مہر سے مزین ہے "ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین شہید" کا نام ہے۔

یہاں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ اورنگ زیب کے بیالیسویں سال جلوس کا جو فرمان ہے جس میں "یک روپیہ در وجہ یومیہ" کا ذکر ہے، اس میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ طلبہ اور مہمانوں کے مصارف کے پیش نظر یومیہ مقرر ہوا تھا، فرمان کا عہدہ ہے جب ملا نظام الدین خود طالب علم تھے، ان کے پاس طلبہ کے آنے کا کیا سوال۔ اس فرمان میں بیشک

ملا نظام الدین کا نام نہیں ہے، ان کے بھائی شیخ محمد (اسعد) وغیرہ کا نام ہے، مگر شیخ محمد اسعد تو خود دربارِ عالمگیری سے متعلق تھے، اور عالمگیر کے ساتھ ہی رہتے تھے، پھر فرنگی محل میں اس وقت طلبہ کا مرجع (ذوی) کون تھا؟ ملا نظام الدین کے منجھلے بڑے بھائی ملا محمد سعید بھی جانشین ملا قطب شہید کو فرنگی محل میں بسا کر بادشاہ کے پاس چلے گئے تھے، وہ یہاں رہتے ہوتے تو طلبہ ان کے پاس پڑھنے آسکتے تھے۔ ایک حوالہ ضرور ایسا ملتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے ملا محمد سعید بن ملا قطب الدین شہید نے بھی درس و تدریس کا شغلہ اپنے والد کے بعد جاری رکھا، تذکرۂ مشاہیرِ کاکوری میں مذکور ملا عبد الرقیب کے بارے میں صاحبِ تذکرہ نے لکھا ہے کہ "کتبِ درسیہ کی تعلیم ملا سعید فرنگی محلی سے اور احادیث کی سند ملا نقشبند سے حاصل کی" (صت ۲۴۶) ملا عبد الرقیب کی وفات ۱۱۱۹ھ میں ہوئی۔ اس سے بھی قیاس قائم کیا جا سکتا ہے کہ ملا سعید نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس سے دلچسپی لی۔ مگر اس حوالے سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل ہے کہ فرنگی محل میں منتقل ہونے کے بعد (۱۱۰۵ھ) بھی ان کا یہ شغل جاری رہا، اس لیے کہ ملا عبد الرقیب کا زمانۂ تلمذ اس سے بہت پہلے کا معلوم ہوتا ہے، کاکوری میں ان کی تعمیر کردہ مسجد کا سنہ ۱۱۰۰ھ ہے۔ بہر حال اس "یک روپیہ در وجہ یومیہ" والا فرمان یہ ہے:-

متصدیان مہمات حال واستقبال پرگنہ سرنڈی وگوپی سرکار لکھنؤ مضافات بصوبہ اودھ بدانند چوں حقیقت استحقاق فضیلت وکمالات دستگاہ شیخ محمد وغیرہ فرزندان غفران پناہ مولوی حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ بظہور پیوست کہ ہیچ وجہ معیشت ندارند بعسرت می گزرانند وخرچ واخراجات طلبہ ودارد وصادر سوا استہا بسیار دارند لہذا مبلغ یک روپیہ در وجہ یومیہ وصولی بلا تصور حسب الضمن از محصول پرگنات من ابتدائے پانزدہم ربیع الاول ۴۲ھ بجہت خرچ واخراجات بتصدق فرق مبارک بندگان حضرت خلافت منزلت قدر قدرت ظل سبحانی مقرر نمودہ شد کہ از تحویل فوطہ دار پرگنات مذکور گرفتہ بتصرف خود درآوردہ بعبادتِ الٰہی و بدعا گوئی مشغول باشند تحریر بتاریخ بیست ودوم شہر محرم الحرام ۴۲ھ۔

اس فرمان کی پشت پر جو شرح یادداشت ہے، اس میں چار الگ الگ خط کھنچے ہیں، اور اُن کے نیچے الگ الگ "فرزندان غفران پناہ مولوی حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہ" کے نام لکھے ہیں، جن میں دو نام "نظام الدین" اور "محمد رضا" صاف پڑھے جاتے ہیں، اس فرمان کے بموجب ایک روپیہ یومیہ میں ملا صاحب کا حصہ ایک چوتھائی ہوا، تاریخ اجرائے فرمان یعنی ۱۱۱۱ھ میں "اخراجات طلبہ و دارد و صادر" فرنگی محل میں ہوتے تھے؟ یہ تو ملا نظام الدین کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۱۱۶ھ یا ۱۱۱۸ھ میں شروع ہوئے ہوں گے! بہرحال یہ نکتہ ابھی مزید تحقیق و تفتیش کا محتاج ہے۔ محمد معظم شاہ کے سال دوم جلوس والا مطابق ۱۱۱۹ھ میں بے شک طلبہ کی کثرت کے نتیجے میں ملا صاحب کو کفالت طلبہ میں تنگی محسوس ہوئی ہوگی، محمد معظم شاہ بادشاہ کے فرمان میں جو اوپر مذکور ہوا "یک روپیہ" کے بجائے "دو روپیہ یومیہ" بصراحت ملا نظام الدین ولد ملا قطب الدین" درج ہے۔ اس کے بعد فرخ سیر کے فرمان میں بھی ملا نظام الدین کے نام کی صراحت کے ساتھ "دو روپیہ یومیہ" گزارہ باقی رکھا گیا۔

ان دستاویزوں کے پیش نظر ملا صاحب کے گزارے کی مشترکاً اور منفرداً تفصیل اس طرح کی جا سکتی ہے:۔

۱۔ چاروں بھائیوں میں مشترک۔ کرایہ متعلقات "حویلی فرنگی"
ازروئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر بابت حویلی فرنگی ۱۱۰۵ھ

۲۔ چاروں بھائیوں میں مشترک۔ قصبہ دیوی کی آراضی کی پیداوار
ازروئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر۔ (تاریخ محو ہو چکی ہے)

۳۔ چاروں بھائیوں میں مشترک۔ ایک روپیہ یومیہ
ازروئے فرمان اورنگ زیب عالمگیر۔ تاریخ جلوس والا سال ۴۲ھ

۴۔ صرف ملا نظام الدین صاحب کے نام۔ دو روپے یومیہ برائے اخراجات طلبہ و وارد و صادر
ازروئے فرمان شاہ عالم محمد معظم شاہ بن عالمگیر ۱۱۱۹ھ

Marfat.com

۵۔ ملا صاحب وغیرہ کے نام مشترک طور پر ۔ دو روپیہ یومیہ
از روئے فرمان مہری سربلند خاں بندۂ فرخ سیر بادشاہ غازی۔

بہرحال ملا نظام الدین فرنگی محلی کا ذریعہ آمدنی منفرداً، اگر تھا تو دو روپیہ یومیہ والا فرمان تھا، یہ روزینہ عہد فرخ سیر تک ضرور ملتا رہا ہوگا، اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کا لمبا دور آتا ہے، جس کے دوران صوبۂ اودھ میں وزیر الممالک نواب برہان الملک کا اقتدار قائم ہوا، اور علامہ آزاد بلگرامی کے الفاظ میں :۔

"تا آں کہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبۂ اودھ شد .... وظائف وسیور غلات خانوادہائے قدیم و جدید یک قلم ضبط شد و کار شرفا و نجبار بہ پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آں جا را از کسب علم باز داشتہ....

.... انا للہ و انا الیہ راجعون

و بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادہ او ابو المنصور خاں صفدر جنگ رسید و وظائف و اقطاعات بدستور زیر ضبط ماند .... و تا حین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است۔

(مآثر الکرام، جس کی تصنیف کے اختتام کا سال ۱۱۶۶ھ ہے، جو صفدر جنگ کی حکومت

یہاں تک کہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد کے شروع میں برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری صوبۂ اودھ کا حاکم ہوا اور تمام پرانے اور نئے خانوادوں کے وظائف اور جاگیریں یک قلم ضبط ہوگئیں، شرفا اور نجبار کے لیے زندہ رہنا مشکل ہوگیا، معاش کی مجبوریوں سے تنگ آکر اودھ کے لوگوں نے حصول علم سے ہاتھ اٹھا لیا......

...... انا للہ و انا الیہ راجعون ۔۔

برہان الملک کے انتقال کے بعد اس کے بھانجے ابو المنصور صفدر جنگ کے ہاتھوں میں حکومت آئی، وظائف اور جاگیریں بدستور ضبط رہیں، اس کتاب کی تصنیف کے وقت تک اس دیار کے لوگ

کا آخری سال ہے) شدائد حوادث روزگار سے پامال ہو رہے

ہیں۔

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ تفصیل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے احوال لکھنے کے فوراً بعد ہی تحریر کی ہے، عجب نہیں کہ ملا صاحب کے ظاہری حالات سے متاثر ہو کر ہی یہ ضمنی تحریر ان کے قلم سے نکل گئی ہو۔ علامہ آزاد بلگرامی خود ملا صاحب سے ملنے لکھنؤ آئے تھے، جس کا زمانہ ۱۱۴۸ھ ہے، اور وظائف و جاگیرات کی ضبطی کو اُس وقت ۱۰ سال گزر چکے ہوں گے اس لیے کہ علامہ آزاد کی صراحت کے مطابق یہ صورت حال ۱۱۳۰ھ کے بعد پیش آئی، ۱۱۳۰ھ کے بعد اکتیس سال تک ملا صاحب بقید حیات رہے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی کا کہنا ہے:۔

غایت عسرت گذاشت اکثر تا سہ روز	انتہائی تنگ دستی کی زندگی گزارتے تھے،
ہیچ میسر نمی شد و برشتے از نخود قناعت	عموماً تین تین روز تک گھر میں کھانا نہیں
می کرد بلکہ ایں ہم میسر نمی شد۔	پکتا تھا، صرف ایک مٹھی چنے پر بسر ہوتی
	تھی، بلکہ ایک مٹھی چنے بھی میسر نہ ہوتے تھے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے جو لکھا ہے اُس کی کلیتاً تردید آج ڈھائی سو برس کے بعد کون کر سکتا ہے، البتہ ملا نظام الدین اور اُن کے کنبے کی حد تک علامہ بلگرامی کا برہان الملک اور صفدر جنگ پر ضبطیِ جاگیر کا الزام صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے برہان الملک اور صفدر جنگ کی معافیاں اور گزارے ضبط کرنے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، عام طور پر اس کو حرف بحرف صحیح سمجھا گیا ہے اور اس کی بنیاد پر بڑی بڑی تاریخی عمارتیں مؤرخوں نے بنائی ہیں، علامہ کا دعویٰ قصبۂ بلگرام کی معافیوں اور گزاروں کی حد تک تو صحیح ہے، اس لیے کہ اس قصبے کے معززین اور معافی داروں سے اور برہان الملک سے کبھی نہیں بنی، اور ان کے گزارے بلاشبہ ضبط ہو گئے، جس کی جرأت مندانہ فریاد بادشاہ دہلی تک گئی اور وہاں سے بحالی کے احکام بھی نافذ ہوئے، یہ تفصیل تاریخ خطۂ پاک بلگرام (مؤلفۂ جناب شریف الحسن بلگرامی)

کے صفحات ۹۵ – ۱۹۴ پر دیکھی جا سکتی ہے، لیکن علامۂ آزاد نے برہان الملک اور صفدر جنگ کے دورِ حکومت کے سلسلے میں جو عام فیصلہ دے دیا ہے، وہ درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک علمائے فرنگی محل کا معاملہ ہے، ملا نظام الدین اور ان کے برادر زادگان ملا احمد عبدالحق اور ملا عبدالعزیز کے گزارے اور معافیوں کے بارے میں برہان الملک اور صفدر جنگ کے پروانے اب تک موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ضبطی کی زد میں نہیں آئیں۔

برہان الملک کے زمانے کا پروانہ ملا صاحب کے برادر زادگان سے متعلق ہے جو حسب ذیل ہے:۔

"پروانہ بمہر نواب برہان الملک بہادر از قرار بتاریخ بست و سوم شہرِ شعبان سنہ ۱۱ مطابق سنہ یک ہزار و یک صد و چہل و یک ہجری (سنہ ۱۱۴۱ھ) بنام عزت و اخلاص درگاہ گلاب رائے در حفظ الٰہی باشند وکیل فرزندان شیخ محمد سعید پسر ملا قطب الدین شہید سہالوی التماس نمودہ کہ سابق بملاحظہ فرمان عہد مبارک پروانہ عدم مزاحمت موضع سیام پور نندونہ عملۂ پرگنہ حویلی بہرائچ بوجہ مدد معاش موکلاں بنام بحال (کذ) از سرکار حاصل نمودہ فی الحال آں اخلاص درگاہ پروانہ مجدد می خواہد (کذ)، نوشتہ شود، لہذا قلمی می گردد کہ برطبق فرمان معلی و پروانہ سرکار بعمل آوردہ نسطہ (کذ) قبض و تصرف مزاحم و متعرض نبودہ واگزارند"

یہ پروانہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے گیارھویں سنہ جلوس یعنی سنہ ۱۱۴۱ھ میں جاری ہوا جس پر "خادم شرع مصطفےٰ قاضی" (نام پڑھا نہیں جاتا) کی مہر ہے، اور مہر کے نیچے "مطابقؒ باصلہ" لکھا ہوا ہے۔

اسی موضع سیام پور نندونہ پرگنہ حویلی بہرائچ کے سلسلے میں جو ملا احمد عبدالحق اور ملا عبدالعزیز فرزندان ملا محمد سعید پسر ملا قطب الدین شہید سہالوی کے گزارے میں تھا، دو پروانے نواب ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ کی مُہر سے شیخ عبداللہ اور اسمٰعیل خاں کے نام ہیں، دونوں کا مضمون تقریباً وہی ہے جو برہان الملک کے پروانے کا ہے، ایک کے اجراء کی تاریخ بیستم جمادی الاول سنہ ۲۰ مطابق سنہ ۱۱۵۰ھ ہے، اور دوسرے کی تاریخ اجراء ششم رمضان المبارک سنہ ۲۳ مطابق سنہ ۱۱۵۴ھ۔ دوسرے پروانے کی مہر پڑھی جاتی ہے، "خادم شرع احمد مقبول قاضی سید غلام رسول"

Marfat.com

ملا نظام الدین کے دو روپیہ یومیہ سے متعلق برہان الملک کا تو کوئی پروانہ نہیں ملتا، لیکن ان کے جانشین نواب صفدر جنگ کے پروانے کی نقل خادم شرع قاضی حبیب اللہ کی مہر کے ساتھ موجود ہے، جس کی عبارت حسب ذیل ہے:-

"پروانہ بمہر نواب ابو المنصور خاں بہادر صفدر جنگ از قرار تاریخ بست و ہشتم شہر ذی الحجہ سنہ (جلوس کا سنہ ہے) برادر مہربان من! وکیل حقائق و معارف آگاہ جامع العلوم مولوی نظام الدین التماس نمودہ کہ دو روپیہ یومیہ بلا تصور بنام متعلقان مشار الیہ از تحصیل مال پرگنہ حویلی لکھنؤ مقررات و تا حال یافتہ آمدہ اند، در نیولا آں برادر پروانہ مجدد بنام خودمی خواہند دریں باب نوشتہ شود بنا بر آں نگارش می رود کہ وجہ مذکور را موافق معمول رسید سابق سرکار از محال قدیم می دادہ باشند و ہر سال پروانہ جدید نطلبند۔"

نواب صفدر جنگ کے نائب راجہ نول رائے جو اپنے منیب کی عدم موجودگی میں حکومت اودھ کے سیاہ و سپید کے مالک رہتے تھے، وہ بھی علمائے فرنگی محل کی مدد معاش اور معافیوں سے کبھی متعرض نہیں ہوئے، ان کے زمانے میں "حویلی فرنگی" سے متعلق ایک اراضی کا قضیہ بھی اٹھا تھا، جس کے سلسلے میں "فرزندان مولوی قطب الدین شہید" کے وکیل نے راجہ نول رائے کی عدالت میں استغاثہ بھی کیا تھا، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

"مہاراجہ سلامت! رافعہ نامی قدرے زمین متصل حویلی فرنگی بدست شیر بیگ و جان بیگ فروخت و مامرداں کہ شفیع مستیم ہر چند کہ دعوی شفعہ نمودیم اثر نہ کرد، لاچار شدہ بجناب عالی عرضی کردیم دستخط خاص مزین شد کہ اول حق شفعہ بگیرد اگر جواب بدہد دیگرے بگیرد شیر بیگ وغیرہ بر دستخط خاص عمل نکردہ بزور می گیرد، امیدوار فضل و کرم است کہ سزاول از سرکار متعین شود یا بنام شیخ دست محمد امر شود کہ زمین از شیر بیگ بر آوردہ حوالہ مامرداں نماید و حق بہ حقداراں کہ شفیع اند برساند عرضی وکیل فرزندان مولوی قطب الدین شہید۔"

اس عرضی پر کوئی مہر بھی نہیں ہے اور تاریخ بھی نہیں ہے، لیکن اس عرضی پر نائب صوبہ

مہاراجہ نول رائے نے جو حکم دیا ہے اُس سے تاریخ وغیرہ معلوم ہوجاتی ہے، نائب صوبہ مہاراجہ کے حکم کی نقل "مطابق باصلہ" خادم شرع محمد تقی الدین کی مُہر کے ساتھ موجود ہے، مُہر پر "۱۱۵۳ھ" کندہ ہے، بیچ میں "محمد تقی الدین خادم شرع" کا نام ہے اور نام کو احاطہ کیے ہوئے یہ عبارت ہو:۔

• قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقاً فقل الحق والا فاسکت۔

آراضی متصل حویلی فرنگی کے سلسلے میں نائب صوبہ مہاراجہ نول رائے کی مہر سے حسب ذیل حکم صادر ہوا:۔

"از قرار تاریخ بست و دوم ربیع الاول ۲۶ سنہ مطابق ۱۱۵۸ھ آنکہ متصدیان مہمات حال و استقبال حویلی لکھنؤ بدانند حویلی فرنگی مع الکمنہ و زمین متعلقہ محدوده طرف مشرق بکوچہ نافذہ کہ داخل بیت المال بود حضرت خلد مکاں (یعنی اورنگ زیب) برائے بودن حقائق و معارف آگاہ جامع العلوم مولوی نظام الدین و دیگر فرزندان مولوی قطب الدین شہید مرحمت فرمودند درینولا رافعہ نامی باغوائے بعض دعویٰ زمین متعلقہ آں نمودہ لہٰذا نگارش میرود کہ دعویٰ او بے حساب و باطل است زمین مذکور بدستور بفرزندان مولوی قطب الدین شہید بحال و برقرار داشتہ واحدے مزاحم متعرض نگردد۔

استغاثہ یہ تھا کہ رافعہ نامی شخص نے جو زمین "متصل حویلی فرنگی" شیر بیگ وغیرہ کے ہاتھ بیچ ڈالی ہے، اس پر حقِ شفعہ فرزندان ملا قطب شہید کا ہے، لہٰذا حقِ شفعہ کے تحت یہ زمین فرزندان ملا قطب الدین شہید کے ہاتھ پہلے فروخت کی جائے اگر وہ لینے سے انکار کریں تو دوسرے کے ہاتھ فروخت کی جاسکتی ہے، اس استغاثہ پر یہی حکم ہوا کہ پہلے فرزندان ملا قطب شہید کو خریداری کا موقع دیا جائے، مگر رافعہ نامی نے نیز خریدار شیر بیگ وغیرہ نے اس حکم کی پرواہ نہ کی، حالانکہ وہ دستخط خاص سے مزین" تھا یعنی مہاراجہ نول رائے نائب صوبہ کے دستخط سے جاری ہوا تھا، فرزندانِ ملا قطب کے وکیل نے دوبارہ عرضی دی کہ شیر بیگ وغیرہ حکم پر عمل نہیں کر رہے ہیں، اور زبردستی زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔"

Marfat.com

نائب صوبہ نے دوبارہ جو حکم دیا وہ یہ کہ "حویلی فرنگی مع مکانات وزمین متعلقہ" تا بگوچہ نافذہ خلد مکان اورنگ زیب نے ملا نظام الدین اور دیگر فرزندان ملا قطب الدین شہید کو رہنے کے لیے مرحمت کی تھی، رافعہ نامی نے جو دعویٰ کیا ہے کہ زمین اس کی ہے (اور اسے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ہے) یہ سب دوسروں کے اکسانے سے کیا ہے، رافعہ کا دعویٰ باطل اور بے وزن ہے، زمین مذکور ملا قطب الدین کے فرزندوں کے نام بحال کی جائے اور کسی شخص کو اس سے مزاحم نہ ہونے دیا جائے۔

آراضی کا یہ معاملہ ملا نظام الدین کی عمر کے آخری دور میں پیش آیا، یعنی ان کے وفات سے پورے چار سال قبل، یہ اودھ میں صفدر جنگ کی وزارت کا اور دلی میں محمد شاہ بادشاہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ صفدر جنگ ہی کے زمانۂ وزارت میں ملا نظام الدین کا انتقال ہوا۔

ایک قدیم تحریر اور دستیاب ہوئی ہے، جس کی مہر صاف نہیں ہے، صرف "خدایار" کے مٹے مٹے الفاظ پڑھے جاتے ہیں، جو ملا نظام الدین کی مدد و معاش سے بالواسطہ تعلق رکھتی ہے، یہ ایک خط ہے جو "خدایار" نامی افسر نے بہلول (گڑھی بہلول) کے تعلقداروں کے نام لکھا ہے اور ان کو تنبیہ کی ہے کہ ملا نظام الدین کے "ایمہ" سے مزاحمت نہ کریں، خط کا متن اس طرح پر ہے:۔

"زبدۃ الاقران چودھری ملک جانسی وغیرہ تعلقدار بھلول معلوم نمایند

چوں پروانہ واگزاشت، ایمہ مولوی نظام الدین ..... آراضی موضع محمد پور وغیرہ از حضور رسید وقبولیت شمایاں بالمقطع ہفتدہ ہزار روپیہ خالصہ مع محمد پور بدفتر رسید ومعاملت سابق کہ از ذریعتا یا نمودہ قبولیت گرفتہ بود بحال نمایند ونیز مچلکہ شمایاں حاضر است کہ ایاں از ایمہ مزاحمت نخواہم رسید ظاہراً آں زبدۃ الاقران از ایمہ مولوی مزاحمت می رسانند مناسب ندارد وبیجا می نماید، اگر حجت خود پیش دیگرے پیش رفت بود پس ہم چنیں گفتن وحجت پوچ نمودن خوب نیست، زنہار مزاحمت ایمہ مولوی نہ کنند محصول موضع مسطورہ حوالہ مولوی مذکور نمایند دریں باب تاکید بلیغ دانستہ حسب المسطور بفعل آرند وقبولیت موضع محمد پور کہ سابق داخل شدہ بود حوالہ آں زبدۃ الاقران شدہ واضح باد۔"

Marfat.com

صاف عیاں ہے کہ موضع محمد پور وغیرہ میں ملا نظام الدین فرنگی محلی کا "ایمہ" تھا، یعنی معافی تھی، جس کا سالیانہ ملا صاحب کو ملنا چاہیے تھا، گڑھی بھلول کے تعلقداروں کی طرف سے مزاحمت ہوتی تھی، یہ معاملہ حکام بالا کے علم میں آیا تو انھوں نے تعلقداران بھلول کو سرزنش کی اور اُن سے مچلکے لیے کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا، مچلکے کے بعد بھی مزاحمت ہوتی رہی، جس کی شکایت حکام بالا تک پہونچی تو یہ تنبیہ کا خط بھیجا گیا کہ "یہ حرکت نامناسب اور سراسر بیجا ہے" اس حرکت کے جواز میں تعلقداروں کی طرف سے جو دلائل دیے گئے اُن کو تنبیہی خط میں "پوچ دلیل قرار دے کر متنبہ کیا گیا کہ" یہ ڈھنگ نازیبا ہے" اس کے بعد آگاہی دی گئی ہے کہ "ملا نظام الدین کے ایمہ (گزارہ معافی) سے ہرگز مزاحمت نہ کی جائے اور موضع مذکور کی آمدنی ملا صاحب کے حوالے کی جائے"۔

"ایمہ" مغل بادشاہوں کے زمانے میں اُس گزارہ کا نام تھا جو عالموں اور درویشوں کو دیا جاتا تھا، بہرحال ملا نظام الدین کا موضع محمد پور میں ایمہ تھا، قصبۂ دیوی میں ایک سو بارہ بیگھہ آراضی کی معافی تھی، اور پہلے ایک روپیہ یومیہ پھر دو روپے یومیہ کا روزینہ تھا، یہ سب قدیم فرامین اور پروانہ جات سے معلوم ہوا ہے جو خراب وخستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں۔

ملا صاحب کی یہ تمام آمدنی "خرچ واخراجات طلبہ و وارد و صادر دو البتہ تھا" یعنی طلبہ آنے جانے والے اور اہل وعیال کی خبرگیری، قیام وطعام کے لیے تھی۔

یہاں یہ وضاحت بھی بے موقع نہ ہوگی کہ اسی طرح کی مدد معاش اور روزینہ وغیرہ ملا نظام الدین کے دوسرے بھائی بھتیجوں کے لیے بھی جداگانہ طور پر مقرر تھی، جیسا کہ اس وقت تک موجود بعض فرامین اور پروانہ جات سے ظاہر ہوتا ہے، ملا نظام الدین کے منجھلے بڑے بھائی ملا محمد سعید کے دونوں صاحبزادوں ملا احمد عبد الحق اور ملا عبد العزیز کے نام "موضع شیام پور سندونہ پرگنہ حویلی بہرائچ" کا ایک پروانہ ہے جس پر "ہاشم خاں فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی کی مُہر" بہت صاف ہے، دوسری مہریں پڑھی نہیں جاتی ہیں، صرف "نعمت خاں" قدرے صاف ہے۔

Marfat.com

"درجہ مدد معاش جامع الفضل والکمال شیخ احمد عبدالحق و شیخ عبدالعزیز پسران فضائل و کمالات مرتبت شیخ محمد سعید مرحوم ولد قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین ملا قطب الدین شہید" یہ موضع مقرر کیا گیا تھا۔

اسی طرح ملا نظام الدین کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کے لیے "خزانۂ عامرہ سرکار لکھنؤ صوبۂ اودھ" کے گماشتوں اور متصدیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ:-

"بموجب فرمان والاشان بندگانِ حضرت بادشاہ زمین و زمان خلیفہ معدلت نشان ذریعۂ امن و امان وسیلۂ آرائش عالمیان ظل ظلیل ایزد متعال ...... مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفریدگار بانی مبانی جہان بانی ...... مرقوم دہم شہر رجب المرجب سنہ ۲ یک روپیہ بلا قصور ...... معاف یومیہ از خزانۂ عامرہ مذکور از غرۂ صفر سنہ ۳ درجہ مدد معاش ملا محمد رضا ولد ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر گشتہ باید کہ مطابق فرمان والاشان بعمل آوردہ یومیہ مسطور را باوی رسانیدہ باشند کہ آں را صرف معیشت نمودہ بدعائے دوام دولت ابد طراز اشتغال نماید و اگر در محل دیگر چیزے نوشتہ باشد آں را اعتبار نہ کنند۔"

اس پروانہ پر دو مہریں ہیں، ایک "معظم خان خانِ خاناں ظفر جنگ یار وفادار فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی" اور دوسری "آصف الدولہ بندۂ شاہ عالم بادشاہِ غازی" کی، پھر اسی حکم کی تجدید ایک دوسرے پروانے کے ذریعہ عہد فرخ سیر میں ہوئی جس پر "قطب الملک یمین الدولہ سید عبداللہ خاں بہادر ظفر جنگ سپہ سالار یار وفادار فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" کی صاف مہر ہے، اس مہر پر ۱۱۲۵ھ کندہ ہے۔

اسی طرح ملا نظام الدین کے سب سے بڑے بھائی ملا محمد اسعد کے لیے "پرگنہ سہالی من اعمال سرکار لکھنؤ مضاف الصوبۂ اودھ" کے حکام و چودھریان و قانون گویان کو ہدایت کی گئی تھی کہ "مبلغ پنجاہ و یک ہزار دام از پرگنہ مذکور ...... بجاگیر شیخ محمد اسعد ولد شیخ قطب الدین مقرر گشتہ"۔ اس پروانے پر امیر الامرا و بندۂ عالمگیر بادشاہ غازی" کی مہر ہے، اور تاریخ تحریر ۲ ربیع الآخر سنہ ۲ ہے یعنی

Marfat.com

عالم گیر کی تخت نشینی کے پچاسویں سال، گویا اس کے بالکل آخری زمانے میں یہ فرمان ہوا تھا، پھر اسی فرمان کی تجدید "آصف الدولہ بندۂ شاہ عالم بادشاہ غازی" کی مہر سے اور "خان خاناں بہادر ظفر جنگ فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی" کی مہر سے ہوئی۔

ان موجود قدیم فرمانوں اور پروانوں میں بعض ایسی دستاویزیں ہیں جن پر خود بادشاہ وقت کی مہر ہے، بعض پر صرف وزرائے سلطنت کی اور بعض تحریریں ایسی ہیں جن پر بادشاہ یا وزراء میں سے کسی کی مہریں نہیں ہیں، جیسے مفتی شرع محمد غوث کی مہر والا پروانہ، اس سلسلے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ عہدِ مغلیہ میں احکام جاری کرنے کے مختلف مراحل تھے، روزانہ دربار میں بادشاہ کی طرف سے جو احکام صادر ہوتے یا جو واقعہ پیش آتا، ان سب باتوں کو دربار میں موجود "واقعہ نویس" لکھ لیتا تھا، اس کو "روزنامچہ" کہتے تھے جو اعلیٰ اُمراء میں اُس امیر کی نگرانی میں لکھا جاتا تھا جس کی اس دن ڈیوٹی ہوتی تھی، متعدد واقعہ نویس دربار میں ملازم ہوتے تھے جن میں سے دو کی حاضری روزانہ ضروری ہوتی تھی، دن بھر کا روزنامچہ، جس امیر کی نگرانی میں واقعہ نویسوں نے لکھا ہوتا شام کو وہی امیر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کر کے اُس کی آخری منظوری حاصل کر لیتا تھا، بادشاہ کی منظوری کے بعد یہ روزنامچہ منشیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا، جو ہر حکم اور ہر اطلاع کی ایک ایک نقل تیار کر کے اس پر اپنے دستخط بھی ثبت کر دیتے تھے، اس پر پروانچی (پروانچہ لکھنے والا یعنی ایسا حکم جس پر شاہی مہر کی ضرورت نہ ہوتی تھی) میر عرض (وہ عہدیدار جو عرض داشتوں سے متعلق امور کی انجام دہی کا ذمہ دار ہوتا تھا)، اور اُس امیر کے بھی دستخط ہوتے تھے جو پہلے یہ روزنامچہ بادشاہ کے سامنے پیش کر چکا ہوتا تھا، تیار شدہ نقل "یادداشت" کہلاتی تھی، عام حالات میں اس طرح دفتری کارروائی مکمل ہو جاتی تھی، لیکن تقررات اور عطائے جاگیر کے سلسلے میں کچھ مراحل اور طے کیے جاتے تھے، یعنی "یادداشت" کے بعد منشیوں سے وابستہ نقل نویس، اسی کا خلاصہ تیار کرتے تھے، اس خلاصے پر واقعہ نویس، رسالہ دار (وہی امیر جس کی نگرانی میں واقعہ نویس نے دربار میں روزنامچہ قلمبند کیا تھا)، میر عرض اور داروغہ (مہتمم دربار) کے دستخط ہوتے تھے، یادداشت دفتر میں محفوظ رکھی

جاتی تھی، اور خلاصہ متعلقہ اشخاص کے حوالے کر دیا جاتا تھا، اس طرح تیار کیا ہوا خلاصہ "تعلیقہ" کہلاتا تھا، اس کے تیار کرنے والے کو تعلیقہ نویس کہتے تھے، تعلیقے پر وزرائے سلطنت کے دستخط ثبت ہوتے اور ان کی مہر لگتی تھی۔ اس پر شاہی مہر لگانا ضروری نہ تھا، جن احکام پر شاہی مہر ضروری ہوتی تھی اُن میں اہم عہدوں پر تقررات کے احکام یا کسی شہزادے کے اتالیق کا تقرر اور کسی منصب کا عطیہ وغیرہ شامل ہیں۔ فوجی خدمت کی شرط کے ساتھ یا اس کے بغیر عطائے جاگیرات پر شاہی مہر ضروری ہوتی تھی، اسی طرح "عطائے سیورغال" یعنی رفاہی اغراض اور روزمرہ کی ضروریات کے لیے عطیات کے احکام پر شاہی مہر ضروری تھی۔

عطائے جاگیر کا تعلیقہ تیار کر کے دیوان جاگیر کے پاس بھیجا جاتا، جس پر جاگیر سے متعلق حسابات لکھنے کی ذمہ داری ہوتی تھی، اگر یہ جاگیر فوجی خدمت کے لیے دی جاتی تو تعلیقہ جانچ پڑتال کے لیے بخشی کے پاس (گویا وزیر دفاع) بھیج دیا جاتا تھا جو ان شرائط کی تعمیل کا ذمہ دار ہوتا تھا جو کسی جاگیر سے متعلق ہوتی تھیں، بخشی تعلیقے کو اپنے پاس رکھ لیتا، اور ایک تصدیق نامہ جاری کرتا تھا جسے سرخط کہتے تھے، جس پر بخشی کے دستخط ہوتے تھے، پھر یہ سرخط دیوان (گویا وزیر مالیات) کے پاس بھیجا جاتا تھا جسے وہ خود اپنے پاس رکھ لیتا تھا، اور اس سے وصول کی جانے والی ماہانہ یا سالانہ رقوم کا حساب تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا، سیورغال سے متعلق فرامین مستوفی (تنقیح کنندہ حسابات یا آڈیٹر) کے دستخط ہو جانے کے بعد محکمۂ امور مذہبی کو بھیج دیے جاتے تھے، جہاں ان کا اندراج "دیوان سعادت" کے دفتروں (رجسٹروں) میں ہوتا تھا، اور ان پر صدر کے (صدر وہ اعلیٰ عہدیدار جو علماء اور دوسرے اہل حاجت کو وظائف اور جاگیریں عطا کرنے کا اختیار رکھتا تھا) دستخط ہوتے تھے، آخر میں دیوان کل (صدر دیوان) اس پر دستخط کرتا تھا، اگر نقد رقم ادا کرنے سے متعلق کوئی حکم جاری ہوتا تو اس پر معمولی فرمان کی طرح عمل ہوتا تھا، لیکن ناظر (عہدیدار نظر ثانی) کے دستخط کے بعد دیوان بیوتات (سرکاری مال خانوں اور کارخانوں کا دیوان) کے پاس جاتا اور بخشیوں اور دیوان کے ہاتھوں سے گزر جانے کے بعد اس پر خان سامان (جس کو

Marfat.com

آج کل اصطلاح میں اعلیٰ اسٹیٹ آفیسر کہہ سکتے ہیں) کی مہر اور دستخط ثبت ہوتے۔ بعض احکام بادشاہ کی خدمت میں نہیں بھیجے جاتے تھے اور نہ ان پر شاہی مہر لگائی جاتی تھی، یہ احکام بیگمات اور شہزادوں کی مقرر تنخواہوں، دیوان سعادت (محکمۂ امور مذہبی) کے زیر تحویل وظیفوں، احدیوں اور شاہی کارخانہ جات کے بعض ملازمین کی تنخواہوں کے سلسلے میں جاری کیے جاتے تھے، پر اونچے بادشاہ کے حضور میں اس کی مہر کے لیے پیش نہیں ہوتے تھے (یہ ساری تفصیل خلاصہ ہے ڈاکٹر ابن حسن مرحوم کی قابل قدر کتاب "دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی" کے متعلقہ مباحث کا جو ۱۹۵۸ء میں مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہے)

فتوی نویسی: علمائے فرنگی محل جب سے لکھنؤ میں آباد ہوئے، غیر سرکاری فتوی نویسی ان ہی کے سپرد رہی، شہر اور بیرونِ شہر سے ان کی خدمت میں استفتے آتے اور ان کے جوابات عموماً سر گروہ علمائے فرنگی محل کے دستخط سے جاتے، فرنگی محل میں اولین عالم اور استاذ الاساتذہ ملا نظام الدین کا ایک فتویٰ ڈھائی سو برس سے زیادہ گزر جانے کے باوجود آج بھی بعینہٖ موجود ہے، اصل سوال بھی اور ملا صاحب کا دستخط سمیت جواب بھی جس کی نقل یہ ہے:-

سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین درصورتے کہ زید مکنہ مملوکہ خود بہ عمر ہبہ نمود خالد دعوی شفعہ می نماید پس درین صورت دعوی خالد متوجہ می شود یا نہ، بینوا توجروا۔

جواب:- قل اللّٰہ یفتیکم متوجہ نمی شود واللہ اعلم کتبہ نظام الدین محمد تجاوز اللہ عن سیأتہ"

اس سوال و جواب پر کوئی تاریخ نہیں ہے۔ قیاس سے تقریباً ڈھائی سو سال قدیم فتویٰ قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ ملا صاحب کی وفات ہی کو اس وقت دو سو بیس سال ہو چکے ہیں۔

ملا صاحب کے شاگرد رشید اور مفتی شہر ملا مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی کا بھی ایک فتویٰ بعینہٖ محفوظ رہ گیا ہے، یہ بلا شبہ دو سو سال قدیم ہے، اس پر ملا محمد ولی فرنگی محلی کے بھی دستخط موجود ہیں، جن کی وفات کو ایک سو بانوے سال گزر چکے ہیں، اس کی نقل بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

Marfat.com

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ شخصے مسجد را بنا کردہ بود آں مسجد از چند مدت خراب و شکست افتادہ است و دراں جا کہ بنائے مسجد است آبادانی ہم نیست حالا ورثۂ بانی مسجد شخص دیگر را اجازت کردہ از خشت ایں مسجد افتادہ مسجد دیگر را بنا کند در انجا کہ آبادانی است پس شخص دیگر را می رسد کہ مسجد بجائے خود کہ آباد است بنا کند یا نہ، بینوا توجروا۔

جواب:۔ ھو المصوب، با اجازت ورثۂ بانی و تجویز قاضی درست است۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد یعقوب غفر اللہ ذنوبہ و کفر من سیاتہ

الجواب المرقوم صحیح، کتبہ خادم الطلبہ محمد ولی تجاوز اللہ من سیاتہ۔

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب۔ (مہر مفتی شرع غلام حضرتؒ)

اسی فتوے کے ساتھ ایک دلچسپ اور بہت قدیم فتویٰ بھی منسلک ہے، جس پر ایک درجن مہریں ہیں جن میں صرف ایک مہر بہت صاف پڑھی جاتی ہے۔ یہ ہے ملا عبدالسلام دیوی کی جو ملا نظام الدین کے والد ملا قطب الدین شہید کے غالباً، اور ملا قطب شہید کے والد ملا عبدالحلیم کے یقیناً استاد ہیں، ان کی مہر کی عبارت ہے "خادم العلماء النعمانی عبدالسلام الاعظمی الکرمانی" یہ تحریر ساڑھے تین سو برس قدیم ضرور ہے، اور اس سے بھی پرانی ہو سکتی ہے۔ مسئلہ نکاح فاسد سے متعلق ہے کہ نکاحِ فاسد کے ذریعہ شوہر پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، سوال محفوظ نہیں رہا ہے۔ جواب موجود ہے، جس میں مختصر وقایہ سے عربی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فارسی میں یہ لکھا ہے "چوں ثابت النسب شد وارث نیز شود۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے نزاعی قضیہ میں علمائے زمانہ سے رجوع کیا گیا تھا، اگرچہ نوعیتِ مسئلہ پیچیدہ نہیں ہے، پھر بھی بارہ ۱۲ علماء کی مہریں بتا رہی ہیں کہ معاملہ جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، خاص اہمیت رکھتا تھا، مہریں اتنی زیادہ ہیں مگر یہ نہیں کھلتا ہے کہ جواب کس عالم کا تحریر کیا ہوا ہے۔ بہر حال ملا عبدالسلام دیوی کی مہر اس سلسلے میں بہت اہم اور تاریخی ہے۔

ملا نظام الدین کے زمانے ہی میں اگرچہ ان کے بھائی کے پوتے ملا مفتی محمد یعقوب سرکاری طور پر مفتی شہر قرار پاگئے تھے، جو راجہ نول رائے نائب صفدر جنگ کے "روز عدالت" میں راجہ کے پاس موجود رہ کر معاملات کے بارے میں شرعی فیصلے راجہ کو بتاتے تھے، لیکن غیر سرکاری طور پر ملا نظام الدین کے فتووں کو اہمیت حاصل تھی، ملا نظام الدین کے بعد ان کے صاحبزادے ملا بحر العلوم کے دستخطی فتووں کو مقبولیت رہی، ملا بحر العلوم کے ترکِ وطن کے بعد ملا حسن فرنگی محلی کی طرف عام رجحان ہوا اور اُن کے فتووں کو معتبر مانا جاتا رہا، یہ تفصیل رسالۂ قطبیہ مصنفہ ملا عبد الاعلیٰ ابن ملا بحر العلوم میں درج ہے، جس کا اقتباس بھی اوپر گزر چکا ہے، مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی جو فرنگی محل کے پہلے سرکاری "مفتی شہر" تھے، راجہ نول رائے کے بعد (۱۱۶۳ھ ۱۷۵۰ء) نظام عدالت درہم برہم ہوجانے کے نتیجہ میں خانہ نشین ہو کر نجی طور پر فتوے دیتے رہے، ان کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے مفتی احمد ابو الرحم فتوے دیتے تھے، فرنگی محل میں مفتی محمد یعقوب کی شاخ کے علماء میں علاوہ درس و تدریس کے فتویٰ نویسی خاص رہی ہے، بیٹے مفتی ابو الرحم کے بعد مفتی محمد اصغر (مفتی ابو الرحم کے بھتیجے) ان کے بعد مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر اور مولانا امین اللہ، پھر ان کے بیٹے مولانا عبد الحلیم بن مولانا امین اللہ، پھر مولانا عبد الحیٔ بن مولانا عبد الحلیم فتوے دیتے رہے، حکومت اودھ میں مفتی محمد یعقوب، مفتی محمد اصغر، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف، مفتی محمد نعمت اللہ، اور ملا محمد مبین، اپنے اپنے زمانے میں مفتی عدالت رہے،

خطوط | ملا نظام الدین کے دستخطی فتویٰ کے علاوہ جس کی نقل اوپر گزری، ملا صاحب کے لکھے ہوئے چار خط بھی بعینہٖ موجود ہیں، اور چند خطوط کی نقلیں بھی، چاروں اصلی خط قاضی قل محمد (سترکھی) کے نام ہیں، اور خطوط کی نقلیں بھی ان ہی قاضی قل محمد سترکھی (ضلع بارہ بنکی) سے متعلق خطوط کی ہیں، یا تو وہ خود ان ہی کے نام یا ان کے سلسلے میں کسی صاحب اثر عہدیدار کے نام ہیں۔

ملا صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط (۱)

ہو اللہ ـــــ شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات جمعیت ہویدا

می گردد کہ میاں مد علی در انجا ہستند، لازم است و لازم کہ یک جان دو قالب شدہ در ہمہ امور متعلقہ شاں کارہائے خود دانستہ، مساعی وافرہ و مشکورہ پرداختہ صورت فعلیت گردانند دریں مادہ تا کجا نوشتہ آید لازم است اندک را بسیار تصور نمایند زیادہ زیادہ است والسلام۔

دوسرا خط (۲)

شریعت پناہ اعز قاضی قل محمد جیو سلامت، از نظام الدین محمد بعد سلام و دعوات جمعیت ہویدا می گردد کہ تبرک حضرت غوث اعظم قدس سرہ العزیز رسیدہ مع روپیہ بر سر نہادہ شد، خانہ آباد و سعادت باد، دیگر از شما بخواہش تمام تملی آنکہ نفسانیت و کینہ را جا دادن بسیار بسیار خصلت ذمیمہ است، ہر گاہ غلام مسعود در تبرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم در لزمع اول دعوت کردہ بود قبول نہ کردند، خوب نہ کردند، حالا رسم سلام علیک درمیان آرند، در تقریبات چنانچہ وجہے از وجوہ شادی و تقریب ضیافت عامہ عرس وغیرہ با یکدیگر ملاقات نمودہ باشند از خود تا لف و استنکاف نہ کنند و صورت آشتی مدنظر داشتہ باشند زیادہ زیادہ است والسلام

(آخر میں ترچھی کچھ سطریں ہیں جو پھٹے کاغذ جوڑنے میں ادھوری رہ گئی ہیں)

تیسرا خط (۳)

شریعت پناہ قاضی قل محمد جیو سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات جمعیت ہویدا آنکہ بندہ داعی است در ہمہ اوقات طبحی رفاہ بے چارگان و نجات مظلومان است آخر بندہ ام عاجز، حق تعالیٰ چوں رؤف بعباد است انشاء اللہ تعالیٰ اگرچہ تا ایں زمان تاخیرے گرفتہ بحال شکر نظر عنایت و امن و امان خواہد فرمود لا تقنطوا من رحمۃ اللہ دائماً یکساں نہ باشد کار دوراں غم مخور والسلام۔

چوتھا خط (۴)

باسمہ خیر الاسماء۔ برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد۔

Marfat.com

بعد سلام و دعوات. واضح آنکہ شرینی و روپیہ رسیدہ، خانہ آباد و برکت باشد دخطا میر خدایار خاں نوشتہ شد. امید قوی است کہ نافع آید، و قدرے انبہ قسم ٹپکہ خوب پختہ در درخت و بزمین صدمہ نیافتہ باشد ابلاغ دارند زیادہ جمیت والسلام از ہمہ خورد و کلاں دعا سلام برخورداراں دعوات أنبہ پال نہ باشد و بزمین نارسیدہ گرفتہ شود و پختہ باشد"۔

ملا صاحب کے خطوط کی نقلیں (جو شیخ محمد اشرف سترکھی نے شمس العلماء مولانا محمد نعیم کو ارسال کی تھیں اور شمس العلماء کے جانشین اور پرپوتے مولانا محمد ناصر فرنگی محلی کے پاس محفوظ ہیں)

(۱) مکتوب الیہ ملا حمد اللہ سندیلوی

باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ۔ مجمع فضائل عقلیہ و نقلیہ اخی اعزمی (کذا) حمد اللہ جیو سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد سلام و دعوات جمعیت مرضیہ ہویدا می گردد کہ شریعت مآب فرزندم قاضی قل محمد در آں جا می رسند، بہرام بیگ در خدمت سامی ظاہر نمایند کار خود دانستہ بقدر وسع ساعی وافرو وشکورہ بفعل در آئید دریں باب ہرچہ قلمی گردد کمتر از آں بود کہ در دل است والسلم فالسلم ثم السلم۔

رقعہ نظام الدین محمد

(۲) بنام میر اکبر یار خاں :-

باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ۔ مورد عنایات واہب امن و اماں و محیط مراسم نیو خمات رحسن۔ خان ونشان (کذا) بس مہرباں میر اکبر یار خاں سلمہ اللہ تعالیٰ، از خادم طلبہ نظام الدین بعد سلام و استدعائے ترقیات لائقہ و مرضیہ آں کہ شریعت و فضیلت مآب قاضی قل محمد بمثابہ فرزندے از فرزندان اند، در خدمت والا بمطلبے متعلق بجناب نواب صفدر جنگ مبرز خواہند ساخت، امید چناں است کہ توجہ وجیہہ در سرانجام وے مبذول باشد و خبریتہا بونی سرد انیہ متوالی بودہ باشد تا شکرے بسمع رسد، زیادہ جز تمنی مطلب مرقوم طلبی جمیعت والسلم۔ مدعنایات بحق برخوردار شیخ محب اللہ حاجت نوشت جمیعت بخودی خود متوجہ ہستند در اسباب معاش از خورش ولباس و ضروریات ادا وردہ در بسر باشد۔

Marfat.com

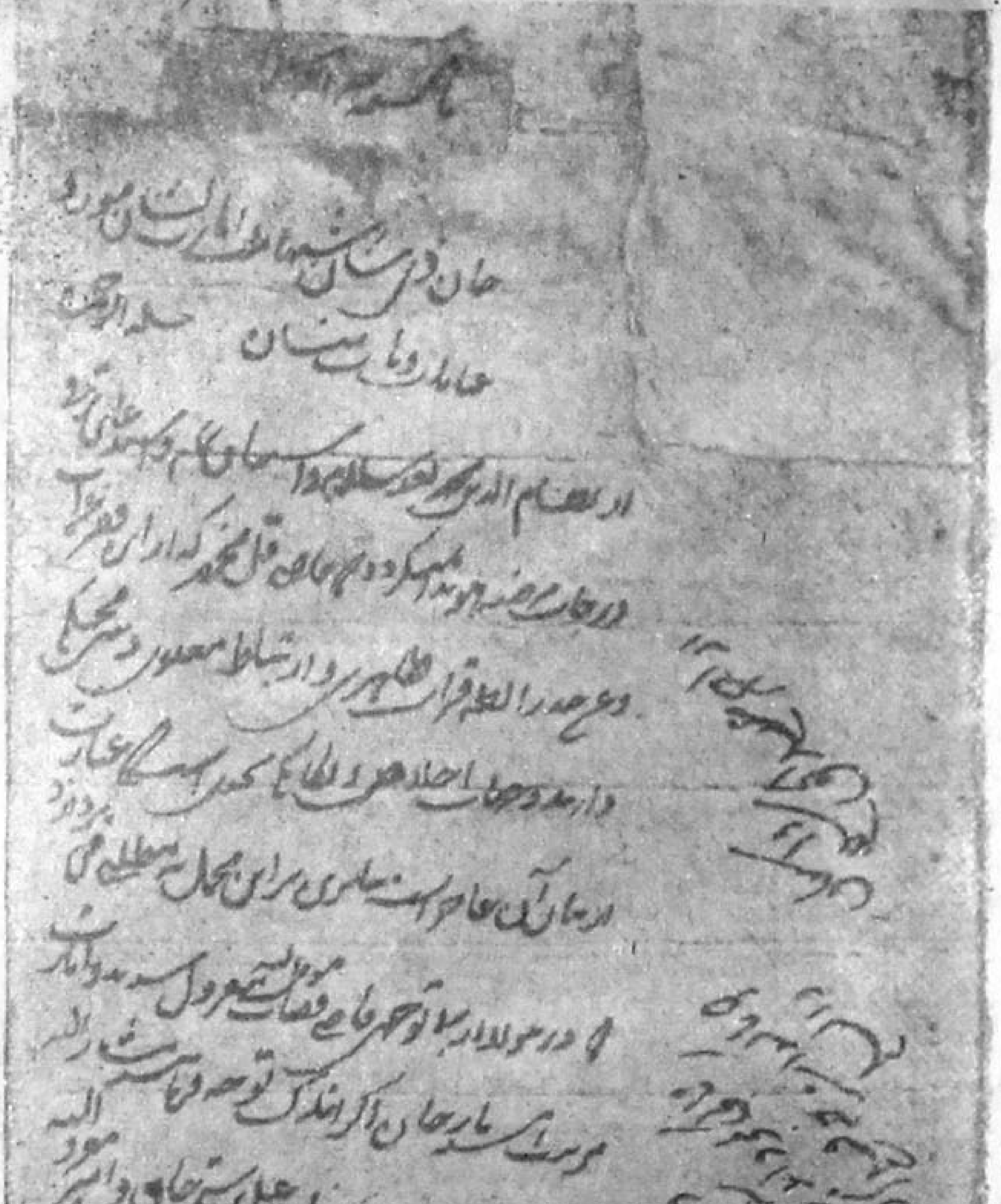

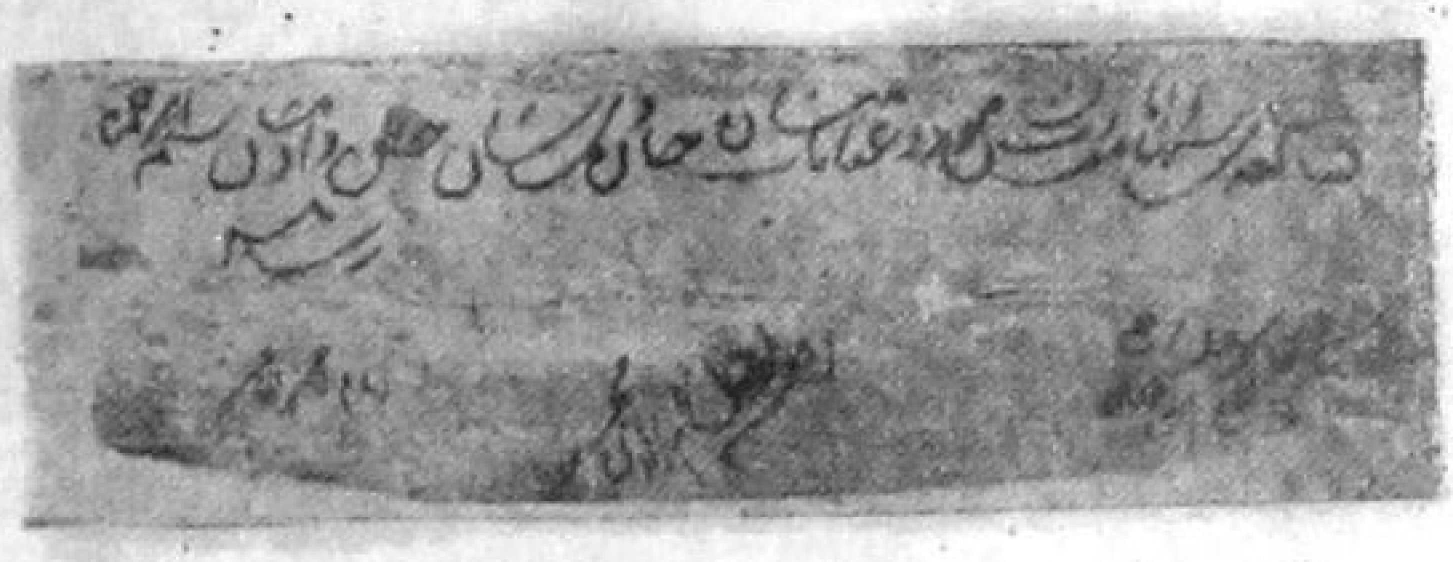

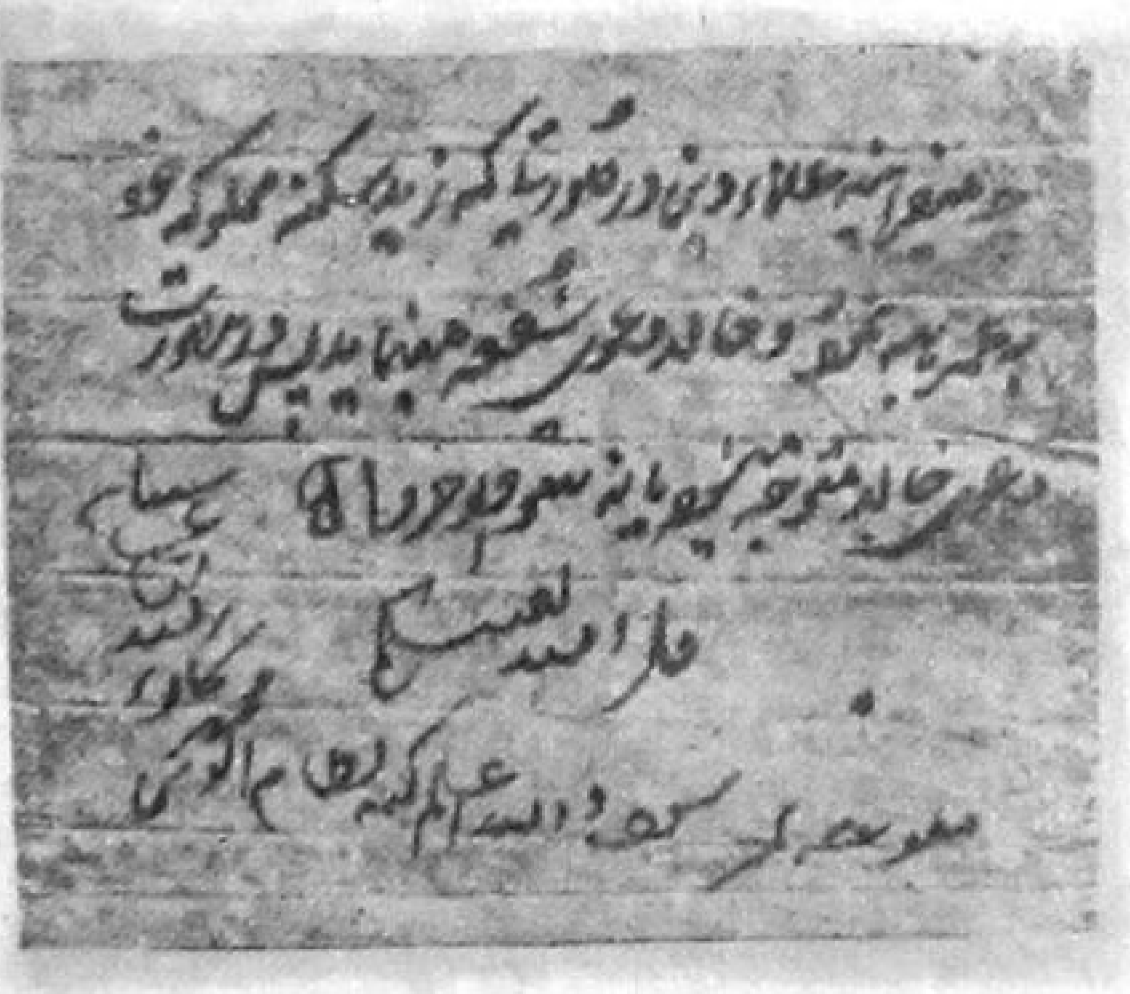

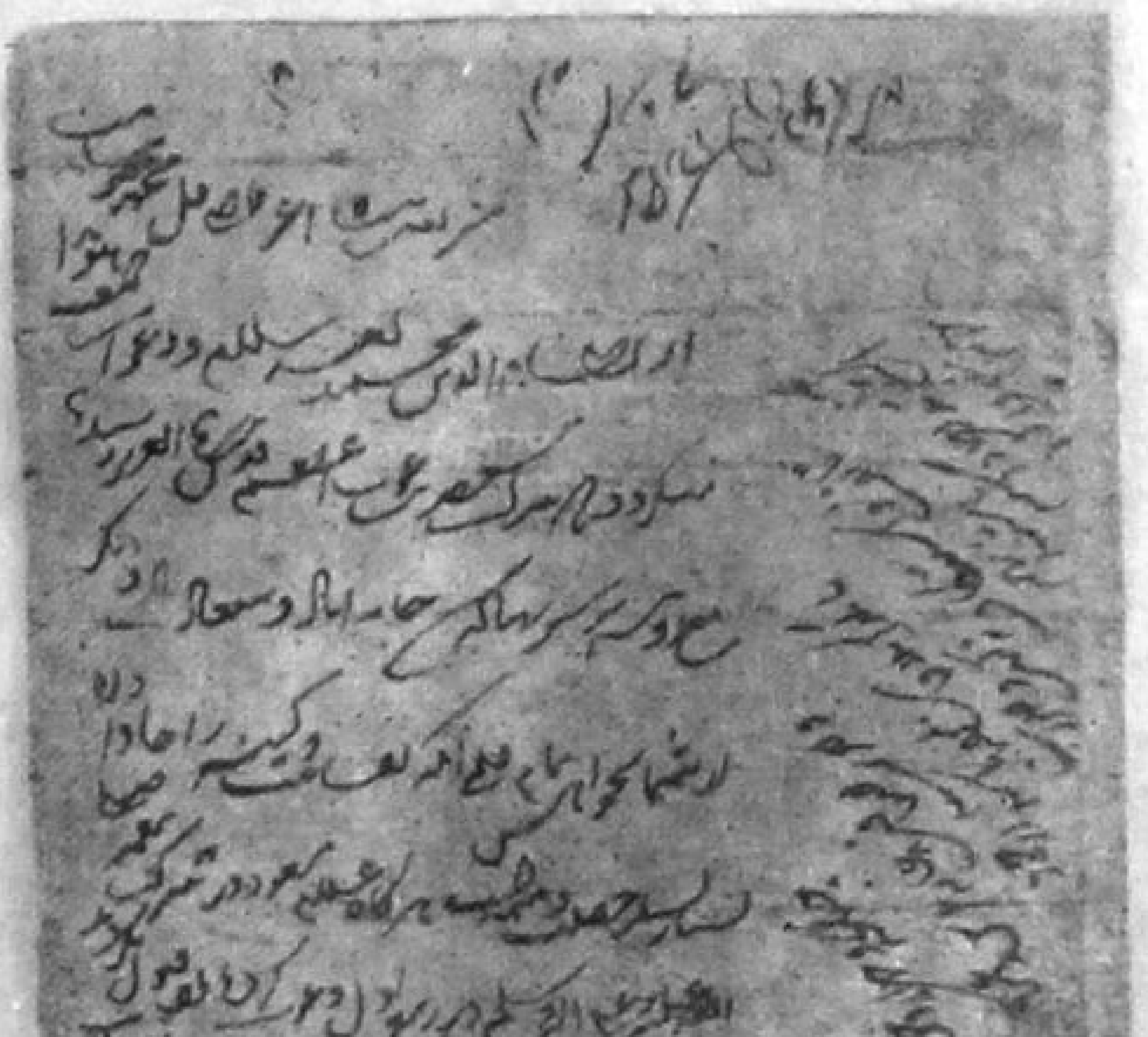

Marfat.com

(۳۰) بنام خالق داد خاں :- باسمہٖ خیر الاسمار

خاں دلساں (کذا) شہامت و امارت نشاں مورد عنایات وہاب منان خالق داد خان سلمہ الرحمٰن از نظام الدین محمد بعد سلام و اشتیاق تمام واستدعائے ترقی درجات مرضیہ ہویدامی گردد کہ قاضی قل محمد کہ از یں فقیر عن اب عن جد رابطہ مراتب ظاہری وارتباط معنوی دینی محکم دارند درجات اخلاص و یگانگی بحدیست کہ عبارت از بیان آں عاجز است، بنابراین براین (کذا) مجمل بمطلبے می پردازد کہ در نیولا از بے توجہی قاضی قضات مومی الیہ معزول شدند و امارت مرتبت اسد یار خاں اگر اندک توجہ فرمایند مشار الیہ بحال می شوند از امارت منزلت علی رستم خاں وامیر معز الیہ ظاہرا اخلاص بسیار بسیار است توجہ وجیہ شما علی رستم خاں متوجہ شدہ و امارت مرتبت معز الیہ دربارہ قاضی مشار الیہ مؤکد شدہ براین بہ آرند کہ از قاضی قضات بہ طورے بگوید کہ قاضی متوجہ شدہ قاضی مشار الیہ را بحالی نمایند انشاء اللہ تعالیٰ قاضی قضات از گفتہ امارت مرتبت بیروں نخواہد شد والبتہ قبول خواہند کرد دریں باب توجہ نمودن لازم است و لازم و تمام امتنان و احسان است و ادائے شکر تا کجا نمود آید بجز افراط زیادہ خبر...... چہ قلمی گردد والسلم از احمد عبد الحق سلام و اشتیاق۔

(۳۱) بنام قاضی قل محمد :- باسمہٖ خیر الاسمار تعالیٰ

شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد از نظام الدین محمد بعد سلام و دعوات مرضیہ آں کہ رقعہ متضمن خیر و عافیت و دیگر احوال سماعت گشتہ خدا تعالیٰ قادر مطلق مسبب الاسباب ...... عنایت فرماید کہ باحصول مطلب متوجہ ایں سمت شوید و بایک دیگر ملاقات شد بہرہ بخشد آمین رب العالمین، و پسر راز صلات پیوستہ استغفار خواندہ باشند نحو اللّٰھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک، و نصحوب آمدہ پیوستہ باشند و تاسی ۔۔۔ محمد مصطفےٰ تا ہنوز نہ رسیدہ اند طبع متعلق است، ظاہرا براہ عظیم آباد بلشکر نواب متوجہ شدہ اند، حق تعالیٰ بسلامت بخانہ رساند آمین آمین آمین۔ فقط از احمد عبد الحق و ہمہ دعا و سلام۔ از عبد العلی

Marfat.com

سلمہ العلی سلام، رقعہ بہ قاضی مبارک جیو نوشتہ شدہ خواہند رسانند اگر کتابے بہ ہند کفیل شدہ بگیرند و ابلاغ دارند فقط

(۵) بنام قاضی قل محمد:- باسمہ خیر الاسماء

برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلامت، بعد سلام و دعوات جمعیت مطالعہ نمایند کہ ملا حمد اللہ جیو از سندیلہ تشریف آوردہ ہمہ مردم را داعی شدند کہ بتاریخ ہفتہ ہم روز نکاح دلدار ایشاں مقرر است حاضر باید شد چوں ایں مسافت طے کردہ برائے دعوت آمدند بتخصیص اجابت ضرور شد، چنانچہ پس فردا سواری غالب کہ برسد ازیں راہ دراں حالی تواں رسید اگر پیش ازیں معلوم شد ایں را مقدم داشتہ می شد، والسلام از عبد العلی سلمہ العلی. سلام

(۶) بنام قاضی قل محمد:- شریعت پناہ قاضی قل محمد جیو سلامت، بعد سلام و دعوات جمعیت ہویدا آنکہ عطائے وہاب تعالیٰ فرزند مبارکباد حی و قیوم قادر مطلق بکمالات انسانیہ فائز ساختہ بعمر طبعی رساند و فتوی در کاغذ علیحدہ نوشتہ شدہ چنانچہ بمطالعہ خواہد درآید والسلام اندروں بجدۂ ماجدہ و والدہ ایشاں رساند بہ ہمہ خورد و کلاں دعا و سلام. فقط

(۷) بنام قاضی قل محمد:- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ. شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد جیو سلامت، بعد سلام و دعوات جمعیت ہویدا می گردد کہ ہر چند شگوفہ ہائے جنگل بہ بہار آمدہ است لیکن مزاج موافقت سیر و شغف نمی کند، بنا برایں روز ہا موقوف است. و دو بیو تیشکر رسیدہ، بجنسہ نہ در آمدہ، شکر است خانہ آباد والسلام از ہمہ دعا و سلام فقط.

(۸) بنام قاضی قل محمد:- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ فضائل دستگاہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات لائقہ مطالعہ نمایند اخلاصے کہ از نواب مرتضیٰ خاں است ازوے از چندے ظاہر نیست پیش ازیں خطے نوشتہ شدہ بود التفات نہ نمودند بلکہ خط را ندیدند حوالہ خدمتگار کردند باز نہ پرسیدند،

برخوردار محب اللہ ملاقات کردند ہیچ التفات نہ فرمودند ، میر اکبر یار خاں ۔

باشد .... وغیرہ باشد ازیں راہ خط شار الیہ سود ندارد و مجتبے .... با نواب صفدر جنگ

ماکسی بنسب واگر از شار الیہ دفتر صدارت .... (بقیہ خط محفوظ نہیں رہا) (کذا)

(۹) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد ، بعد سلام و دعوات مطالعہ نمایند کہ

مطابق نوشتہ بمستعد خاں و میر اکبر یار خاں ، ملا حمد اللہ خطوط نوشتہ نگاہ داشتہ خواہد

شد وقتیکہ شمارا ہی شاہجہاں آباد خواہید شد خواہید گرفت انشاء اللہ زیادہ جز دعوات

چیست والسلام دیگر اینکہ برحال شیخ رحمت اللہ متوجہ بدل باشد و در امور مرجوعہ معاونت

سرانجام کارہائے شاں بے اہمال کردہ دہند والسلام فقط

(۱۰) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ اعز قاضی قل محمد سلمہ الصمد ، بعد سلام وادعیہ تجلی انوار تفضلاے

ربانیہ ہویدا می گردد کہ تبرک شیرینی مع روپیہ طعام رسید شکرات ، خانہ آباد و جواب مسئلہ

دیں است کہ اگر خواہر و عمہ باشد و دیگرے از ورثہ نباشد ہمہ ترکۂ مملوکہ بخواہر می رسد و عمہ

محجوب است واللہ اعلم ، از احمد عبدالحق و ہمہ دعا و سلام ۔

(۱۱) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت و فضائل پناہ برخوردار قاضی قل محمد سلمہ الصمد بعد سلام آنکہ دو صد و پنجاہ

انبہ خوب قسم رسید خوش است ، حق تعالیٰ برکت دہد خانہ آباد و در مقدمہ بدیع الدین و

قدرت اللہ آنچہ نوشتہ بودند دریافتہ شد ایں جانب تابع حساب است آنچہ وجہ حساب

معمول باشد شیخ غلام احمد بکند و از پیش ازیں معمول نہ بود کہ منافع سہ سالہ بود زیادہ چیست

والسلام برخورداراں برخوردار باشد دعا و سلام خوانند فقط

(۱۲) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

Marfat.com

شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام واضح آنکہ تملیک نامہ اصل باید مع ہذا اگر مدعی بصحت وے معترف است بہتر ورنہ گواہاں باید کہ مورث در حال حیات خود تملیک نمودہ و قابض و متصرف گردانیدہ است، اگر گواہاں نہ باشد حق مدعی ثابت می شود لیکن حلف بروے لازم است کہ فلاں را تملیک نکردہ است و مرا علم نیست واللہ اعلم برخورداران سلام و دعوات خوانندہ از احمد عبدالحق و عبدالعلی و ہمہ خورد و کلاں سلام

(۱۳) بنام میاں غلام مسعود

باسمہ خیر الاسماء

اخوی پناہ اعزی بس مہربان میاں غلام مسعود سلمہ الودود، از نظام الدین محمد بعد سلام و دعوات جمعیت واضح آنکہ قاضی قل محمد را فرستادہ شدہ است برادر خورد شما اند و منصب قضائے کہ بدستورت اجداد کلاں شما، از اجداد کلاں موصی الیہ تا ایں زماں بایشاں منتہی شدہ در خانۂ شما انتہا یافتہ، اگر بالفرض مقصر اند توقع از بزرگان عفو است از خورداں خطا و بزرگاں عطا، ازیں راہ امید قوی دارم کہ آنچہ گذشت گذشت در بند الحال رابطہ اخلاص را محکم نمودہ بدستور سابق بحال کنانند و از خود احسان کنند و ایں احسان برایں داعی منجر است و شکر ایں بحدیست کہ زبان و خامہ از ادائے وے معترف بعجز است، زیادہ جز خواہش آں مطلوب دیگر چیست۔ والسلام

(۱۴) بنام قاضی قل محمد

باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

فضیلت و شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات لائقہ واضح می گردد کہ شادی مبارک، مزاج بسیار ضعیف گرفتہ است، در ذیحجہ اطلاع خواہند شود ہرچہ اصلح خواہد بود معمول خواہد شد، انشاء اللہ تعالیٰ روایتے بمہر قضات ظاہری ساختہ و جمعے نقلہ دعوی مفصل قلمی باشد کہ دعوی ملک خود بچہ سبب، آں زماں جواب نوشتہ بری، روز ہم آدم بطلب مسئلہ آمدہ جوابش نوشتہ شدہ بود، اگر مسئلہ مطلوبہ امروزہ ہماں است مطابق نوشتہ سابق عمل در آمد والسلام، از ہمہ خورد و کلاں دعا و سلام برخورداراں را دعوات

Marfat.com

(۱۵) بنام قاضی قل محمد ۔

شریعت پناہا! بعد سلام آنکہ موہبۂ منعم وہاب تعالیٰ فرزند مبارکباد بعمرِ طبعی رسد انشاءاللہ تعالیٰ دعجب فال وکلام رب العزت اسم محمد اعلم است نام نہند مطابق اسم مسمیٰ باشد آمین ۔

ان خطوط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے ، اس زمانے میں لفافے پر تاریخ پتہ اور مکتوب الیہ کے بعد کاتب کا نام تحریر کیا جاتا تھا ، ان خطوط کے لفافے محفوظ نہیں رہے ، یہ ظاہر ہی ہے کہ یہ خطوط دستی بھیجے گئے ہوں گے ۔

مذکورہ خطوط زیادہ تر سفارشی ہیں ، وہ بھی صرف قاضی قل محمد ستر کھی کے سلسلے میں جو قاضی القضات کی ناراضگی یا عدمِ التفات کی بنا پر معزول ہو گئے تھے ، ان کی بحالی کے سلسلے میں ملا نظام الدین نے اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کیا ، جن اُمراء و حکام سے تعارف تھا ، ان کو قاضی قل محمد کی حالت کی طرف توجہ دلائی اور اُن کو لکھا کہ قاضی قل محمد مثل میرے فرزند کے ہیں ، جن امراء کو براہ راست خطوط لکھے اُن میں میر اکبر یار خاں ، نواب مرتضیٰ خاں ، خالق داد خاں ، خدا یار خاں اور سعد خاں ہیں ، جن میں سے سعد خاں ، خدا یار خاں کے نام خطوط ، نہ اصل نہ نقل دستیاب نہیں ہیں ، مذکورہ خطوط میں ذکر ہے کہ ان کو خطوط ملا صاحب نے لکھے تھے ، ایک مکتوب الیہ ملا حمد اللہ سندیلوی بھی ہیں ، یہ ملا نظام الدین کے شاگرد تھے ، اور نواب صفدر جنگ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے ، بلکہ دستار بدل بھائی ہو گئے تھے ، ان سے اسی پہلو سے قاضی قل محمد کی سفارش کی گئی ہے ، یہی وہ ملا حمد اللہ ہیں جن کی شرح سلم العلوم "حمد اللہ" کے نام سے داخلِ درس نظامی ہے ، ان خطوط میں قاضی مبارک (گوپاموی) کے نام خط لکھنے کا بھی ذکر ہے ، یہ وہی قاضی مبارک گوپاموی ہیں جن کی شرح سلم العلوم "قاضی مبارک" کے نام سے درسِ نظامی میں داخل تھائی کتاب ہے ۔

اگرچہ خطوط بلا تاریخ و سنہ کے ہیں ، لیکن قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ملا صاحب کے آخری پندرہ سولہ سال کے خطوط ہیں ، خصوصاً وہ خطوط جن میں اپنے صاحبزادے "عبد العلی سلمہ العلی" کے

Marfat.com

سلام کا ذکر ملا صاحب نے کیا ہے، تقریباً ہر خط میں "احمد عبد الحق" (برادر زادہ) کی طرف سے مکتوب الیہ کو سلام لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چچا بھتیجے یک جان دو قالب کی حیثیت رکھتے تھے، جو شخص ملا صاحب سے متعارف تھا وہ ان کے بھتیجے کو بھی جانتا تھا، ایک خط میں جو میر اکبر یار خاں کے نام ہے، ملا احمد عبد الحق کے بڑے بیٹے ملا محب اللہ کا بھی ذکر ہے، جن کی طرف مکتوب الیہ نے روزگار دلانے کے لیے، توجہ کی تھی، ایک خط میں سب سے بڑے بھائی کے بیٹے قاضی غلام محمد مصطفٰی کی خیریت نہ معلوم ہونے پر تردد کا اظہار ہے، یہ قاضی غلام محمد مصطفٰی ملانواں کے قاضی تھے، ایک دفعہ معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے، پھر معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے، آخر بار معزول ہونے کے بعد جب بحالی کی کوشش میں اپنے بڑے بیٹے محمد علی کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے تو پھر واپس نہ آئے، دونوں، خیال کیا جاتا ہے کہ حریف قاضی کے اشارے پر قتل کر دیئے گئے، یہ حادثہ کب پیش آیا، اس کی نہ کوئی تفصیل ملتی ہے نہ اجمال، لیکن ان ہی خطوط کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ۱۱۵۵ھ تک (ملا صاحب کی وفات سے چھ سال پہلے تک) بقید حیات تھے، اس لیے کہ ملا صاحب نے قاضی قل محمد کے خط میں لکھا ہے کہ "قاضی غلام محمد مصطفٰی تا ہنوز نہ رسیدہ اند طبع متعلق است ظاہرا براہ عظیم آباد بلشکر نواب متوجہ شدہ اند، حق تعالیٰ بسلامت بخانہ رساند" یہ وہی کوشش معلوم ہوتی ہے جس کے بعد قاضی مصطفٰی "بسلامت" گھر واپس نہ آ سکے۔ 'لشکر نواب' سے مراد نواب صفدر جنگ کا لشکر ہے، جس کی طرف وہ متوجہ ہوئے تھے، اور عظیم آباد تک کے سفر کا قصد ظاہر کیا تھا "ظاہرا" "براہ" "عظیم آباد" سے یہی سمجھ میں آتا ہے، نواب صفدر جنگ کا مع لشکر عظیم آباد جانے کا زمانہ شوال یا ذیقعدہ ۱۱۵۵ھ ہے، تو اس وقت تک قاضی غلام محمد مصطفٰی برادر زادۂ ملا نظام الدین کو بقید حیات ہونا چاہیئے اور یہ ملا صاحب کی وفات سے چھ سال قبل کا زمانہ ہے۔

سفارش کے علاوہ ان خطوط میں تلقین و ارشاد بھی ہے، مسئلوں کا جواب بھی، عقیدوں کا انکشاف بھی، اور آم کی پسند اور اس پسند میں نفاست کا اظہار بھی، تلقین و ارشاد کے سلسلے میں یہ ہدایت کہ نمازوں کے بعد استغفار پڑھا جائے، جیسے اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح

Marfat.com

لی ابواب رحمتك"۔ اور قاضی قل محمد کو سخت ملامت کہ "نفسانیت اور کینہ کو دل میں جگہ دینا بے حد بری عادت ہے"، اور یہ حکم کہ غلام مسعود سے رسم صاحب سلامت شروع کی جائے اور اب جو وہ کسی تقریب شادی بیاہ یا عام دعوت وغیرہ میں بلائیں تو شرکت کی جائے اور انکار و بیزاری ظاہر نہ کی جائے"۔ یا یہ تلقین کہ "مقصد کو پورا ہونے میں دیر ہونے سے مایوس نہ ہونا چاہیئے"۔ یا غلام مسعود کو یہ ہدایت کہ "قاضی غلام محمد تمھارا چھوٹا بھائی ہے .... بالفرض غلطی اُس کی ہے تو تم سے درگزر کی امید ہے، چھوٹوں سے خطا بڑوں سے عطا ہوتی ہے"۔ بھائیوں میں صفائی کرانے کے سلسلے میں ملا صاحب کی دلسوزی اس حد تک ہے کہ دونوں بھائیوں قاضی قل محمد اور غلام مسعود کو الگ الگ حسب مرتبہ تلقین کرتے ہیں، اور غلام مسعود کو یہاں تک لکھتے ہیں کہ "تم تعلقات بحال کر کے احسان کرو، یہ احسان میرے اوپر ہوگا اور اتنا بڑا احسان ہوگا کہ اس کا شکریہ ادا کرنے سے زبان و قلم قاصر ہیں"۔

عقیدے کا اظہار اس طرح ہے کہ "ربیع الاول میں تبرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی میلاد شریف کی تقریب (ضیافت)، میں شرکت کو مستحسن قرار دیتے ہیں اور قاضی قل محمد نے جو صفائی نہ ہونے کی وجہ سے اس ضیافت میں شرکت نہیں کی تو ان کو تحریر فرمایا کہ "تم نے اچھا نہیں کیا"۔

خود قاضی قل محمد نے "تبرک حضرت غوث اعظم قدس سرہ العزیز" یعنی حضرت غوث پاک کی نیاز کا تبرک بھیجا تو اُن کو اطلاع دیتے ہیں کہ "میں نے اس تبرک کو سر آنکھوں پر رکھا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے جو اس قسم کے تبرک کی اہمیت کے منکر ہیں ملا صاحب کا عقیدہ یک سر مختلف تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین کے زمانے تک تبرک، میلاد شریف اور نذر و نیاز کو بدعت اور شرک کہنے کا چلن شروع ہی نہیں ہوا تھا۔

آموں سے شوق تو ملا صاحب کو تھا ہی، مگر اس شوق میں بھی نکتہ رسی اور دردن بینی کا مزاج ملا صاحب کی تحریر سے عیاں ہے، یعنی "جو ڈال کے ہوں (از قسم ٹپکہ) خوب پکے ہوئے،

Marfat.com

درخت میں رہنے یا زمین پر ٹپکنے کی حالت میں، ان میں کوئی داغ نہ آیا ہو۔ پھر مکرر توجہ دلاتے ہیں کہ "جو آم بھیجو وہ پال کے ہرگز نہ ہوں، خوب پکے ہوئے اور زمین پر ٹپکنے سے پہلے ہی درخت سے توڑ لیے گئے ہوں"۔

جن لوگوں کو آموں کا شوق ہے وہ ہی خوب جان سکتے ہیں کہ ذائقہ کے اعتبار سے 'پال' اور 'ڈال' کے آموں میں کیا نازک فرق ہوتا ہے، پھر چوٹ کھائے آموں اور بے داغ آموں کی لذت میں کتنا تفاوت ہے، وہ شوق جو "میٹھے ہوں اور بہت ہوں" کا متقاضی ہوتا ہے، آم کا نہیں پیٹ بھرنے کا شوق ہے، ملا صاحب پیٹ بھرنے کے بجائے آموں کا معیاری ذوق رکھتے تھے۔

ملا صاحب کے لکھے ہوئے خطوط کے علاوہ ایک خط ملا صاحب کے نام کسی صاحب کا لکھا ہوا قدیم خاندانی کاغذات میں پایا جاتا ہے، یہ خط بلاشبہ ڈھائی سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہے، اس لیے کہ اس میں ملا صاحب کے پیر و مرشد سے بھی ایک التدعا ہے جن کے وصال کو آج دو سو چھپن (۲۵۶) سال ہو چکے ہیں، ملا صاحب کے نام خط یہ ہے:۔

"فضائل و کمالات دستگاہ ملائی (کذا) نظام الدین در حفظ الٰہی باشند، مکتوب مرغوب متضمن خیریت خویش و عدم رسیدن نوشتجات آنجا کہ ارسال داشتہ بودند رسید، چوں پریشانی احوال کار از تحریر گزشتہ ہمین سبب ما در نوشتجات توقف بمیان آمد، آں فضیلت پناہ بمقتضائے اخلاص بر رفع پریشانی و کشا کشی کار یابی بکار دعا خواہند نمود خدائے تعالیٰ فضل نماید کہ مستجاب گردد و شیخ غلام مصطفیٰ در حویلی سرکار سکونت دارد و از خط ایشان مفصل واضح خواہد شد و ہمیں امیں (کذا) از کیفیت احوال خود اطلاع می دادہ باشند کہ خاطر متعلق بجا باشد، زیادہ زیادہ مشتاق دانند والسلم۔

فضیلت پناہا پریشانی از حد گزشت و گوشہ نشینی مثل فقرا بسبب بحاجت اختیار کردہ دعا باید کرد کہ خدائے تعالیٰ فضل نماید و غافل نباید بود کہ حالت نماندہ و شیخ غلام مصطفیٰ اینجا می مانند تا الحال کار خود صورت نہ گرفتہ است باندک خاطر جمعی انچہ خواہد شد تا مقدور دریغ

نخواہد شد خطے بجناب فیض مآب حضرت پیر و مرشد بحق شاہ عبدالرزاق سلمہ ربہ مرسول ساختہ بوقت نیک بایہ گزراند وخود ہم مقید باید شد کہ در گوشہ خاطر باشد تا باندک توجہ کامیاب دارین گردد۔

یہ پتہ نہیں چلتا کہ خط لکھنے والا کون ہے، بیچ میں غلام مصطفےٰ کا نام آیا ہے، یہ وہی ملا صاحب کے برادر زادے معلوم ہوتے ہیں جو ملاؤں کے قاضی ہوئے تھے، پھر معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے پھر معزول ہوئے۔ اس کے بعد بحالی کی کوششوں میں مفقود الخبر ہو گئے، یہ خط ملا صاحب کو اس وقت لکھا گیا ہے جب ان کی عمر چالیس پینتالیس کے درمیان تھی، اس لیے کہ ملا صاحب کے مرشد کا جب وصال ہوا ہے تو ملا صاحب کی عمر ۲۸ سال تھی، اتنا یقینی ہے کہ یہ خط ملا صاحب کے خط کے جواب میں ہے، شاید ملا صاحب نے اپنے برادر زادے قاضی غلام مصطفےٰ کے سلسلے میں کوئی سفارشی خط لکھا ہو گا جس کے جواب میں لکھنے والے نے لکھا ہے "تا مقدور دریغ نہ خواہد شد" اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کسی بااثر شخصیت کا یہ خط ملا صاحب کے نام آیا، جو ملا صاحب کا "ہم پیر" بھی معلوم ہوتا ہے۔

وفات

استاذ الہند ملا نظام الدین کی علمی، تدریسی اور ارشادی سرگرمیاں اس انداز سے جاری تھیں کہ کسی کو بھی خیال نہ آتا ہو گا کہ وہ قرحۂ مثانہ کی سخت تکلیف میں مبتلا ہیں اور ہمیشہ سے اس کے مریض ہیں۔

در مرض تنگ مثانہ چناں مبتلا بود کہ گاہے بول بفراغت نشد۔
رسالہ قطبیہ (مخطوطہ)

مثانہ میں پتھری پڑ جانے کی تکلیف ایسی تھی کہ کبھی کبھی سکون اور فراغت کے ساتھ پیشاب نہیں کر پاتے تھے۔

حضرت ملانا از ابتدائے عمر بہ بیماری

ابتدائے عمر ہی سے قرحۂ مثانہ کی بیماری

Marfat.com

قرحۂ مثانہ گرفتار بود گاہے بہ تدبیر و علاج نہ پرداختہ۔
عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)

میں گرفتار رہتے، اور کبھی علاج دوا کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے۔

اپنے اس تکلیف دہ مرض کے بارے میں خود ملا صاحب نے اپنے مرشد کے حالات میں تصنیف کردہ رسالہ "مناقبِ رزاقیہ" میں بہ ضمنِ کرامات لکھا ہے:۔

بندۂ درگاہ از آزار قرحۂ مثانہ مبتلا بود ہر چند ایں علت از زمان پیش بود لیکن دراں ہنگام استیلا گرفتہ کہ رنجش بہ حدے بود کہ نطاق عبارت و میدانِ تحریر از بیانش تنگ است آثارِ ترحم بر آنحضرت قدس سرہ العزیز لائح شدن گرفت پس گفت خبری دہد کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وانت ارحم الراحمین خواندہ ہر دو کف دست دراز کردہ چنانچہ در حالتِ دعا دمد...... انشاء اللہ صحت خواہد شد...... و آنچہ ارشاد کردہ بود بجا آورد الغرض از آں شدت غیر متوقع الخفۃ خلاصی یافتہ قریب بمزاج قدیم شد" الحمد للہ علیٰ ذالک۔

بندۂ درگاہ' قرحۂ مثانہ کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا، اگرچہ یہ مرض عرصۂ دراز سے ہے لیکن اس زمانہ میں اس حد تک تکلیف دہ ہو گیا تھا کہ بیان سے باہر ہے، (اس سخت تکلیف میں دیکھ کر) حضرت سید صاحب (سید شاہ عبد الرزاق بانسویؒ) قدس سرہ العزیز پر شفقت و رحم کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے، اس کے بعد فرمایا: خبر دیت خبر دیت (خبر دیتا ہو خبر دینے والا)، کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و انت ارحم الراحمین' پڑھ کر ہاتھوں کو اس طرح پھیلائے جس طرح دعا میں پھیلاتے ہیں اور ہتھیلیوں پر پھونکے پھر چہرہ، سر، اور پورے جسم پر ہتھیلیوں کو پھیرے'

Marfat.com

انشاء اللہ صحت ہو جائے گی ...... اس درد پر اسی طرح عمل کیا جس طرح حضرت سید صاحب نے ہدایت فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سخت تکلیف سے جس میں کمی آنے کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی نجات حاصل ہو گئی، اور سابق میں جو مزاجی حالت رہتی تھی وہی عود کر آئی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

جب ملا صاحب کی عمر ستر سال سے متجاوز ہو گئی تو :۔

بضعفے کہ عارض گشتہ بود پشت خم گردیدہ
عمدۃ الوسائل (مخطوطہ)

ناتوانی اس حد تک بڑھی کہ پیٹھ جھک گئی۔

تا آنکہ از ہمون مرض وفات یافتند
رسالہ قطبیہ

یہاں تک کہ قرحۂ مثانہ کی بیماری میں انھوں نے وفات پائی۔

وفات سے چھ ماہ قبل اپنے اکلوتے فرزند ملا عبد العلی بحر العلوم کے نکاح سے فراغت پا چکے تھے، ایک دن اپنے بڑے منجھلے بھائی ملا محمد سعید کی اہلیہ سے ملا صاحب نے فرمایا:۔

اگر کسے دریں سال وفات نماید شمایان بداں تشاؤم نہ نمائید چہ ہمہ از قضائے الٰہی بظہور می آید۔
(عمدۃ الوسائل)

اگر اس سال گھر میں کسی کی موت واقع ہو جائے تو آپ لوگ اسے کسی کی منحوسیت سے تعبیر نہ کریں، جو کچھ ہوتا ہے حکم الٰہی سے ہوتا ہے۔

ملا صاحب اپنی علالت کے دوران میں گھر کے اندر کوٹھے پر مقیم رہے، عمدۃ الوسائل کے مصنف نے اس زمانے کی جو تفصیل بیان کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے :۔

Marfat.com

بڑی تعداد میں لوگ عیادت کو آتے رہتے تھے، گھر میں بار بار پردہ کرایا جاتا جس سے خواتین کو زحمت ہوتی تھی، مولانا احمد عبدالحق (حقیقی بھتیجے) نے عرض کیا کہ دیوان خانے میں تشریف لے آئیں تو بہتر ہوگا۔ ملا صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت شاہ عبدالنبی قدوائی (ایک شیخ طریقت) ایک دن عیادت کو آئے، مولانا احمد عبدالحق نے اُن سے کہا کہ آپ ملا صاحب سے فرمائیے کہ باہر کے حصے میں تشریف لے آئیں، شاہ صاحب جس وقت ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت ملا صاحب استنجا کر رہے تھے، اس سے فراغت کے بعد قبل اس کے کہ شاہ صاحب کچھ کہیں ملا صاحب نے فرمایا:۔ میاں عبدالنبی! ہر روز بینم تنگ تر سوراخ ایں غربالہا (چھلنیوں کے سوراخوں کو روز بروز تنگ سے تنگ تر ہوتے دیکھ رہا ہوں) اس کے بعد فرمایا:۔ میاں عبدالحق کی جو مرضی ہے وہی کیا جائے، اس کے بعد اندرونِ خانہ سے دیوان خانے میں منتقل ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالنبی قدوائی، ملا صاحب کی وفات سے ایک روز قبل عیادت کے لیے گئے تھے، شاہ صاحب کے مرید اور داماد مولوی وجیہہ الدین اشرف نے اپنی ضخیم تصنیف "بحرِ زخار" میں لکھا ہے:۔

یک روز پیشتر از وفاتش قدوة العارفین بحسب اتحاد فیما بین کہ بمرتبۂ کمال داشت برائے عیادت او رفت و گفت کہ شب دیدہ ام در تمام شہر شور عظیم برپا شد وجہش استفسار نمودم ظاہر کرد کہ قطب ازیں عالم انتقال کرد، و فرمود کہ درحق بادشاہ وقت خدا خیر کند، بعد ساعتے قدوة العارفین گفت رخصت من شوم

ملا صاحب کی وفات سے ایک روز قبل قدوۃ العارفین (حضرت شاہ عبدالنبی قدوائی) ان تعلقات کی بنا پر جو دونوں میں انتہائی حدوں تک پہونچے ہوئے تھے عیادت کے لیے تشریف لے گئے، شاہ صاحب نے بیان کیا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ شہر میں بہت سخت کہرام بپا ہے، کسی سے پوچھا کہ کیا بات ہے، جواب دینے

فردا باز برائے دیدن ایشاں خواہم آمد
او تبسم نمود و رخصت کرد، صبح آں تاریخ
نہم جمادی الاولیٰ، روز چہار شنبہ ۱۱۶۱ھ
جاں بشاہد جاناں تسلیم نمود
بحر زخار (مخطوطہ)

والے نے کہا: قطب وقت نے اس جہان سے انتقال فرمایا (یہ اسی کا کہرام ہے) اس کے بعد شاہ صاحب نے ملا صاحب سے کہا "بادشاہ وقت کی خدا خیر کرے"۔ (یعنی یہ خواب بادشاہ کے حق میں اچھا نہیں معلوم ہوتا)، تھوڑی دیر بیٹھ کر قدوۃ العارفین نے کہا "اب میں اجازت چاہتا ہوں، کل پھر عیادت کو حاضر ہوں گا"۔ ملا صاحب مسکرائے اور شاہ صاحب کو خدا حافظ کہا، اس کے دوسرے دن صبح نویں جمادی الاول روز چہار شنبہ ۱۱۶۱ھ کو ملا صاحب انتقال فرما گئے۔

سلطنت مغلیہ کے وارث، شہنشاہ ہند محمد شاہ' اور سلطنت علمیہ کے اورنگ نشین' کئی پشتوں کے علم و فضل کے وارث، بانیٔ درس نظامی ملا نظام الدین کا وصال ایک ہی سال میں (۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء) ہوا۔ اور دونوں "بادشاہوں" کی وفات کے درمیان فرق بھی صرف ڈیڑھ ہفتہ کا رہا، مغل بادشاہ ربیع الثانی (۱۱۶۱ھ) میں سدھارا، اور استاذ الہند ۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ کو عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوئے۔ ملا صاحب کی عمر ۲، ۳، سال کی تھی۔

میاں عبدالباسط امیٹھوی نے ملا صاحب کی وفات کی تاریخ ع

"ملک بود و بہ یک حرکت فلک شد"

۱۱۶۱ھ

سے نکالی ہے، پورا قطعہ اس طرح ہے:۔

Marfat.com

نظام الدین محمد واصل حق چو از روئے زمیں سوئے فلک شد
وصالِ سالِ تاریخش فلک گفت بُلک بود و بہ یک حرکت مُلک شد

ان ہی میاں عبدالباسط امیٹھوی نے ایک اور قطعۂ تاریخ بھی کہا جس کی تقلید بعد کو بہت کی گئی، یہاں تک کہ مومن دہلوی کے اس مادۂ تاریخ کی بڑی شہرت ہوئی جو انھوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی وفات پر نکالا تھا یعنی

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

اس سے تقریباً سو سال قبل میاں عبدالباسط امیٹھوی ملا نظام الدین کا حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ لکھ چکے تھے۔

در وفاتِ مولوی صاحب خصال ہاتفِ تاریخ گفتش در مثال
در وفاتش بے سروپا گشتہ اند عشق و خیر و فیض و فضل و ہم کمال

عمدۃ الوسائل میں درج دیگر تفصیلات کے مطابق، ملا صاحب کی وفات گرمی کے مہینے جیٹھ میں ہوئی، اس مہینے میں لکھنؤ اور اطراف میں سخت تپش ہوتی ہے، دوپہر کے وقت جب جنازۂ مبارک روانہ ہوا تو لوگ یہی اندیشہ کر رہے تھے کہ باغ تک (جہاں تدفین عمل میں آنے والی تھی) جو فرنگی محل سے کم و بیش ایک میل ہے، پہونچتے پہونچتے گرمی کی شدت سے کہیں ہلاک نہ ہو جائیں، اس زمانے میں باغ میں بھی، (مدفن ملا صاحب میں)، کہیں کوئی سایہ نہ تھا، جوں ہی جنازہ اٹھایا گیا ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادھر ادھر سے نمودار ہو گئے۔ جب جنازہ باغ پہونچا ہے تو پورا باغ بادل کے نیچے تھا اور سوئی کے ناکے کے برابر ترشح بھی ہونے لگا، یہاں تک کہ دفن سے فرصت ہوئی، ادھر دفن ختم ہوا، ادھر بادل بھی چھٹ گئے، لوگوں کو واپسی دشوار ہو گئی۔

مزار مبارک فرنگی محل سے سمت مشرق کم و بیش ایک میل دور ایک وسیع آراضی ہے جو اب دو حصوں میں منقسم ہو کر "باغ ملا صاحب" اور "باغ مولوی انوار" کہلاتی ہے، یہ آراضی

شرائۂً یا ہبۃً ملا صاحب اور ان کے حقیقی بھتیجے ملا احمد عبدالحق کی ملک میں آئی تھی، ملا احمد عبدالحق کے حصے کی آراضی اُن کے ایک بیٹے مولانا احمد انوار الحق کی طرف منسوب ہو کر "باغ مولوی انوار" سے موسوم ہوگئی اور اب تک موسوم ہے، اب تو وہ پورا محلہ ہی "باغ مولوی انوار" کہلاتا ہے، یہی آراضی خاندان فرنگی محل کا قبرستان ہے۔[1]

ملا نظام الدین کا مزار مبارک ایک بلند چبوترے پر ہے جو "باغ ملا صاحب" والی آراضی میں واقع ہے، مزار پر نہ چھت ہے نہ گنبد وغیرہ، بلند چبوترہ بھی ملا صاحب کی تدفین کے بعد تعمیر ہوا، کہا جاتا ہے کہ اودھ کے ایک اعلیٰ منصب دار نواب دبیر الدولہ نے اسے بنوایا تھا۔

بلند چبوترے پر جس کی تعمیر کو اب دو سو سال سے زیادہ قطعی ہو چکے ہیں، پانچ قبریں ہیں، درمیانی قبر ملا صاحب کی ہے، بائیں جانب مولانا محمد نعیم اور مولانا عبدالغفار اور داہنی جانب مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحلیم کی قبریں ہیں، یہ چاروں بزرگ ملا صاحب کے احفاد میں ہیں۔

پورا علاقہ رکاب گنج کہلاتا ہے، جس کا ایک جز 'باغ مولوی انوار' ہے، اس باغ کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب ایک راستہ ہے جو ملا نظام الدین کی قبر مبارک تک پہونچاتا ہے، سیدھا جانے والا راستہ 'باغ مولوی انوار' کے اندرونی پھاٹک تک لے جاتا ہے جس میں داخل ہو کر داہنی طرف ایک وسیع مسجد ہے۔

---

[1] مولانا حسرت موہانی مرحوم نے اسی "باغ مولوی انوار" کو اپنی ایک غزل کے ذریعہ نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے، یہ غزل ان کی کلیات میں شامل ہے، جس کا مطلع ہے ؎

تا قیامت رہے قائم مری سرکار کا باغ وہ جسے کہتے ہیں سب حضرتِ انوار کا باغ

مولانا حسرت کے مرشد اور کئی پیرانِ سلسلہ اسی باغ (قبرستان) میں محو خواب ہیں۔

سالانہ فاتحہ ملا صاحب کا سالانہ فاتحہ، یوم وصال ۹ جمادی الاول کی شب کو یعنی ۸ جمادی الاول کا دن گزر کر بعد مغرب، بلند چبوترے سے متصل سبزیریں پختہ قطعۂ آراضی پر ہوتا ہے، اس موقع پر حاضرین میں سے کچھ لوگ پنج آیتیں، چاروں قل اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں، اور ایصال ثواب کے بعد تبرک تقسیم کیا جاتا ہے، عرس سے متعلق دوسرے کسی قسم کے مراسم نہیں ہوتے، بالکل یہی طریقہ، ملا صاحب کے پیر طریقت حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رح کے سالانہ عرس کا بھی ہو۔ جو ۵ شوال کو بانسہ شریف (ضلع بارہ بنکی) میں ہوتا ہے۔

ملا صاحب کے سالانہ فاتحہ کے موقع پر ایک عجیب منظر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ فاتحہ سے قبل بڑی تعداد میں شیشیاں اور بوتلیں، جن میں جلانے والا تیل بھرا ہوتا ہے مزار کے سرہانے رکھی ہوتی ہیں، اور فاتحہ کے بعد لوگ اپنی شیشیاں اور بوتلیں اٹھالے جاتے ہیں، مشہور ہے کہ طالبان علم مزار کے سرہانے اس لیے جلانے والا تیل رکھتے ہیں کہ اس تیل سے چراغ جلاکر مطالعۂ کتب کرنے سے مشکل مطالب بآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں اور مسائل ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے لکھا ہے :۔

"قبر مبارک اس وقت بھی مفید خاص و عام اور خاص کر مریضان علم کے لیے نسخۂ شفا ہے، مشہور ہے کہ جس کو مطلب کتاب کا سمجھ میں نہ آتا ہو، کتاب کھول کر مزار اقدس پر حاضر رہے اور روحانیت حضرت سے توجہ کرے فوراً مطلب سمجھ میں آجائے گا۔ (وھو مجربٌ)" [۱]

قیام گاہ جس "حویلی فرنگی" میں ملا قطب الدین شہید کا کنبہ سہالی سے آکر مقیم ہوا تھا، کنبے میں اضافے کے ساتھ اس میں گنجائش کم ہوتی گئی، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کے الفاظ میں :۔

---

[۱] تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ۱۹۳۰ء۔

"جب اولاد بڑھی اور جگہ کی تنگی ہوئی تو ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کوٹھی (حویلی فرنگی) کے جنوب جانب ......" [1]

مکان بنوالیا اور آخر تک ملا صاحب کا مکان مسکونہ یہی جنوب جانب والا مکان رہا، اور یہیں سے درس وتدریس اور ارشاد و ہدایت کے چشمے پھوٹتے اور دور دور تک تشنگانِ علم و رشد کو سیراب کرتے رہے، ملا صاحب کی وفات کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے ملا عبد العلی (بحر العلوم) نے بھی دس بارہ سال تک اسی مکان کی مسندِ تدریس کو زینت بخشی، ان ہی تدریسی سرگرمیوں کی بنا پر یہ مکان "مدرسہ ملا نظام الدین" کہلانے لگا، جس کا ایک حوالہ لطائف اکبری میں "ملا محمد ولی فرنگی محلی (متوفی ۱۱۹۸ھ) کے ذکر میں ملتا ہے جن کے بارے میں مرتب ملفوظ نے لکھا ہے:۔

"در مدرسہ ملا نظام الدین مدرس قوی الخدمت بود" [2]

دوسرا حوالہ بحر العلوم کے ذکر میں "رسالہ قطبیہ" میں مولانا عبد الاعلیٰ بن بحر العلوم نے دیا ہے:۔

"چونکہ مدرسہ مولانائے کامل در آنجا راہ بود" [3]

لطائف اکبری کے حوالے سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ بحر العلوم کے ترک وطن کے بعد بھی، جو تخمیناً ۱۱۷۲-۷۳ھ میں ہوا تھا، ملا صاحب کا یہ مکان علاوہ رہائش کے درس و تدریس کے بھی کام میں آتا رہا، اس لیے کہ ملا محمد ولی فرنگی محلی سے متعلق واقعہ ۱۱۹۳ھ کا ہے، جبکہ بحر العلوم کو یہ مکان چھوڑے بیس برس ہو چکے تھے، بیس برس کے بعد بھی "مدرسہ ملا نظام الدین"

---

[1] تذکرہ علمائے فرنگی محل، مطبوعہ ص ۱۶ [2] لطائف اکبری (مخطوطہ فرنگی محل) خواجہ حسن مودودی (متوفی ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء) نے اپنے مرشد خواجہ سید علی اکبر مودودی چشتی (وفات ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء) کے ملفوظات و حالات میں ایک مبسوط کتاب تحریر کی تھی جس کا نام "لطائف اکبری" ہے، اس دلچسپ اور کمیاب ملفوظ کی تصنیف کے آغاز کا سال ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء ہے۔

[3] رسالہ قطبیہ (مخطوطہ فرنگی محل)، سال اختتام تصنیف ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء ہے۔

Marfat.com

قائم و جاری تھا جس میں ملا محمد ولی فرنگی محلی (شاگرد ملا نظام الدین و ملا کمال الدین سہالوی) درس "قوی الخدمت" تھے۔

جیسا کہ صفحاتِ سابقہ میں گزر چکا ہے کہ ملا نظام الدین کے زمانے میں 'مدرسہ' کے نام سے محدود فرنگی محل میں کوئی الگ عمارت نہیں تھی، ملا صاحب کی قیام گاہ ہی ان کی درس گاہ تھی یا قیام گاہ سے بالکل ملی ہوئی مسجد، جیسا کہ بحر العلوم سے متعلق ایک مذکورہ واقعہ میں نقل ہو چکا ہے کہ:-

"بگوشۂ مسجد نشستہ مرا درس می دادند" الخ [۱]

ہو سکتا ہے کہ بحر العلوم کو مسجد میں پڑھانے کا واقعہ محض اتفاقی ہو، اس لیے کہ ابو المعالی خاں سے متعلق جو واقعہ اوپر گزر چکا ہے اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ ملا صاحب کہاں ملیں گے؟ تو:-

مردم بمکانِ نشستِ مولانا قدس سرہ نشان دادند	لوگوں نے ملا صاحب کا بیٹھکا بتا دیا۔
دآں وقت جناب شاں بر زمین بر فرش	وہ جب خدمت میں پہنچا تو حال یہ تھا کہ
ناکارہ نشستہ درس می دادند الخ	ملا صاحب زمین پر بیٹھے ہوئے جس پر بوسیدہ سا فرش بھی تھا، درس دے رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب عموماً اپنے بیٹھکے ہی میں درس دیا کرتے تھے، اور یہ بات اتنی معروف تھی کہ نووارد کے پوچھنے پر لوگوں نے "مکانِ نشست مولانا قدس سرہٗ" ہی کا راستہ بتایا نہ کہ مسجد کا، لیکن کیا یہ مکانِ نشست" (بیٹھکا) ملا صاحب کے زمانے میں "مدرسہ" بھی کہلاتا تھا؟ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، ملا صاحب کے بعد "مدرسہ ملا نظام الدین" اور "مدرسہ مولانائے کامل" (بحر العلوم) کے الفاظ ملتے ہیں۔

---

[۱] عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ)

بحر العلوم کے ترک وطن (۱۲۰۳ھ) کے بعد بھی "مدرسۂ ملا نظام الدین" کے نام سے یہ مکان نشست "معروف رہا۔

اس مکان کی ملکیت، ظاہر ہے کہ ملا صاحب کے وارث بحر العلوم کو منتقل ہوئی، اور ان کے نقلِ سکونت کے بعد ان کی اولاد، جو فرنگی محل میں قیام پذیر رہی اس مکان کی مالک رہی، بحر العلوم نے جب فرنگی محل چھوڑا تو ان کے صاحبزادگان خورد سال تھے، ملا حسن فرنگی محلی، ملا محمد ولی فرنگی محلی ملا محمد حسین فرنگی محلی، اور مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی (شاگردان ملا نظام الدین) نے استاد کی مسندِ درس پر فرائض قائم مقامی انجام دیئے، اور یہ وہی زمانہ ہے جب ملا محمد ولی کے بارے میں "در مدرسۂ ملا نظام الدین مدرسِ قوی الخدمت بود" کی بات کہی گئی ہے، بحر العلوم کے ترک وطن کے دس بارہ سال کے بعد ملا حسن فرنگی محلی بھی ترک وطن پر مجبور ہوئے اور ان کی جگہ ان کے ایک شاگرد ملا محمد مبین فرنگی محلی نے لے لی، یہاں تک کہ وہ صدی (بارھویں صدی ہجری یا اٹھارھویں صدی عیسوی) ختم ہوگئی جس کا بڑا حصہ استاذ الہند ملا نظام الدین کے غلغلۂ درس و تدریس سے معمور رہ چکا تھا، اب یہ "مدرسۂ ملا نظام الدین" بحر العلوم کی وفات (۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء) کے بعد ان کے صاحبزادے ملا عبد الرب اور پوتے ملا عبد الجامع کی وراثت میں آگیا، اس طرح وراثت اور باہمی تصفیہ سے یہ مکان موسوم بہ مدرسۂ ملا نظام الدین" مولوی عبد الجامع کے صاحبزادے مولانا عبد الغفار کی تنہا ملکیت میں آیا، مولانا عبد الغفار کی وفات ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں ہوئی، اور یہ مکان اُن کی بیوہ ذاکیۃ النساء کی طرف منتقل ہو گیا، مولانا عبد الغفار کا کوئی عقب نہیں رہا تھا۔ ان کی بیوہ اپنے میکے کاکوری (ضلع لکھنؤ) میں مقیم ہوگئیں۔

مدرسۂ نظامیہ مولانا عبد الغفار کی وفات کے ایک ہی سال بعد مدرسۂ ملا نظام الدین والے مکان میں "مدرسۂ نظامیہ" قائم کیا گیا، یہ مدرسہ، علمائے فرنگی محل پر مشتمل ایک تعلیمی ادارے انجمن مؤید العلوم نے قائم کیا تھا۔

Marfat.com

"اس مدرسہ کا افتتاح جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہو چکا ہے ۹ رجمادی الاول ۱۳۲۳ھ (مطابق ۱۹۰۵ء) کو ہوا، جو روز وفات حضرت استاذ الهند ملا نظام الدین علیہ الرحمہ کا ہے، پہلے دور میں جب مدرسہ قائم کیا گیا تھا اس کا نام "اشاعت العلوم" رکھا گیا تھا اور اس کے لیے مولانا مفتی محمد یوسف علیہ الرحمہ (وفات ۱۲۸۶ھ) کا مکان کرایہ پر لیا گیا تھا جس میں اب مطبع یوسفی ہے، لیکن جب مدرسہ کو (اشاعت العلوم کو) از سر نو زندہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت وہ پہلا مکان خالی نہ تھا، اس لیے ارکان مدرسہ نے موقعہ کو غنیمت دیکھ کر استاذ الہند ملا نظام الدین علیہ الرحمہ کا مکان اہلیہ مولوی عبدالغفار صاحب مرحوم حنفیہ حضرت مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ سے کرائے پر حاصل کر لیا، اور ملا نظام الدین علیہ الرحمہ کی زندہ یادگار کے طور پر انہی کی وفات کے دن اس کا افتتاح کیا۔ اور چونکہ مدرسہ انہی کے متبرک مکان میں قائم کیا گیا تھا اس لیے اس کا نام بھی اپنے بانی کے نام نامی پر (ملا نظام الدین کے نام نامی پر) رکھا گیا۔" [۱]

مدرسہ نظامیہ کا افتتاح ۹ رجمادی الاول ۱۳۲۳ھ (مطابق جولائی ۱۹۰۵ء) کو مکان ملا نظام الدین میں اس طرح ہوا کہ:-

صاحبزادۂ والا تبار مخدوم و محترم حضرت میاں سید خورشید احمد نبیرۂ حضرت سید السادات (سید شاہ عبدالرزاق) بانسوی رحمۃ اللہ علیہما سے بموجودگی حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ افتتاح کرایا اور تبرکاً میں نے حضرت استاذ الاساتذہ سے حدیث انما الاعمال بالنیات مشکوٰۃ شریف سے پڑھی۔ [۲]

---

[۱] "رودادِ سالِ دوازدہم مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ" تیار کردہ مولانا محمد قطب الدین عبد الوالی نائب مہتمم (مخطوطہ) یہ روداد ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کی ہے جو افتتاح مدرسہ کا بارھواں سال ہے۔

[۲] حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق ص۱۱ مطبوعہ۔ از مولانا مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی۔

مکان ملا نظام الدین کو مدرسہ نظامیہ کے لیے جب کرایہ پر اہلیہ مولوی عبدالغفار مرحوم سے لیا گیا تھا تو اس وقت مکان کی حالت :-

"یہ تھی کہ صرف ایک دالان اور ایک بالاخانہ کام میں لانے کے قابل تھا اور باقی حصہ مکان کا منہدم اور بے کار پڑا ہوا تھا۔" [1]

مالکۂ مکان نے ۱۹۰۵ء میں یہ مکان مدرسہ نظامیہ کو کرایہ پر دے دیا تھا، اس وقت اس کا صرف ایک دالان اور بالاخانہ قابلِ استعمال تھا، چار سال کے بعد ۱۹۰۹ء میں مالکۂ مکان نے اس مکان ملا نظام الدینؒ کو امور خیر کے لیے، یعنی اس کی آمدنی جو ۹۶ روپے سالانہ تھی، فاتحہ، نذر نیاز وغیرہ کے لیے وقف کردی اور اس وقف کا متولی مولانا محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ کو بنا دیا۔

ظاہر ہے کہ مدرسہ نظامیہ کی ضروریات ایک دالان اور ایک بالاخانہ سے پوری نہیں ہو سکتی تھیں، اس میں اضافے کی ضرورت اور مکانِ موقوفہ میں باجازت واقفہ رد و بدل کی احتیاجِ شدید نے ارکانِ مدرسہ کو مجبور کیا کہ وہ کوئی قدم اٹھائیں اور یہ قدم اٹھایا گیا، جس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے :-

"مدرسہ اور مکانِ مدرسہ کے ابتدائی حالات اور وہ معاہدے (کذا) جو مابین مالکۂ مکان اہلیہ جناب مولوی عبدالغفار مرحوم و ارکان مدرسہ بتوسط جناب مولانا عبدالباری صاحب متولی وقف مکانِ مدرسہ ہوا تھا، ان سب کا تذکرہ گزشتہ روئیدادوں میں ہو چکا ہے۔" [2]

مذکورہ اقتباس میں "معاہدے" کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ "معاہدے .... ہوا تھا" درست نہیں ہے، یہ لفظ "معاہدہ" ہے، جیسا کہ سال دوازدھم

---

[1] روئیداد سال دوازدھم مدرسۂ عالیہ نظامیہ (مخطوطہ) [2] روئیداد سال سیزدھم مدرسۂ نظامیہ۔ از نائب مہتمم مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی (مخطوطہ)

Marfat.com

کی روئیداد میں ہے :-

"مدرسہ اور مکانِ مدرسہ کے ابتدائی حالات اور معاہدہ جو فی مابین مالکۂ مکان اور ارکانِ مدرسہ ہوا تھا...... الخ" [1]

بہرحال مدرسۂ نظامیہ (موسوم بنام ملا نظام الدین) ملا صاحب کے جس "متبرک مکان" میں ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں انجمن مؤید العلوم کی نگرانی میں قائم کیا گیا تھا، نہ صرف یہ کہ اس کی آمدنی امورِ خیر کے لیے مالکۂ مکان نے ۱۹۰۸ء میں وقف کی تھی، بلکہ ارکانِ مدرسہ اور مالکۂ مکان کے درمیان "بتوسط متولی وقفِ مکانِ مدرسہ" ایک معاہدہ بھی ہوا تھا، ارکانِ مدرسہ نے ازروئے معاہدہ مکانِ موقوفہ میں مدرسۂ نظامیہ کی ضرورت کے تحت ترمیم واضافہ کیا :-

"آج بفضلِ ایزدی آپ حضرات مکان کی ہیئت کو متغیر اور خوش قطع پاتے ہیں جو ارکانِ مدرسہ کی ہمت اور استقلال کا نتیجہ ہے۔" [2]

مکانِ مدرسہ کی ہیئت کو متغیر اور خوش قطع بنانے میں ارکانِ مدرسہ کی ہمت اور استقلال کے ساتھ جن چندہ دہندگان کا خصوصی دخل رہا ہے اُن میں :-

"سب سے پہلے رانی صاحبہ جہانگیرآباد کا شکریہ ادا کروں گا جنھوں نے پہلے بھی مشرقی حصے کی تعمیر کے لیے روپیہ عنایت کیا تھا اور اب سالِ گزشتہ کی بارش میں (۱۹۰۸ء ۱۳۲۶ھ) جب یہ حصہ منہدم ہوگیا تو پھر انھوں نے اس حصے کی تعمیر کے لیے روپیہ عنایت کیا، ان کے بعد جناب نواب نصیر الدین صاحب کا شکریہ جس حد تک اراکین مجلس (مجلس مؤید العلوم) ادا کریں کم ہے۔" [3]

روئیداد سالِ سیزدہم میں ہے :-

---

[1] روئیداد سالِ دوازدہم مدرسۂ نظامیہ، از نائب منصرم مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی (مخطوطہ)
[2] ایضاً [3] ایضاً

"جیسا کہ میں نے سال گزشتہ کی روئیداد میں ظاہر کیا تھا کہ خدا کے فضل و کرم سے مکان کی تعمیر اور درستگی مکمل حالت کو پہونچ چکی ہے جو کچھ حصہ باقی تھا اس کو بھی نواب نصیر الدین دہلوی کی ہمت سے خدا نے پورا کر دیا۔ اب بظاہر کوئی ضرورت بہر تعمیر بالفعل مدرسہ میں نہیں ہے۔" [۱]

مدرسۂ نظامیہ کی موجودہ عمارت وہی ہے جس کو "تعمیر اور درستگی" کی "مکمل حالت" سے تعبیر کیا گیا ہے، ۱۶-۱۹۱۵ء کے بعد سے اب تک مکان مدرسہ میں کوئی رد و بدل نہیں ہوا ہے، بڑے چھوٹے سب ملا کر پندرہ کمرے اس مکان مدرسہ میں ہیں جو مدرسہ کے افتتاح کے وقت محض ایک دالان اور ایک بالاخانہ پر مشتمل تھا۔ [۲]

۱۹۰۵ء میں اس متبرک مکان میں قائم ہونے والا مدرسۂ نظامیہ پچاس پچپن سال تک علوم عقلیہ و دینیہ کی اعلیٰ تعلیم کا مشہور مرکز رہا، اور ۱۹۲۰ء سے شروع ہونے والی قومی جنگ آزادی میں اس کے بیشتر اراکین نے پوری طرح حصہ لیا، یہی وہ مدرسہ ہے جس نے مشہور

---

[۱] روئیداد سال سیزدھم مدرسۂ نظامیہ۔ از نائب منصرم مولانا محمد قطب الدین عبد الوالی (مخطوطہ)

[۲] اس تاریخی مکان کی مدرسۂ نظامیہ کے لیے نئی تعمیر اور درستگی کے "مکمل حالت" تک پہونچنے میں شاید بہت زیادہ بے محل نہ ہوگا اگر بطور اظہار تعلق خاطر، ان ہی روئیدادوں سے تھوڑا سا اضافہ ذیل میں کر دیا جائے:۔

"تعمیرات کا صیغہ بھی مدرسہ میں باقاعدہ قائم ہے، جناب مولوی سخاوت اللہ صاحب اور جناب مولوی برکت اللہ صاحب ناظر تعمیرات ہیں۔" (روئیداد سال دوازدھم از نائب منصرم مدرسہ)

مولوی سخاوت اللہ مرحوم (وفات ۱۹۲۶ء) راقم السطور کے والد ماجد ہیں جو علاوہ (اعزازی) ناظر تعمیرات کے مدرسۂ نظامیہ میں اعزازی مدرس بھی تھے، ان کا مدرسہ سے اعزازی تعلق ۱۹۲۳ء تک قائم رہا جس کے بعد وہ سالی دیا حیدرآباد بسلسلۂ ملازمت چلے گئے۔ مولوی برکت اللہ مرحوم (متخلص بہ رضا فرنگی محلی شاگرد امیر مینائی) راقم کے خسر تھے (وفات ۱۹۲۵ء) اللھم اغفر لھما۔ ۱۲ محمد رضا انصاری

قومی رہنماؤں، مسٹر محمد علی بی۔ اے (آکسن) اور مسٹر شوکت علی بی۔ اے علیگ کو ایک مخصوص جلسۂ تقسیم اسناد میں "خدمۃ الاسلام والمسلمین" کے سلسلے میں مجاہدانہ سرگرمیوں کے شاندار ریکارڈ پر "مولانا" کی اعزازی ڈگریاں دے کر "مولانا محمد علی" اور "مولانا شوکت علی" بنا دیا۔ یہ مدرسہ ۱۹۲۰ء کے بعد سے 'تارکین' موالات' کا مدرسہ آخر تک رہا، اور برطانی حکومت کی کبھی اور کسی قسم کی امداد اس نے قبول نہیں کی' یہاں تک کہ ہندوستان آزاد ہو گیا۔

ترکِ موالات کے ایک بڑے علم بردار مولانا محمد عبد الباری فرنگی محلیؒ کی حیات تک ہندوستان کی مسلم ریاستوں تک سے امداد نہیں لی گئی کہ 'تاجِ برطانیہ' سے بہرحال وابستہ ہیں، مولانا عبد الباریؒ اس وقت مدرسۂ نظامیہ کے منصرم اور انجمن موید العلوم کے صدر تھے، ان کی وفات کے بعد (۱۹۲۶ء) ریاست حیدر آباد اور رام پور کی امداد کو قبول کیا گیا جو ۱۹۴۷ء تک ملتی رہیں۔ تقسیم ہند کے اور اس کے بعد خاتمۂ زمینداری کے نتیجے میں مدرسۂ نظامیہ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں رہی، مگر مدرسہ جاری رہا، طلباء کے لیے وظائف کا بندوبست نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان کی تعداد گھٹتی گئی، اس کے بعد بھی مدرسہ میں فتویٰ نویسی، بلا درجہ بندی مختلف اسباق اور ابتدائی درجات کی باقاعدہ تعلیم ہوتی رہی، آخری دو تین برسوں میں پرائمری درجات، (ناظرہ قرآن اور اردو) کی پڑھائی تک تعلیم محدود ہو گئی، لکھنؤ میونسپل کارپوریشن سے پرائمری تعلیم کے لیے امداد بھی ملنے لگی تھی کہ ۱۹۷۹ء میں اس کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔

بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین کی قیام گاہ اور درس گاہ، نیز بحر العلوم کے مولد و منشاء ہونے کی وجہ سے اس مکان کی حیثیت تاریخی اور من جملہ آثار قدیمہ ہے، قدیم مشرقی علوم کے قدر دانوں کے لیے یہ مکان بلاشبہ ایک زیارت گاہ ہے، بانیِ درسِ نظامی، اُن کے درس اور خاندانِ فرنگی محل کی شاندار علمی و دینی خدمات کا اثر صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ افغانستان، ماوراء النہر اور مشرق وسطیٰ تک پھیلا ہوا ہے، بیرونی ممالک کے علماء و فضلاء اب تک فرنگی محل کے ماضی سے متأثر معلوم ہوتے ہیں، اور گاہ گاہ ان کے وفود تاریخی آثار کی زیارت کے لیے

Marfat.com

آتے رہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ادھر دو ایک سال سے اس "متبرک مکان" کی حالت "زیارت" کے بھی قابل نہیں رہی ہے ــــــ ارباب اوقاف کی بے توجہی کا جتنا بھی شکوہ کیا جائے کم ہے۔

لطفِ ماضی کی جو کچھ یاد تھی باقی دل میں
اُس کو بھی تیرے تغافل نے مٹا کر چھوڑا

تصانیف

"تصانیف ملا نظام الدینؒ" ایسا موضوع ہے جو بجائے خود ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے، ظاہر ہے کہ ضمنی عنوان کے تحت اس موضوع کا پورا حق ادا کرنا ممکن نہیں، اس لیے ملا صاحب کی تصانیف کے اجمالی ذکر تک گفتگو کو محدود رکھنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

ملا صاحب کی تصانیف کے موضوعات، (۱) اصولِ فقہ (۲) کلام (۳) فلسفہ (۴) سیر اور (۵) حدیث ہیں:۔

۱۔ اصولِ فقہ:۔

(الف) شرح مسلم الثبوت۔

ملا صاحب کے والد ملا قطب شہید کے شاگرد (نیز ملا قطب شہید کے شاگرد ملا قطب الدین شمس آبادی کے بھی شاگرد) ملا محب اللہ بہاری (وفات ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) نے اصولِ فقہ میں ایک مختصر مگر نہایت جامع کتاب "مسلم الثبوت" لکھی تھی جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، آخری شارح مولانا عبدالحق خیرآبادی (بن مولانا فضل حق خیرآبادی) تھے، جن کی وفات مسلم الثبوت کے مصنف کے دو سو برس بعد ہوئی، اولین شارح ملا نظام الدین تھے، جنھوں نے ایک روایت کے مطابق ملا بہاری کی زندگی ہی میں شرح لکھی تھی اور ملا بہاری کو ارسال بھی کر دی تھی،

Marfat.com

مسلم الثبوت درسِ نظامی کی انتہائی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

ملا صاحب کے پوتے ملا عبدالاعلیٰ بن بحرالعلوم کے بیان کے مطابق ملا صاحب نے مسلم الثبوت کی دو شرحیں لکھی تھیں، ایک اطول دوسری طویل، لیکن:۔

شرح اطول مفقود شدہ است | شرح اطول مفقود ہو گئی ہے۔

تطبیہ (مخطوطہ)

دوسری شرح "طویل" تھی، مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کے کتب خانے میں ملا نظام الدینؒ کی شرح مسلم الثبوت کا ایک مخطوطہ ہے جو کتب خانے کے ساتھ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) منتقل ہو گیا ہو۔ یہ اس قدر کرم خوردہ ہے کہ پڑھا بھی نہیں جا سکتا، مولانا آزاد لائبریری کے "مولانا عبدالحیؒ کلکشن" میں اس کی جگہ صرف نام کی تختی رکھی ہوئی ہے، مخطوطے کی بس زیارت کی جا سکتی ہے، صفحات تک گننا ممکن نہیں ہے۔

رضا لائبریری (رام پور) میں شرح مسلم الثبوت (ملا نظام الدین) کے تین مخطوطے ہیں۔

(۱) از شروع تا مسئلہ، یجوز النسخ (از آخر قدرے ناقص) مجموعی صفحات (۴۲۶)

(۲) شروع سے تا فصل فی احکام النبویہ (خط نستعلیق) مجموعی صفحات (۳۳۲)

(۳) مختلف قلموں کا لکھا ہوا، مجموعی صفحات (۱۰۱۸)

برٹش میوزیم (لندن) کے کیٹلاگ سے بھی ملا نظام الدین کی شرح مسلم الثبوت کی موجودگی کا علم ہوا، بوہار کلکشن (کلکتہ) میں بھی شرح مسلم الثبوت از ملا نظام الدین دو جلدوں میں موجود ہے۔

ان سب مخطوطوں کے تفصیلی مطالعے کے بعد ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ سب 'شرح طویل' ہیں یا ان میں کوئی شرح اطول بھی ہے، جس کی گم شدگی کا دعویٰ دو سو سال قبل ملا عبدالاعلیٰ نے کیا تھا۔

(ب) شرح صدرا مسمیٰ بہ الصبح الصادق

اصول فقہ کا مشہور متن "المنار" ہے جس کے مصنف ابو البرکات حافظ الدین نسفی (وفات سنہ ۷۱۰ھ یا ۷۰۱ھ) ہیں۔ اس کی بھی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، خود مصنف نے بھی اپنے متن کی شرح لکھی ہے جس کا نام "کشف الاسرار" ہے زیادہ مشہور شرح "نور الانوار" ہے، شارح ملا جیون امیٹھوی (وفات ۱۱۳۰ھ) ہیں، یہ شرح درس نظامی میں داخل ہے۔ اسی متن کی شرح ملا نظام الدین نے بھی لکھی تھی اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری (رام پور) میں ہے، اس کے صفحات کی مجموعی تعداد (۹۲) ہے۔ اس کی ایک جدید نقل درگاہ کاظمیہ (کاکوری ضلع لکھنؤ) کے کتب خانہ میں بھی ہے، اور جس اصل سے یہ نقل ہوئی تھی وہ تینتیس برس قبل تک فرنگی محل میں مولانا عبد الباریؒ کے کتب خانے میں موجود تھی۔

(ج) شرح تحریر الاصول

اصول فقہ کا ایک متن "تحریر الاصول" ہے جس کے مصنف ہدایہ کے شارح (مصنف فتح القدیر) علامہ ابن ہمام (وفات ۸۶۱ھ) ہیں، ملا صاحب نے اس کی شرح بھی لکھی تھی۔ مگر مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کا بیان ہے کہ:-

"تحریر الاصول کی شرح آپ کے (بحر العلوم کے) والد ماجد نے لکھنا شروع کی تھی آپ نے (بحر العلوم نے) تکمیل فرمائی"۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ ص ۱۳۰)

بہرحال اس کتاب کا سراغ ابھی تک نہیں مل پایا ہے۔

۲- کلام

فن کلام میں بھی ملا صاحب کی تین تصانیف ہیں:-

(الف) شرح عقائد جلالی کا حاشیہ۔ یہ حاشیہ طبع ہو چکا ہے۔ اور اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری (رام پور) میں موجود ہے، جو حاشیہ اور منہیات پر مشتمل ہے اور اس کے صفحات (۱۹۶) ہیں۔

(ب) حواشی قدیمہ جلالیہ پر حاشیہ:- اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری (رام پور) میں ہے۔

Marfat.com

جس کے صفحات کی تعداد (۳۰۸) ہے۔

(ج) رسالہ مبارزیہ فی العقائد الاسلامیہ کی شرح:۔ اس شرح کا سراغ بھی رضا لائبریری (رامپور) میں ملا، جو مخطوطہ رضا لائبریری میں ہے اس کے صفحات (۱۹۸) ہیں اور شرح تا بحث علم ہے۔

۳۔ فلسفہ

(الف) علامہ صدر الدین شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ معروف بہ صدرا کا حاشیہ:۔

یہ حاشیۂ صدرا، اصل کتاب کے حاشیہ پر دیگر حواشی کے ساتھ متعدد بار طبع ہو چکا ہے، اس حاشیے کے مخطوطے بھی پائے جاتے ہیں، دو نسخے رضا لائبریری (رام پور) میں ہیں جن کے صفحات (۲۰۸) اور (۲۴۰) ہیں، مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) کے مولانا عبد الحیٔ کلکشن میں بھی اس کا مخطوطہ موجود ہے، لہٰذا اس کا ایک مخطوطہ حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری) میں ایسا پایا جاتا ہے جس کی کتابت ملا صاحب کی حیات میں ہوئی ہے۔

ایک عجیب زلت قلم نواب صدر یار جنگ سے اس مخطوطے کے بیان کے سلسلے میں یہ سرزد ہوئی کہ وہ "شرح ہدایۃ الحکمۃ" کو "شرح حکمۃ العین" تحریر فرما گئے۔ اپنے کتب خانے (حبیب گنج) کے لیے اس کی خریداری کے بعد نواب صاحب نے ایک خط میں بے حد مسرت اس نادر مخطوطے کے حصول پر ظاہر کرتے ہوئے مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی (ناظم ندوۃ العلماء) کو تحریر فرمایا کہ:۔

"آزاد (میر غلام علی آزاد بلگرامی) نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ ملا صاحب کے توالیف میں سے حاشیہ، شرح حکمۃ العین صدر الدین شیرازی بھی ہے"۔

(کتاب صدر یار جنگ صفحہ ۲۴۰)

حالانکہ سبحۃ المرجان میں حکمۃ العین نہیں ہدایۃ الحکمۃ ہے:۔

ومن توالیفہ حاشیۃٌ علی شرح هدایۃ الحکمۃ صدر الدین الشیرازی	ملا نظام الدین کی تصانیف میں ایک حاشیہ ہے جو صدر الدین شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر ہے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں بھی بعینہ یہی عبارت فارسی میں تحریر کی ہے:-

"از تالیفات او شرح ہدایۃ الحکمۃ...... الخ

نواب صدر یار جنگ کے قلم سے چوک ہی ہوئی کہ وہ ہدایۃ الحکمۃ کو حکمۃ العین تحریر کر گئے،
ورنہ اسی خط میں آگے وہ خود لکھتے ہیں:-

"عنوان میں (مخطوطے کے صفحہ اول پر) نام اس عبارت سے ہے" نسخۂ حاشیۂ
مولوی نظام الدین سلمہ اللہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ صدرا"

(کتاب صدر یار جنگ صفحہ ۲۴)

میں نے خود اس مخطوطہ کو حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری) میں دیکھا اور حاشیۂ
صدرا (از ملا نظام الدین) کے دوسرے مخطوطوں سے اس کا مقابلہ کیا تو سب میں یکسانی پائی۔

(ج) حاشیۂ شمس بازغہ۔ ملا محمود جون پوری کی شہرۂ آفاق تصنیف الشمس البازغہ پر ملا
صاحب کا حاشیہ، اصل کتاب کے حاشیہ پر (دیگر حواشی کے ساتھ) طبع ہو چکا ہے، اس کا کوئی
مخطوطہ ابھی تک علم میں نہیں آیا ہے۔

۴۔ سِیَر

اس فن میں ملا صاحب کی ایک ہی تصنیف ہے، یہ اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالرزاق بانسویؒ
(وفات ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کے حالات میں ہے جس کا نام مناقب رزاقیہ ہے جو کئی بار طبع ہو چکی ہے اور
اس کے مخطوطے بھی پائے جاتے ہیں، لیکن ملا صاحب کے قلم کا لکھا مسودہ دستیاب نہیں ہے،
اس کتاب کی شرح ملا صاحب کے پوتے ملا عبدالاعلیٰ بن بحر العلوم (وفات ۱۲۰۰ھ) نے لکھی
ہے، جس کا نام محاسن رزاقیہ ہے، اس کے مخطوطے پائے جاتے ہیں۔ اصل اور شرح دونوں
فارسی میں ہیں، اصل کتاب کا اردو ترجمہ بھی نصف صدی قبل شائع ہوا تھا، ملا عبدالاعلیٰ نیز
ملا ولی اللہ فرنگی محلی (وفات ۱۲۷۰ھ) کی تصریح کے مطابق ملا صاحب کی یہ تصنیف صرف مرتب
ہو پائی تھی، مصنف کو اس پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے اس کے متعدد مخطوطوں میں

Marfat.com

خاصا اختلاف ہے۔

بہرحال جس حالت میں بھی یہ تصنیف ہے ایک فاضل اجل کی تصنیف ہے، جس کی اپنے مرشد سے عقیدت انتہائی درجے پر پہونچی ہوئی ہے، پھر بھی عقیدت سے سرشار قلم کہیں بھی حدود سے متجاوز نہیں ہوا ہے، یہ اتنا پراثر اور علمی و فقہی نکتوں سے مملو تذکرہ ہے کہ اہل علم و اہل ذوق دونوں کو اس میں کشش کا پورا سامان مل جاتا ہے۔

اس تذکرہ کا نمایاں ترین پہلو اس کے مصنف کا ـــــ جو علامۂ وقت اور استاذ الاساتذہ بھی ہے ـــــ عجز و انکسار ہے، پوری کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں آنے پایا جس سے ادعائے علم کا شائبہ بھی ہو سکے۔ اس کے برعکس اپنے علم و فضل کو اپنے امی (ناخواندہ) شیخ کے عرفان کے آگے ہیچ سمجھنے کی متعدد بے ساختہ مثالیں مناقب رزاقیہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مثلاً: ملا صاحب کا بیان ہے کہ: ایک روز بندۂ درگاہ اور دوسرے مریدین حاضر تھے، حضرت (سید صاحبؒ) نے فرمایا: عرصہ ہوا پیر دستگیر میر سید عبد الصمد علیہ الرحمہ کو میں نے (عالم کشف) میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں "آج دوشنبہ ہے اور آج میں نے قید خانۂ حیات سے رہائی پائی اور لقائے حبیب سے پیوستگی نصیب ہو گئی" بعض پیر بھائی گجرات سے آئے اور انھوں نے بتایا کہ حضرت میر سید عبد الصمدؒ (حضرت سید صاحب کے پیر و مرشد) کا انتقال منگل کے روز ہوا، حضرت سید صاحب نے فرمایا: مجھے حیرت ہوئی کہ کیا کشف میں بھی غلطی ہو سکتی ہو۔ حالانکہ ایسا ہونا بعید ہے، بندے نے عرض کیا: اولیاء اللہ کے معاملے "تعبیر پذیر" ہوتے ہیں، حضرت سید صاحب نے فرمایا: صحیح ہے، اولیاء اللہ کے معاملے "تاویل پذیر" ہوتے ہیں جیسا کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ وعلیٰ نبینا وآلہ الطاہرین کو پیش آیا، چونکہ حضرت سید صاحب نے بس اسی قدر فرمایا تھا اس لیے بندے نے عرض کیا:۔

خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ وعلیٰ نبینا وآلہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ و

چہ طور لاحق شدہ بعض یاران گفتند کہ آں قصہ را می دانی سوال از بہر چیست گفتم بہر اینکہ بزبان مبارک موید فرمایند۔

علیٰ نبیناو آلہٖ کو کس طرح کا معاملہ پیش آیا تھا؟ بعض موجود پیر بھائیوں نے کہا آپ خود اس معاملے کو اچھی طرح جانتے ہیں پھر حضرت سے یہ استفسار کس لیے کر رہے ہیں؟

میں نے جواب دیا: اس لیے استفسار کر رہا ہوں کہ حضرت اپنی زبان مبارک سے اس معاملے کو بیان فرمائیں۔

یہ صرف ایک مثال ہے، اس سے ملتے جلتے بہت سے واقعے مناقب رزاقیہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ سوانح اولیاء اللہ کے مصنفین عام طور پر اسی طرح کی انکساری اور بے مقداری کا انداز اپنے لیے اختیار کیا کرتے ہیں، لیکن اول تو اتنا بڑا عالم و فاضل، مصنفینِ سوانحِ اولیاء اللہ میں شاذ و نادر کوئی دوسرا ملے گا، دوسرے ایسے عظیم فاضل کا مرشد، ظاہری علم و فضل سے بالکل ہی بیگانہ ہو، ایسا تو بہت ہی نادر ہے، ایسے مرشد کی جلالتِ شان سے ایک فلسفی، منطقی، متکلم اور بحاث کا اس درجہ مغلوب ہونا اور اپنی علمی عظمت و وقار کو اس کے حضور میں لاشے محض یقین کر لینا، ایک عدیم النظیر واقعہ ہے، تیسرے یہ کہ دوسرے مصنفین سوانح کی تحریروں میں احساس بے مقداری و ہیچ میرزی کی وہ بے ساختگی کم پائی جاتی ہے جو ملا صاحب کی تصنیف 'مناقب رزاقیہ' میں لفظ لفظ سے مترشح ہے۔

۵۔ حدیث

بانیِ درسِ نظامی کی طرف حدیث سے متعلق کسی تصنیف کا انتساب اُن لوگوں کے لیے یقیناً حیرت کا باعث ہوگا جو یہ سنتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں کہ درسِ نظامی میں حدیث اور تفسیر سے بالکل بے توجہی برتی گئی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ملا صاحب کی ایک تصنیف

"دربیان وضوء مسنون" بھی ہے، جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ کسی فقہی کتاب کے باب الطہارت کے قسم کی کوئی تصنیف نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طریقۂ وضو کے سلسلے میں جو احادیث صحیحہ مروی ہیں اُن پر مبنی وضو کے مسنون طریقے کا بیان ہے! اس تصنیف کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس قدر جزئی اور فروعی مسئلے پر ملا صاحب نے قلم کیوں اٹھایا؟ یہ سوال بہت سے ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے

'مناقب رزاقیہ' میں ملا صاحب نے حضرت سید صاحب کا ایک کشف نقل کیا ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہی سبب 'رسالہ وضو' کی تصنیف کا ہو، ملا صاحب فرماتے ہیں:

درتیمم از بعض حاضرین پرسید کہ تیمم تا بند دست کفایت دارد یا نہ؟ چوں دریں نواح مردم حنفی المذہب ہستند چنانچہ حضرت قدس سرہ الاصفی ہم در اعمال حنفی بود، گفتند کہ کفایت نہ دارد، فرمود مرا معلوم می شود کہ کفایت دارد یا گفت کہ خبر می دہد کہ کفایت دارد۔	ایک دفعہ حضرت سید صاحبؒ نے تیمم کے بارے میں حاضرین مجلس سے پوچھا کہ گٹوں تک تیمم کرنا کافی ہے یا نہیں؟ اس جوار کے لوگ چونکہ حنفی ہیں اور حضرت سید صاحب بھی اعمال میں حنفی مسلک پر عمل کرتے تھے، حاضرین نے عرض کیا: گٹوں تک کافی نہیں ہے (کہنیوں تک تیمم ضروری ہے) سید صاحب نے فرمایا: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ گٹوں تک ہی کافی ہے۔ یا سید صاحب نے اس طرح فرمایا: خبر دیت خبر دیت کہ گٹوں تک تیمم کافی ہے۔

حضرت سید صاحب بانسویؒ کی بولی دیہاتی بولی تھی اور وہ عموماً اپنے 'الہام' کو "خبر دیت" (یعنی ملہم غیب بتارہا ہے) کے الفاظ سے بیان فرماتے تھے۔

بہرحال یہ واقعہ، حضرت سید صاحبؒ کے کشف پر ختم ہو جاتا تو کوئی بات نہ تھی، اس کے

Marfat.com

بعد ہوا یہ کہ :-

بعض طلبۂ علم چوں عقیدت کلی بجناب عالی نداشتہ تکلم کردند کہ بچہ طور کفایت دارد کتب فقہیہ بخلافت آں ناطق.	بعض اہل علم نے جو حضرت سید صاحبؒ سے پوری عقیدت نہیں رکھتے تھے معترض ہوئے، ان کا کہنا یہ تھا کہ گھٹوں تک تیمم کیسے کافی ہو سکتا ہو جبکہ کتب فقہیہ (احناف) اسکے خلاف صاف وصریح حکم دے رہی ہیں۔

مرشد پر لوگوں کا اعتراض ملا صاحب کے لیے مکلف بن گیا وہ اس کے آگے اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :-

کہنیوں تک تیمم ضروری ہے یا گھٹوں تک، اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہو، حضرت امام اعظم اور صاحبین (رحمہم اللہ) کہنیوں تک کے قائل ہیں، امام شافعی قول قدیم کے مطابق اور دوسرے مسلک کے فقہاء کی ایک جماعت گھٹوں تک تیمم کو کافی قرار دیتی ہے، کٹر حنفی مسلک سے ہٹ کر ایک محقق کے انداز میں ملا صاحب فرماتے ہیں :-

واکثر احادیث صحاح مؤید قول امام شافعی وغیرہ است و ظاہر افتوی حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ الاصفی ہمیں است	اور اکثر صحیح حدیثیں امام شافعی وغیرہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں (کہ گھٹوں تک تیمم کافی ہے) اور بظاہر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا فتوی بھی یہی ہے۔

حضرت سید صاحبؒ کے اس کشف کی تائید میں ملا صاحب معترضین کو ایک اور جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اشیاخ حضرت چنانچہ حضرت سری سقطی و حضرت غوث اعظم کہ عامل بمذہب امام شافعی و یا احمد بن حنبل بہ ہمیں است پس	حضرت سید صاحبؒ کے مشائخ سلسلہ جیسے حضرت سری سقطی اور حضرت غوث اعظم جو امام شافعی یا احمد بن حنبل کے مسلک پر عامل تھے

تکلم بجہ طور راست | اسی رائے کے تھے کہ گٹوں تک تیمم کافی ہو. ایسی حالت میں حضرت سید صاحبؒ پر اعتراض کے کیا معنی ہیں؟

اس کے بعد ملا صاحبؒ کشف کی حمایت ایک اور پہلو سے کرتے ہیں:۔

و مع ہذا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ مرفوعاً روایت می کند کہ اختلاف امتی رحمۃ، پس احتمال دارد کہ حضرت قدس سرہ الاصفی کہ نُہم بکفایت تا بند دست شدہ باین رحمت مبشر شدہ بودہ باشد والاول اوجہ واللہ اعلم	مزید یہ کہ امام مالک نے مرفوعاً روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: میری امت کا (فقہی) اختلاف رحمت ہے، تو ہو سکتا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کو گٹوں تک تیمم کے کافی ہونے کا جو الہام ہوا اس کا مقصود یہی ہو کہ اس رحمت سے وہ مبشر کیے گئے ہوں، مگر پہلی بات (احادیث صحاح والی) زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم.

تیمم کی اس بحث میں 'مقلدین جامدین' کا جو رویہ رہا، ہو سکتا ہے کہ ملا صاحب اسی بے لچک رویہ سے بددل ہو کر وضو کے اس طریقے کی وضاحت کی طرف متوجہ ہوئے ہوں' جو احادیث صحاح پر مبنی ہے' جس سے فقہی مسلک کو عین سنت سمجھنے والوں کی غلط روش کی اصلاح مقصود ہو۔ لیکن یہ سب قیاس آرائی ہی ہے، اس لیے کہ ملا صاحب کا یہ "رسالۂ وضو" بھی اب دسترس سے باہر کا معاملہ بن چکا ہے، اس رسالے کے کسی مخطوطے کا ابھی تک پتہ نہیں چلا ہے،

Marfat.com

پیر و مرشد

حضرت سید شاہ عبد الرزاق بانسویؒ

Marfat.com

استاذ الہند ملا نظام الدین محمد کی فروتنی، عاجزی، خاکساری اور بُردباری کے نمونے واقعات اور خود ملا صاحب کی نجی تحریروں کے ضمن میں اوپر گزرے، بظاہر ان کا بنیادی سبب تو وہ ہولناک واردات ہے جس سے ملا صاحب نو عمری ہی میں دو چار ہوئے تھے، ۱۴ سال کی عمر میں آنکھوں کے سامنے نامور والد ماجد کی شہادت، گھر کی تاراجی اور خود اپنی اسیری وہ زبردست سانحے تھے جنھوں نے ملا صاحب کو تمام عمر کے لیے رقیق القلب اور حلیم بنا دیا۔ تاریخ اسلام میں اس کی نظیر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی سیرت میں نظر آتی ہے جن کی نگاہوں میں پورا حادثۂ کربلا اس طرح بسا رہا کہ تمام عمر کسی نے ان کو شاداں نہیں دیکھا، ملا نظام الدین پر جو کچھ گزرا اُس کا بھی فطری تقاضا یہ تھا کہ ان کا قلب رقیق و گداز ہو، اور ان کے مزاج میں عجز و انکسار کا پورا دخل ہو جائے۔ تاہم ملا صاحب کے اس مخصوص مزاج کے استحکام اور درجۂ کمال تک پہونچنے میں اس رشتے کا بھی بڑا ہاتھ نظر آتا ہے جو ان کے پیرِ طریقت حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۱۳۶ھ) سے غلامی اور نیاز مندی کا تھا۔

استاذ الہند کے سوانح حیات کا یہ پہلو' عقیدت و ارادت کی تاریخ کا انتہائی روشن باب ہے۔ وہ جس کے علم و فضل کے آگے بڑے بڑوں کی گردنیں خم ہوتی تھیں اور وہ جس کا جاری کردہ نصاب ــــ درسِ نظامی ــــ اکیلے اپنے عہد ہی میں نہیں صدیوں بعد تک علم و فضل کا اعلیٰ معیار بنا رہا اور وہ جس کی معقولات کی ہمہ گیری اوج کمال تک پہونچی ہوئی تھی

Marfat.com

ایک ناخواندہ بلکہ اُمّیِ محض کے آستانے پر جبین عقیدت رکھے نظر آئے تو تاریخ کا طالب علم اس جگہ حیرت سے کھڑا اس نادرالوقوع واقعے کے اسباب وعلل پر پوری توجہ صرف کرتا نظر آئے گا۔ بلاشبہ اس بظاہر عجیب واقعے میں استاذ الہند کی سیرت اتنی زیادہ معرض بحث میں نہیں آئے گی جتنی اس مرشد اور پیر طریقت کے علوئے مرتبت کی تحقیق اور تفتیش جس نے منطق و فلسفہ کے امام الوقت کو اپنی تربیت وارشاد کا محتاج بنا کر رکھ دیا، اور چونکہ علوئے مرتبت کا ادراک ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں اس لیے جو اس میدان کا مرد نہیں وہ حیرت میں مبتلا رہ جاتا ہے کہ یہ کیسے ہو گیا کہ اتنا بڑا فاضل ایک اَن پڑھ پیر طریقت کا اس درجہ عقیدت مند ہو جائے!

یہ حیرت ذہنوں میں صرف ایک خلش بن کر نہیں رہ سکتی تھی اور نہیں رہی! دوسرے نہیں خود گھر والے ملا صاحب کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا حیرت ہی نہیں بلکہ خاصی ناراضگی کے ساتھ کہتے تھے:۔

"تعجب ہے کہ اس علم وعزت کے باوجود آپ نے ایک ناخواندہ جاہل فقیر کی بیعت کرلی اور خاندان کی عزت کا بھی کوئی پاس نہیں کیا۔"

حلیم الطبع بھائی چھوٹے بھائی کے اس انداز پر غصہ نہیں ہوتے بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے تھے:۔

"محمد رضا! جس معالمے پر تم اعتراض کر رہے ہو وہ ایک ایسی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا ادراک بغیر اس کیفیت کے حصول کے ممکن نہیں ہے، اگر الفاظ وبیان کے ذریعہ اس کا سمجھانا ممکن ہوتا تو میں تمھاری تشفی ضرور کر دیتا۔"

غور کرنے کی بات ہے کہ وہ جو افلاطون، ارسطو، بوعلی سینا، فارابی اور طوسی کے پیچیدہ خیالات اور باریک نظریات سے شب و روز کھیلنے کا عادی ہو وہ اس "لطیف کیفیت" کے شرح وبیان سے اس درجہ اپنے کو عاجز ظاہر کرے!

استعجاب اس وجہ سے اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ ملا نظام الدین نے "پیر طریقت" کا انتخاب خود کیا تھا، یہ نہ تھا کہ خاندانی طور پر وہ اس سلسلۂ بیعت سے وابستہ چلے آئے ہوں، اور انھوں نے

Marfat.com

محض اس رشتہ کی تجدید کر کے خاندانی روایات کی تعمیل کرلی ہو، ایسا ہوتا تو چنداں تعجب نہ تھا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ ملا صاحب کے والد ماجد ملا قطب الدین شہید سہالوی، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کے جانشین اور خلیفہ قاضی گھاسی کے ــــ جن کا پورا نام قاضی صدرالدین تھا ــــ مرید اور خلیفہ تھے اور ملا قطب شہید کے دونوں بڑے بیٹے محمد اسعد اور ملا محمد سعید، جیسا کہ تذکروں میں ضمنی طور پر ملتا ہے، اپنے والد ماجد کے مرید ہوئے تھے، اور اُن سے خلافت بھی پائی تھی، منجھلے صاحبزادے ملا نظام الدین محمد کے لیے بظاہر حالات، یہی راہ کھلی ہوئی تھی کہ وہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں جو ان کے والد ماجد کا سلسلہ تھا مرید ہو جاتے! لیکن انھوں نے اپنے پیر طریقت کو خود پالیا، اور ایسا پیر پایا جو عام نگاہوں میں اَن پڑھ اور اُمی تھا لیکن علم وفضل کی نکتہ رس نظر میں وہ اس رتبے پر پہونچا ہوا تھا کہ علم وفضل کو اس کے قدموں پر نثار کر دینا بھی نفع کا سودا نظر آیا، پھر بھی یہ پہلو تحقیق طلب رہ جاتا ہے کہ وہ ظاہری اسباب کیا تھے جنھوں نے ایک عالم فاضل کو ایک اُمی بزرگ کے آستانے تک پہونچا دیا۔

خواب وخیال کی باتیں عام تاریخ میں خواہ کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں لیکن عقیدت وارادت کی تاریخ میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ رویائے صادقہ کو منجملۂ اقسامِ وحی قرار دیا گیا ہے، بہت زیادہ قدیم روایت تو اس سلسلے میں کوئی نہیں ملی: مولانا عبد الباری فرنگی محلی (وفات ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء) نے اپنے بزرگوں سے سلسلہ بہ سلسلہ سُن کر تحریر کیا ہے:

> ملا نظام الدین اور ان کے بھتیجے ملا احمد عبد الحق نے ایک ہی رات میں خواب دیکھا کہ حضرت غوث پاکؒ کے دربار میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ بھی ہیں اور حضرت غوث پاکؒ فرما رہے ہیں کہ ان دونوں کو (ملا نظام الدین اور ملا احمد عبد الحق کو) ہمیں دو، خواجہ صاحبؒ نے دونوں کو ہاتھ پکڑ کر حاضر کر دیا، حضرت غوث پاکؒ نے دونوں کو ایک صاحب کے حوالے کر دیا، یہ صاحب، جو کہ پس پشت، کھڑے ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیے ان کی صورت دونوں نے دیکھی اور خوب یاد کرلی، صبح کو دونوں نے

ایک دوسرے سے اپنا خواب بیان کیا۔ ملا نظام الدین نے فرمایا کہ غالباً ہماری تمہاری قسمت میں ان ہی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔"

(فیوضِ حضرت بانسہ مطبوعہ)

جن صاحب کے ہاتھ میں ان دونوں کے ہاتھ دیے گئے اُن سے بیداری میں ملاقات کب ہوئی اور کہاں ہوئی؟ اس سوال کا کبھی صریح جواب تذکروں میں نہیں ملتا، یہاں تک کہ خود ملا صاحب نے اپنے مرشد کے حالات میں جو رسالہ تحریر فرمایا ہے اور جو اس وقت ہماری دسترس میں ہو وہ بھی اس سوال کے جواب سے خالی ہے، اس جگہ بھی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی سماعی روایت کا سہارا لینا پڑتا ہے جو واقعہ کے دو سو برس کے بعد قلم بند ہوئی، لیکن اس تاخرِ زمانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت مستند نہیں رہی یا ضعیف ہو گئی، اس لیے لازم نہیں آتا کہ ملا صاحب کا ایک اُمی بزرگ کے ہاتھ پر مرید ہو جانا ایسا واقعہ تھا کہ ہر زمانے میں خاندان کے لوگوں میں اس نادرالوقوع معاملے کا ذکر ہوتے رہنا ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی تھا۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے اپنی سماعت سے یاد پڑتا ہے کہ اکثر اکابر سے یوں سُنا ہے کہ اس کرامت کے ہم معنی (اس کرامت کا ذکر تفصیل سے آگے آرہا ہے) ذکر حضرت ملا نظام الدین کے درس میں بھی ہوا۔ ملا صاحب کے طلبا رشاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر رہتے تھے، باہم بحث کرنے لگے کہ ملا صاحب نے دلائلِ عقلیہ سے ہم کو ساکت تو کر دیا مگر یہ بات ناممکن ہے۔ حضرت (سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ) تشریف لائے یا پہلے سے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا "کیا بحث کر رہے ہو"؟ ایک طالب علم نے کہا "تم کیا جانو جاہل سپاہی! یہ علمی بحث ہو" آپ نے فرمایا "علما کی باتوں سے جاہل فائدہ اٹھاتے ہیں"۔ غرضکہ ایک طالب علم نے بحث کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا "تم لوگ معقولی ہوئے جانتے ہو کہ بعد وقوع کے امکان سے بحث نہیں ہوتی۔ اگر تم اس امر کو واقعے میں دیکھ لو تو پھر تم کو قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا"۔ اس کے بعد طلبا رنے کرامت کا مشاہدہ کر لیا، حضرت سید صاحبؒ پر اس وقت جلال

Marfat.com

طاری تھا، مصنف "فیوض حضرت بانسہ" کے الفاظ میں :۔

"آپ نے فرمایا :۔ جناب رسالت مآبؐ بڑے مرتبے کے ہیں۔ ان کے خادموں کی یہ نورانیت ہے کہ جس کثیف جسم سے مس کر جائیں اس کو نورانی کر دیتے ہیں، چنانچہ اسی حالتِ غیظ میں کہا :۔ یہ مسجد ہے اس کے ستون سے مجھ کو باندھو وہ خشتی ستون (جو اب تک ہے) حضرت کی کمر میں باندھا گیا اور چادر نکل آئی"۔

'خشتی ستون' جس کا ذکر مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی نے فرمایا ہے ان کی تحریر کے وقت تک گویا آج سے پچاس سال قبل تک موجود تھا۔ مگر اب نئی تعمیر میں جو اس کے بعد ہوئی باقی نہیں رہا، لکڑی کے ستون کے بجائے سیمنٹ اور اینٹوں کے کھمبے بن گئے ہیں۔

بہرحال مولانا عبد الباری صاحب نے اس کے بعد تحریر فرمایا ہے :۔

"یہ قصہ (صدورِ کرامت کا واقعہ جو ملا نظام الدین کے شاگردوں کے سامنے شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر پیش آیا تھا) حضرت ملا نظام الدین نے سنا اور حلیہ حضرت کا دریافت کیا تو وہ خواب جو انھوں نے دیکھا تھا کہ حضرت غوث اعظمؒ نے ان کو حضرت خواجہ بزرگ سے مانگ کر ایک بزرگ کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے دیا تھا، یاد آیا، حلیہ مطابق ان بزرگ کے حلیہ کے پایا، یہی امر حضرت ملا نظام الدین اور حضرت ملا عبد الحقؒ (فرنگی محلی) قدس سرہما کے داخلِ سلسلہ ہونے کا ہوا"۔ (فیوض حضرت بانسہ)

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ملا صاحب نے بچشم خود کرامت کا مشاہدہ نہیں کیا، بلکہ ان کے طلباء نے جو شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلے پر رہتے تھے، صدورِ کرامت کا واقعہ بیان کیا تھا۔ ملا صاحب نے ان بزرگ کا حلیہ دریافت کیا جن سے کرامت صادر ہوئی تھی۔ طلباء نے جو حلیہ بتایا وہ بالکل وہی تھا جو خواب میں دکھائے گئے بزرگ کا تھا، اب کوئی وجہ تاخیر کی نہ تھی، ملا صاحب اور ان کے بھتیجے اسی جگہ پہونچے جہاں ان بزرگ کے قیام فرما ہونے کا گمان تھا، اور ملاقات کے بعد تصدیق بھی کر لی کہ بعینہ وہی بزرگ ہیں جن کی زیارت خواب میں ہوئی تھی، دونوں حضرات ان کے

Marfat.com

مرید ہو گئے۔

مگر یہ کرامت کیا تھی؛ جسمِ نورانی سے کپڑے کا جو جسم پر بندھا ہوا ہے بغیر کھولے آر پار نکل جانا! اس کرامت کا ذکر خود ملا صاحب نے اپنے مرشد کے ذکر پر مشتمل رسالہ "مناقبِ رزاقیہ" میں کیا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا ہے کہ یہی کرامت ان کے مرید ہونے کا باعث ہوئی، ملا صاحب نے کرامت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"بعض علماء کی محفل میں معجزے کی بحث ہو رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے پر جو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کی ردائے مبارک اگر آگے یا پیچھے کھینچی جاتی تو آپ کا جسم مبارک حائل نہ ہوتا اور بے تکلف ردائے مبارک ادھر سے ادھر نکل آتی تھی، اس محفلِ علماء میں لوگ انکار کے انداز میں اظہار تعجب کر رہے تھے، حضرت سید صاحب بانسویؒ نے فرمایا:۔ حضور انور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ کے فیضان سے آپ کی امت کے امین جو باطنی خلفاء آپ کے ہیں، یہی کر سکتے ہیں، پھر حضرت سید صاحب نے فرمایا:۔ میری چادر کھینچو، حضارِ مجلس نے حسبِ الحکم چادر کھینچی اور یہی بات پائی کہ چادر کے دونوں سروں کو پکڑ کر گھسیٹ لیا اور وہ کھنچ آئی جسم مبارک مانع نہیں ہوا۔" (مناقبِ رزاقیہ مطبوعہ)

"مجلس علماء" کی کوئی وضاحت ملا صاحب نے نہیں فرمائی اور یہ بھی تحریر نہیں فرمایا کہ اس کرامت کا صدور کہاں ہوا، صاحب عمدۃ الوسائل للنجاۃ ملا ولی اللہ فرنگی محلی (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے جنھوں نے ملا صاحب کی تصنیف "مناقب رزاقیہ" کو از سر نو ترتیب دے کر اور معتدبہ اضافوں کے ساتھ مکمل کیا اور اس کا نام "عمدۃ الوسائل للنجاۃ" رکھا۔ اس کرامت کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس تفصیل کے بیان کے بعد جو ملا صاحب نے تحریر فرمائی ہے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:۔

"محفل علماء میں معجزے پر بحث کے دوران بعض تو بالکل انکار تک پہونچ گئے اور

Marfat.com

کفر کے قریب ہو گئے ، بعضے شک اور تردد میں جا پڑے ، حضرت سید صاحب کو غیبی حکم ہوا کہ جلد ان لوگوں تک پہنچو اور انھیں گمراہی کے بھنور سے نجات دلاؤ ، فوراً حضرت سید صاحب علماء کی محفل میں پہونچے ، کہتے ہیں کہ یہ وہ دور تھا جب حضرت سید صاحب نوکری (سپاہیوں میں ملازمت) کرتے تھے اور سپاہیوں ہی کی وضع اور لباس میں رہتے تھے ، آپ نے وہاں پہونچتے ہی حاضرین محفل کو سلام کیا اور ان سے فرمایا۔۔۔۔۔

حضار مجلس سے سید صاحب نے وہی فرمایا جس کا ذکر ملا نظام الدین نے "مناقب رزاقیہ" میں کیا ہے ، ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ حضار محفل نے حضرت سید صاحب کے ارشاد کو در خور اعتنا نہ سمجھا بلکہ آپ کا دخل انھیں ناگوار ہوا ، خاموش رہنے کی ہدایت کر کے وہ پھر بحث و تکرار میں لگ گئے ، دوبارہ حضرت سید صاحب نے انھیں یہ کہہ کر اپنی طرف متوجہ فرمایا کہ

"آنحضرت ؐ کے اس معجزے میں شک کی کیا وجہ ہے ؟ جسم نورانی سے ردائے مبارک کا بندھے بندھے نکل آنے کا معجزہ آنحضرت پر ختم نہیں ہو گیا ہے ، آپ کی اُمت کے اولیاء سے بھی اس کا بطور کرامت صدور ممکن ہے ۔"

حاضرین محفل نے مطالبہ کیا کہ " اگر تم سے اس کا صدور ممکن ہو تو دکھاؤ ، شک آپ ہی رفع ہو جائے گا ۔" ملا ولی اللہ لکھتے ہیں :۔

"اس وقت حضرت سید صاحب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ آپ میں نہیں معلوم ہوتے تھے ، جلال ربانی کا پوری طرح ظہور آپ سے ہو رہا تھا ۔"

پھر اسی طرح ہوا جیسا کہ ملا صاحب نے صدور کرامت کے سلسلے میں مناقب رزاقیہ میں تحریر فرمایا ہے ۔

ملا نظام الدین کی " مناقب رزاقیہ " غالباً اولین کتاب ہے جو حضرت سید عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھی گئی ہے ، اور ظاہر ہے کہ مستند ترین بھی ہے ، نہ صرف اس لیے کہ مصنف کا مرتبۂ علمی بدرجہا بلند ہے ، بلکہ اس لیے بھی کہ یہی وہ کتاب ہے جو دیکھنے والے کی لکھی

Marfat.com

ہوئی ہم تک پہونچ پائی ہے، ملا ولی اللہ فرنگی محلی کے بیان کے مطابق ملا صاحب کی یہ تصنیف کامل اور جامع نہیں ہے، وہ اپنی تصنیف "عمدۃ الوسائل للنجاۃ" کا سببِ تالیف بیان کرنے کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"یہاں تک کہ اچانک خیال ہوا کہ عارف کامل رئیس علماء مقتدائے زماں قطب الاقطاب مولانا نظام الدین سہالوی (ثم فرنگی محلی) قدس سرہٗ کی تالیف کردہ رسالۂ مناقب رزاقیہ کو جس کی تصحیح و ترتیب کا موقع مصنف کو نہیں مل سکا تھا اور نقل کرنے والوں کی تحریف نے اس کی عبارت کو اور مسخ کر کے فارسی اسلوب تک سے ہٹا دیا ہو حتی المقدور درست کیا جائے، اور ملا صاحب نے اپنے رسالے میں جو حالات جمع کر دیئے ہیں اُن کو سلیس فارسی میں ایسی ترکیب کے ساتھ پیش کیا جائے کہ ہر خاص و عام اس سے فائدہ اٹھا سکے، لیکن اس بارِ عظیم کے اٹھانے کی ہمت نہیں ہو پاتی تھی....

ملا نظام الدین کا تالیف کردہ تذکرہ "مناقب رزاقیہ" جامع و کامل نہ ہونے نیز نظرِ ثانی سے محروم ہونے کے باوجود ایک ماہر مصنف اور ایک مستند عالم دین کی تصنیف ہے، اور ایسی تصنیف ہے جو عقیدت و ارادت کے بے محابا اظہار پر مشتمل ہوتے ہوئے بھی افراط و تفریط سے یکسر محفوظ ہے، عقیدت مند مصنف کا قلم نشۂ ارادت میں سرشار ہونے کے باوصف جادۂ اعتدال سے سرمو انحراف نہیں کرتا، کرامات و الہامات کے ذکرِ فراواں کے دوران بھی احادیث و اقوالِ فقہا سے سندیں اور تائیدیں پیش کرتا جاتا ہے۔

ملا صاحب کی مناقب رزاقیہ ہی وہ تنہا کتاب ہے جسے حضرت سید صاحب بانسویؒ کی معاصر تاریخ سے یاد کیا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اور بھی معاصر تاریخیں اور سوانح حیات ہوں مگر ہم تک وہ پہونچ نہیں سکیں، ملا صاحب کے شاگرد رشید ملا کمال الدین سہالوی (متوفی ۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۱ء) نے بھی اپنے مرشد حضرت سید صاحب بانسویؒ کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا سراغ اب کہیں نہیں ملتا ہے، رضی الدین محمود انصاری فتحپوری .... کی

Marfat.com

تصنیف "اغصان الانساب" (مخطوطہ) میں بس اس کا حوالہ ملتا ہے۔

ملا نظام الدین محمد قدس سرہ اور ملا کمال الدین محمد قدس سرہ نے سید عالی نسب (حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی ؒ) کی کرامتوں کے بیان میں رسالے تصنیف کیے ہیں اور ان کے نام مناقب رزاقیہ رکھے ہیں، میرے ایسے بے مایہ اور تہی دست کی مجال کہاں کہ سید الاحب کی مدح و ستائش میں لب کشائی کروں۔

ملا کمال الدین کی تصنیف کردہ مناقب رزاقیہ ہمارے لیے معدوم ہو چکی ہے، بہر حال ملا نظام الدین کی "مناقب رزاقیہ" موجود ہے اور کئی بار طبع ہو چکی ہے، اعتبار اور اسناد میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے، اس کے بعد مستند اور معتبر ہونے میں ملا ولی اللہ فرنگی محلی کی کتاب عمدۃ الوسائل للنجاۃ کا درجہ ہے۔ ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے اپنی تصنیف حضرت سید صاحب بانسوی ؒ کے وصال پر پچھتر سال گزرنے سے قبل ہی مرتب کر لی تھی، تعجب نہ ہونا چاہیئے اگر عمدۃ الوسائل کے مصنف نے صدور کرامت کی تفصیل دیکھنے والوں سے یا دیکھنے والوں سے براہ راست سننے والوں سے سن کر اپنی کتاب میں درج کی ہو۔

پھر بھی "محفلِ علماء" کی تفصیل و وضاحت نہیں ہو پائی، یہ وضاحت "ملفوظ رزاقی" اور "کراماتِ رزاقیہ" کے مصنف نواب محمد خاں رزاقی شاہجہانپوری نے کی ہے، نواب صاحب نے اپنی تصانیف میں تمام واقعات اپنے ان بزرگوں سے جن کو حضرت سید صاحب ؒ کے سلسلے سے قدیمی تعلق تھا، اور اپنے مرشد زادوں سے سن کر درج کیے ہیں، نواب صاحب کے پیر و مرشد حضرت شاہ غلام علی بانسوی ؒ (متوفی ۱۲۲۲ھ) تھے جو حضرت سید صاحب بانسوی ؒ کے فرزند کے فرزند تھے، ملفوظ رزاقی کا بیان ہے:۔

ایک روز حضرت سید صاحب بانسوی ؒ قصبہ موہان میں تشریف رکھتے تھے، سئی ندی پر حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو فرما رہے تھے کہ الہام ہوا ایک طالب علم اپنے استاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے عقلی دلائل کی بنا پر انکار کر رہا ہے، قریب ہو کر

Marfat.com

اس کا ایمان زائل ہو جائے، فوراً پہنچو اور اس کے ایمان کو قائم اور سلامت رکھنے کی تدبیر کرو، حضرت سید صاحب حکم خداوندی کے موجب مولوی ابوالفتح کے مکان پر قصبۂ نیوتنی (جو قصبہ موہان سے قریب ہی ہے) سپاہیانہ وضع میں تلوار حمائل کیے چند تیر اور کمان ہاتھ میں اٹھائے گھوڑے پر سوار تشریف لے گئے۔

اس کے بعد ملفوظ رزاقی کے مصنف نے صدور کرامت کا واقعہ اسی طرح لکھا ہے جس طرح مناقب رزاقیہ اور عمدۃ الوسائل میں ہے، ملفوظ کے مصنف کے بیان سے معلوم ہوا کہ مولوی ابوالفتح کی محفل تھی، جیسے "در محفل علماء" کے الفاظ سے استاذ الہند ملا نظام الدین نے مناقب رزاقیہ میں ذکر کیا ہے، مناقب رزاقیہ کے ایک محشی میاں سید شاہ غلام جیلانی بانسویؒ کے الفاظ ہیں "جناب ملا شیخ ابوالفتح عثمانی حنفی چشتی نیوتنوی مرید جناب شاہ پیر محمد لکھنویؒ" ہیں۔

ملفوظ رزاقی کے بیان کے مطابق صدور کرامت نیوتنی ضلع اناؤ (یو پی) میں ہوا۔ عجب نہیں کہ اس واقعہ کی شہرت لکھنؤ تک پہونچی ہو جو نیوتنی سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے، ایسی نادر الوقوع کرامت کا ذکر جو دلائل عقلیہ کی رو سے قابل قبول نہیں ہو سکتا، استاذ الہند ملا نظام الدین کے ایسے معقولی اور فلسفی کے درس میں طلبہ نے بطور استعجاب کیا ہو اور ملا صاحب نے ایسے خوارق عادات امور کے صدور کو عقلی دلائل سے ثابت کر دیا ہو، طلبہ ملا صاحب کے دلائل سے ساکت ہو گئے ہوں، مگر مطمئن نہ ہوئے ہوں، اور اسی بے اطمینانی کا اظہار اپنی قیام گاہ شاہ پیر محمد صاحبؒ کے ٹیلے پر کر رہے ہوں کہ حضرت سید صاحبؒ بانسویؒ وہاں پہونچ گئے یا پہلے سے موجود تھے اور انھوں نے طلبہ کو کرامت کا مشاہدہ کرا دیا۔ دوسرے دن طلبہ نے درس میں اس کا ذکر کیا اور رات کا واقعہ بیان کیا، ملا صاحب ان بزرگ کا حلیہ وغیرہ دریافت کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے۔

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ملا نظام الدین چالیس سال کی عمر میں حضرت سید صاحب بانسویؒ کے مرید ہوئے، اس بنیاد پر ملا صاحب ۱۱۳۰ھ میں مرید ہوئے، کیونکہ ان کی پیدائش کا

تخمینی سال ۱۰۹۱ھ ہے، تذکرہ نویسوں کا یہ اندازہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ ملا نظام الدین کے استاد ملا غلام نقشبند کی حیات میں یہ واقعہ پیش آچکا تھا، اور ملا غلام نقشبند کا انتقال ۱۱۲۶ھ میں ہوا ہے، ملفوظ رزاقی کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت سید صاحب بانسویؒ کی اس کرامت کا جب شہرہ ہوا تو علوم عقلیہ کے ماہرین وطالبین نے ملا غلام نقشبند سے رجوع کیا، ان رجوع کرنے والوں میں ملا کمال الدین سہالوی بھی تھے (جو اس وقت تک حضرت سید صاحب کے سلسلۂ ارادت سے وابستہ نہیں ہوئے تھے) ملا کمال الدین اس بنا پر اس کرامت کے منکر تھے کہ جو معجزہ پیغمبر سے ظہور میں آتا ہے وہ کسی ولی سے کرامت کے طور پر ظہور نہیں پاسکتا۔ ملا غلام نقشبند اس غلط خیال کی دلائل عقلیہ سے تردید فرمارہے تھے، یہ مباحثہ شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر ہورہا تھا، جہاں ملا غلام نقشبند۔ شاہ پیر محمد صاحب کے سجادہ نشین کی حیثیت سے قیام پذیر رہتے تھے، یہ ٹیلہ دریائے گومتی کے کنارے واقع ہے، دریا کے دوسرے کنارے پر تقریباً ٹیلے کے مقابل ایک بزرگ شاہ دوست محمد دوسیؒ رہتے تھے، شاہ دوسیؒ کے حضرت سید صاحب بانسویؒ سے گہرے روابط تھے، سید صاحب جب لکھنؤ تشریف لاتے تو شاہ دوسی صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔ ٹیلے پر ملا کمال الدین اور ملا غلام نقشبند میں تکرار ومباحثہ جاری تھا کہ حضرت سید صاحب بانسویؒ کشف سے معلوم فرما کر شاہ دوسی کے یہاں سے ٹیلے پر تشریف لائے اور ملا کمال الدین کے مقابل بیٹھ کر فرمایا۔

"تمہیں اس امر میں شبہ ہے؟ بحکم اللہ وہی کمرہ ہے وہی چادر ہے، کھینچو؟"

اس واقعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ملا نظام الدین کے مرید ہونے کا واقعہ ۱۱۲۶ھ سے پہلے کا ہے۔ کتنا پہلے کا ہے، یہ بتانا پیش نظر سواد تاریخی کی بنیاد پر ممکن نہیں ہے، بہر حال ملا صاحب چالیس سال کی عمر میں نہیں، بلکہ ۳۰ سال کی عمر سے پہلے ہی حضرت سید صاحب کے مرید ہوچکے تھے اور تقریباً گیارہ سال اپنے پیر طریقت کے وجود ظاہری سے مستفیض ہوتے رہے، یہانتک کہ ۱۱۳۶ھ میں پیر ومرشد نے وصال فرمایا، اس وقت ملا صاحب کی عمر ۴۶ سال کی تھی۔

Marfat.com

ملا صاحب کے پیر و مرشد حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے کم و بیش پچاسی سال میں وصال فرمایا، ان کے ارشاد کا آخری عہد ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے مائل بہ زوال دور کے مطابق تھا۔ ملک کے نظام سیاسی کی یہ ابتری اپنے ساتھ مسلک و عقیدے کی بدنظمی بھی رکھتی تھی، حصول اقتدار کی ہر چہار جانب سے کشمکش نے اصول و نظریات کو جن سے نظام معاشرت کا قوام مہیا ہوتا ہے [illegible] پس پشت ڈال دیا تھا، پوری سوسائٹی فکر و عمل کی صداقتوں سے محروم ہو کر ظاہر پرستی اور [illegible] میں مبتلا ہو چکی تھی، تصوف کی بنیادیں بھی کھوکھلی ہوتی معلوم ہو رہی تھیں اس لیے کہ اس کی روح مردہ ہو گئی تھی، اور نام ہی نام رہ گیا تھا، اعتدال کی جگہ رسمی انتہا پسندی جس کو صاف لفظوں میں ناحق پرستی کہہ سکتے ہیں، رائج ہو گئی تھی، یہ زمانہ تھا جب حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کو جو نہ موروثی سجادہ نشین تھے نہ ابا عن جد پیرزادے، کج رو اور کج فہم معاشرے کی اصلاح کا فرض سونپا گیا، اور اس طرح سونپا گیا کہ بظاہر حالات اس سمت ان کے متوجہ ہو جانے کی کوئی وجہ نہ تھی، کم عمری میں اپنے ننہالی وطن بانسہ (ضلع بارہ بنکی) سے برائے تعلیم و تعلم رودلی (ضلع بارہ بنکی) بھیجے گئے تھے، زمانہ میں ایک درویش سیاح سے ملاقات نے ان کے سفر کی سمت بدل دی، اور پڑھنے پڑھانے سے دست بردار ہو کر اس منزل کی طرف قدم بڑھا دیئے جہاں سے ان کو وہ فرض انجام دینا تھا جو انھیں تفویض کیا گیا تھا، ملا نظام الدین مناقب رزاقیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> بچپن میں حروف و خط (لکھائی پڑھائی) سے شناسائی نہیں حاصل کی، بجز اس کے کہ خورد سالی میں قرآن شریف پڑھا تھا، اور زبان فارسی سے اس طرح شناسائی پیدا کی تھی جیسا کہ ہند میں رواج تھا کہ بچوں کو فارسی زبان سے مانوس کراتے ہیں یوں کہ پہلے حروف کے تلفظ اور نقوش سے واقف کراتے ہیں، اور جب سمجھ اس سے مانوس ہو جاتی ہے تو ان نقوش سے جو الفاظ بنتے ہیں ان کو سمجھاتے ہیں، پھر ان الفاظ کے مطالب و معانی بتاتے ہیں۔ حضرت سید صاحب بانسویؒ اس طرز تعلیم کا جو انتہائی مرتبہ ہے اس سے مانوس

Marfat.com

نہیں ہوئے یا ہوسکتا ہے کہ فی الجملہ مانوس ہو گئے ہوں اس کے بعد پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بیچ سے اٹھ گیا اور ملکۂ نوشت و خواند ہونے سے پہلے ہی جتنی حرف شناسی وغیرہ ہوئی تھی وہ فراموش ہو گئی اب عملاً عربی اور فارسی تحریر سے اس کا مطلب سمجھ لینے سے آپ کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ عملاً حضرت سید صاحب بانسویؒ اُمی (ان پڑھ) تھے، اور جو کچھ کمالات آپ کے حصہ میں آئے ان میں کسب و اکتساب کا کوئی دخل نہیں تھا۔

کسب و اکتساب علوم ظاہری سے بے نیاز شیخ طریقت حضرت سید صاحب بانسویؒ کا آفتاب ارشاد اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے کہاں؟ اس زمانے کے کسب و اکتساب علوم عقلیہ و دینیہ کے سب سے بڑے مرکز اور اس مرکز کے سب سے بڑے سردار پر! حکمت و فلسفہ اور منطق اور کلام کے امام الوقت کے ذہن و قلب کو اس طرح منور کرنے میں کوئی حکمت الٰہی ضرور ہونا چاہیئے، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس حکمت الٰہی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"یہ ظاہر ہے کہ حضرت مجدد صاحب (یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ) کی تعلیم ان نقائص کو جو وحدت الوجود کے مسئلے میں پیدا ہو گئے تھے، دور کرنے کے لیے کافی تھی، اور حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ کے ارشادات نے اس مسئلے کو (وحدت الوجود کے مسئلے کو) کما حقہٗ ظاہر کر دیا، ساتھ اس کے ایک تقابل سا پیدا ہو گیا، جس سے ایک جماعت منکر وحدت الوجود ہو گئی، اور اس نے منتہائے مقصد اپنا صلاحیت ظاہری قرار دیا، دوسری جماعت اس قدر وحدت الوجود میں مستغرق ہو گئی کہ اس سے آداب شریعت ظاہری نظر انداز ہو گئے، سماع و رقص و شاہد پرستی کا اندیشہ غالب ہو گیا، حضرت سید صاحب بانسویؒ کے صحبت یافتہ علمائے کرام ایسے ہوئے جنھوں نے ان دونوں راہوں کے بین بین طرز اختیار کیا اور خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کیا، ساتھ ہی اس کے کہ علوم ظاہری رکھتے تھے، علم

Marfat.com

باطن کے بھی ماہر ہو گئے اور وحدت الوجود کے قائل ہونے کے باوجود ان کا معیار عرفان اتنا وسیع تھا کہ حالات تفرقہ وجمع میں کسی طرح بے امتیاز نہیں ہونے پاتے تھے۔

(فیوض حضرت بانسہؒ)

حضرت سید صاحب بانسویؒ کے فیض صحبت سے ملا نظام الدین نے تصوف کی حقیقت کو کس طرح پا لیا اس کو اس واقعہ کے ضمن میں معلوم کیا جا سکتا ہے جو ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے بیان کیا ہے :-

ملا نظام الدین کے زمانے میں ایک صاحب لکھنؤ تشریف لائے جو تصوف کی گفتگو بڑی خوش بیانی اور دلنشیں انداز سے کرتے تھے، ایک دنیا ان کی گرویدہ ہو گئی اور مخلوق ان کی طرف متوجہ ہو گئی، ان صاحب کی خوبیاں بھی لوگ ملا صاحب سے بیان کرنے لگے، لگاتار حیرت انگیز واقعات اور نادر حکایتیں ان صاحب سے منسوب کر کے لوگ ملا صاحب کی خدمت میں بیان کرنے لگے، مگر ملا صاحب کچھ بولتے ہی نہ تھے، جب ان صاحب کا حد سے زیادہ تذکرہ عامۂ خلائق نے ملا صاحب سے کیا تو ملا صاحب نے بالآخر فرمایا :- تصوف وہ فن ہے جو شرح و بیان کی تاب نہیں لا سکتا۔ دراصل ظاہر کے بجائے اپنے باطن کی نگہداشت اور دوسرے وسائل کے بجائے صرف ذات خداوندی پر اعتماد کا نام تصوف ہے، اور جس کو یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں پھر وہ قیل و قال کے جھمیلے میں کہاں پڑ سکتا ہے۔ وہ تو اپنے حال کی طلب و جستجو اور انجام کی فکر و اندیشے میں محو ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ملا صاحب نے اپنے بھتیجے اور اسرار باطنیہ کے واقف ملا احمد عبد الحق قدس سرہٗ سے فرمایا۔ تم جاؤ اور ان صاحب کا حال و احوال دیکھ کر مجھے بتاؤ، اگر وہ اصحابِ باطن میں ہوئے اور ان کی باطنی کیفیات کا کوئی اثر تم پر بھی ہوا تو پھر میں بھی ان سے ملنے جاؤں گا۔ ملا عبد الحق نے جا کر دیکھا تو سوائے رنگین گفتگو، پر فریبی خیالات کی گڈ مڈ

اور عوام کی غلط رہبری کے وہاں کچھ نہ تھا، واپس آکر اپنا تاثر عم بزرگوار سے بیان کر دیا، بھتیجے کی بات سن کر ملا صاحب نے فرمایا:۔ صوفی در اصل وہی ہے جو اپنے باطن کو آلائش شرک سے پاک رکھے اور دکھاوے بناوٹ کے میل کو اندر آنے نہ دے، وہ صوفی نہیں کہلائے گا جو اپنے باطن کو حق ہی سے صاف کر ڈالے اور باطل یعنی دکھاوا بناوا اسے اس کو ناپاک کرے، اللہ کے بندے ہمیشہ اپنے باطن کو اوصاف ذمیمہ سے پاک رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور شرع شریف کی پاسداری اور خدمت کو پیش نظر رکھتے ہیں ظاہری شرع پر ہمیشہ عمل درآمد کرتے رہنا ان کا عمل ہے، اور قلب کی صفائی اور ذاتِ خداوندی پر کلی اعتقاد، جس کی کیفیت کی تفصیل بارہا بیان ہو چکی ہے اُن کا شعار اور اُن کی پہچان ہے۔ (عمدۃ الوسائل قلمی)

اور یہی تصوف ملا صاحب کو اپنے مرشد کے فیض نظر سے نصیب ہوا اور شریعت کی بھرپور خدمت باطن پر کڑی نگرانی اور اہلِ باطن سے انتہائی عقیدت یعنی بظاہر دو متضاد پہلوؤں سے مکمل ہم آہنگی ملا صاحب اور اُن کے بعد سلسلۂ قادریہ رزاقیہ سے وابستہ رہنے والے اُن کے رشتہ داروں اور خاندان والوں کا مقصود بنا رہا۔

ملا نظام الدین، اپنے مرشد کے دربار میں کس مرتبے کے مستحق قرار پائے، اس کی تفصیل ظاہر ہے کہ ملا صاحب کے قلم سے نہ لکھی تھی نہ ملتی ہے، وہ خود اپنے کو ہر جگہ "بندۂ درگاہ" ہی کہہ کر ذکر کرتے رہے، کرامات اور الہامات کے ذکر میں ملا صاحب نے تحریر فرمایا ہے:۔

(لسانِ غیب کی آوازیں سننے کے بکثرت واقعات میں سے) ایک واقعہ یہ ہے کہ بعض مرید جب اپنے گھر سے آستان بوسی کے ارادے سے روانہ ہوتے تو حضرت سید صاحب بانسویؒ اپنے دولت کدے میں فرما دیتے۔ "خبر دیت خبر دیت (خبر دیتا ہے خبر دیتا ہے خبر دینے والا) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ آ وت ہیں (آ رہے ہیں) یعنی جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے عمل کیے (آیت کا ترجمہ) خود ہی سے فرماتے کہ فلاں آ رہا ہے اور آپ کی

محفلِ عالی کے ... رباش اس طرز سے اس حد تک مانوس ہو گئے تھے کہ جب حضرت سید صاحبؒ فرماتے تھے کہ "خبر دیت خبر دیت کہ ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات آدرت ہیں" تو حاضر باش حضرات فوراً کہنے لگتے کہ فلاں فلاں آ رہے ہیں، اور وہ اسی دن یا دوسرے دن حاضرِ خدمت ہو جاتے، حضرت سید صاحبؒ کو غیب سے یہ خبر اس وقت ملتی جب وہ جن کے بارے میں خبر دی گئی ہے اپنے گھر سے روانہ ہو کر راستے میں ہوتے یا پھر قصد مصمم کر چکے ہوتے۔ (مناقبِ رزاقیہ)

مناقبِ رزاقیہ کے شارح ملا عبد الاعلیٰ (حفید ملا نظام الدین) نے اپنی شرح محاسنِ رزاقیہ میں تحریر کیا ہے:۔

ملا احمد حسین، ملا حسن، ملا محمد ولی اور ملا محمد یعقوب غفر اللہ لہم (شاگردان ملا نظام الدین اور بھتیجے اور پوتے بھی) سے بالاتفاق میں نے سنا ہے کہ ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات سے جن یاران کی آمد کی خبر حضرت سید صاحبؒ دیتے تھے وہ خود ملا نظام الدین اور ان کے برادر زادہ ملا احمد عبد الحق ہیں۔ (محاسن رزاقیہ قلمی)

اس سے ظاہر ہے کہ ملا صاحب نے ازراہِ کسرِ نفسی کنایۃً یہاں بات کہی اور اسی کے آگے اپنے پیر بھائی حضرت میر اسماعیل بلگرامیؒ کے بارے میں جب اسی طرح کے الہام کا ذکر کیا تو ملا صاحبؒ نے ان کے نام کی صراحت کر دی کہ "وقتیکہ میر محمد اسماعیل متوجہ ایں صوب می شود خبر می دہد کہ سید عالی نسب می آید" (یعنی جب میر اسمٰعیل بلگرامیؒ اپنے یہاں سے حاضری کے قصد سے روانہ ہوتے تو حضرت سید صاحبؒ فرماتے۔ خبر دیت خبر دیت کہ یہ عالی نسب آدرت ہیں۔

بہر حال ملا صاحب اپنے مرشد کے دربار میں مقرب بھی تھے اور معزز بھی اس درجہ معزز کہ زبانِ فیض ترجمان سے اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا مصداق قرار پائے۔

سید صاحبؒ کا عہد | ملا نظام الدین کے مرشد حضرت شاہ عبد الرزاق بانسویؒ کا وصال چہارشنبہ ۷ شوال ۱۱۳۶ھ مطابق ۱۷ جون ۱۷۲۴ء کو (۸۰) سال یا (۹۲) سال یا ایک روایت کے مطابق

Marfat.com

(۹۰) سال کی عمر میں ہوا، ملا نظام الدین سے پہلی روایت منقول ہے، اسی کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت سید صاحبؒ کی ولادت کا سال ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء ہوا، سید صاحبؒ کا ننھیالی وطن بانسہ ضلع بارہ بنکی، دادیہال، دریاباد (ضلع بارہ بنکی) سے متصل ایک قصبہ محمود آباد کے ایک گاؤں رسول پور میں تھا، سید صاحبؒ کا مولد بھی گاؤں ہے جہاں سے ان کے والد ماجد سید عبدالرحیم ترکِ وطن کر کے اپنی سسرال چلے آئے تھے، سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے سیدنا امام محمد الباقر تک پہونچتا ہے، سید صاحبؒ کے مورثِ اعلیٰ بدخشان سے ہندستان آئے تھے، کس عہد میں آئے تھے؟ یا جو مورثِ اعلیٰ آئے تھے، اُن کا نام کیا ہے؟ یہ امور، جس طرح ہر خاندان کی تاریخ میں 'اختلافی' رہے ہیں، یہاں بھی مختلف فیہ ہیں۔

باہر سے آنے والے خاندان عموماً اپنی منزلِ مقصود ہندستان کی راجدھانی کو قرار دیتے تھے، سید صاحبؒ کے اجداد میں جو بزرگ پہلے پہل ہندستان آئے وہ بھی وہیں پہونچے، جہاں سے ان کے کُنبے کے ایک صاحب کو صوبہ دار اودھ کے پاس جو راجہ سورج پور کی بغاوت کو فرو کرنے کی جد و جہد میں مرکز سے طالبِ امداد تھا، بھیجی جانے والی کمک کے ہمراہ اودھ کی طرف بھیجا گیا، تذکرہ نگاروں نے ان کا نام سید معز الدین ابن سید معین الدین بتایا ہے، مہم میں دادِ شجاعت دینے پر سلطانِ وقت سے "مبارز خاں" کا خطاب پایا اور سورج پور کی ریاست بھی عطا ہوئی، دیگر قرائنِ تاریخی کے پیشِ نظر ایک قریبی اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ ۸۰۳ھ / ۱۴۰۰ء کے بعد سید صاحبؒ کا خاندان سورج پور میں جاگیر دار کی حیثیت سے مقیم ہوا، سید صاحبؒ کے والدِ ماجد کی ولادت بھی رسول پور میں ہوئی، جہاں سورج پور کے ایک معرکے میں مغلوب ہو کر اور خاندان کے بیشتر افراد کی شہادت کے بعد ان کی والدہ آگئی تھیں، رسول پور سے سید صاحبؒ کے والد ماجد اپنی سسرال بانسہ (ضلع بارہ بنکی) اس لیے منتقل ہوئے کہ ان کی اہلیہ کو کچھ زمینداری ترکے میں ملی تھی جس کا انتظام کرنا تھا، سید صاحب کا ننھیال قدوائیوں میں تھا۔

بہرحال سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کی ولادت، مغل حکمراں شاہجہاں کے دورِ حکومت (۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء تا ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء) میں ہوئی، اُس وقت شاہجہاں کو تخت نشین ہوئے دس سال ہو چکے

Marfat.com

تھے، یہ وہ عہد تھا جب علومِ عقلیہ ونقلیہ کے اساتین ومجتہدین، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا عبدالسلام دیوی وغیرہ تعلیم وتدریس کے دریا بہارہے تھے، مجدد صاحب الف ثانی کے وصال کو چند ہی سال گزرے تھے اُن کے خلفا اور فرزندوں کی اصلاح عقائد ورسوم کی وہ سرگرمیاں جاری تھیں جن کے محرک اصلی خود مجدد صاحب تھے، ملک محمد جائسی، اور دارا شکوہ بن شاہجہاں کا میلانِ تصوف بھی اپنے اپنے رنگ میں کار فرما تھا، شریعت وطریقت کی مساوی خدمت انجام دینے والے شاہ پیر محمد لکھنوی (چشتی) اور مولوی عبدالرشید جون پوری، کی ایسی شخصیتیں بھی بقید حیات تھیں، علوم وفنون کے زعم اور عرفان وسلوک کے ادعا سے پورے ہندستان کی فضا گونجی ہوئی تھی جب زمیندار سید عبدالرحیم کے اس صاحبزادے کی ولادت ہوئی، جس کی نشو ونما زمیندارانہ ماحول میں ہوئی اور قرآن شریف وابتدائی نوشت وخواند کے بعد، مزید تعلیم کی غرض سے یہ صاحبزادے بانسہ سے قصبۂ ردولی (ضلع بارہ بنکی) کے لیے ایک ملازم کے ہمراہ روانہ کیے گئے اُس وقت صاحبزادے کی عمر دس گیارہ سال کی تھی، راستہ میں ملازم نے ان کو ایک درخت کے نیچے یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ وہ قریب کے گاؤں سے، جہاں اس کی رشتہ داری ہے، کچھ کھانے کا سامان لے کر ابھی آتا ہے، وہ وہاں رنگ رلیوں میں اس طرح کھو گیا کہ قریب شام کم سن صاحبزادے کو تنہائی کا خوف پریشان کرنے لگا، غیبی امداد کے طور پر ایک سیاح درویش شاہ عنایت اللہ ادھر آگئے، اور ہراس وپریشانی میں مبتلا نوعمر بچے کو ڈھارس دلائی، اور پوچھا کہ یہ کون سی کتاب لیے بیٹھے ہو؟ صاحبزادے نے جواب دیا "یوسف زلیخا" درویش نے کہا "تمھیں اس سے کیا سروکار کہ یوسف حسین وجمیل تھے اور زلیخا ان پر فریفتہ وشیدا؟ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے کام کے لیے خلق کیا ہے"۔

درویش کے ان الفاظ نے صاحبزادے پر جادو کا سا اثر کیا، علاوہ ازیں امور باطنیہ کے جو اس درویش کی مختصر صحبت میں سید صاحبؒ کو حاصل ہوئے، انھوں نے علومِ ظاہری سے دست برداری اختیار کر لی اور دکن کی سمت چلے گئے، اس لیے کہ درویش نے چلتے وقت وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ ملاقات دکن میں ہوگی، وہاں سپاہیوں میں ملازمت کر لی، کئی سال کے بعد وطن واپس ہوئے، والدین کا

انتقال ہو چکا تھا، بھائیوں نے نکاح کر دیا، کچھ دنوں قیام کرکے سید صاحب پھر دکن کی سمت تشریف لے گئے اور اس دفعہ اشارۂ غیبی کے تحت احمد آباد (گجرات) جاکر میر سید عبد الصمد خدانما رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۷ء) سے قادریہ سلسلے میں مرید ہوئے اور مدارجِ سلوک ان کی رہنمائی میں طے فرمائے۔ بعض پیر بھائیوں نے میر صاحب سے درخواست کی کہ سید عبد الرزاق کو چلّہ کشی کے ذریعہ مزید تربیت دی جائے، میر صاحب نے فرمایا "دوسروں کو چلّہ کشی سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ان کو گھوڑے کی پیٹھ پر رہ کر حاصل ہو جائے گا" میر صاحب کا مزار احمد آباد میں ہے۔

درویش سے ملاقات اور میر عبد الصمد خدانما سے بیعت کا بیان خود حضرت سید صاحب نے اپنے مریدوں سے کیا، ملا نظام الدین نے لکھا ہے کہ درویش شاہ عنایت اللہ کے بارے میں میں نے حضرت سید صاحبؒ سے عند التذکرہ پوچھا کہ 'اب وہ درویش کہاں ہیں؟' سید صاحبؒ نے پہلے فرمایا "واللہ اعلم"۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ وہ عرب میں وفات پا گئے، سید صاحب مرید اور خلیفہ ہونے کے بعد بھی کسبِ حلال کی خاطر ملازمت کرتے رہے، پھر مرشد کے حکم پر وطن واپس آکر رشد و ہدایت کے وہ فرائض انجام دینے لگے جن کے لیے تقاضائے الٰہی نے ان کو منتخب کیا تھا، مرشد نے وطن جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ دلی میں سید حسن رسول نما سے ملاقات کرتے جانا، حضرت رسول نما (وفات ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء) سے دلی میں ملے اور انھوں نے رخصت فرماتے وقت نصیحت کی "اے مرد سپاہی! ایک ہی بات ہے جو تم کو تمھارے مرشد سے پہونچی اور مجھ کو میرے پیر سے، لیکن حصولِ مطالب بقدر سعی ہر ایک کے ہے، ایسا نہ چاہیئے کہ خوب شکم سیر ہو کے کھائے اور پیر پھیلا کے سوئے اور کسی فقیر کو بدنام کرے"۔ حضرت سید صاحبؒ وطن میں قیام پذیر ہو گئے، اور سلسلۂ "قادریہ رزاقیہ" کے نام سے موسوم سلسلۂ ارشاد کے بانی ہوئے، یہ وہ عہد تھا جب سلسلۂ قادریہ کا کوئی ایسا متفق علیہ شیخ یہاں نہیں تھا جو اس اہم فریضہ کو کما حقہ ادا کر رہا ہو۔

تصوف ایک روحانی ضرورت ہے، جسے بعض ظاہر بیں طریقت کہہ کر شریعت سے متصادم قرار دیتے ہیں، بڑے بڑے صوفیا، حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ،

امامِ غزالیؒ اور مولانا جامیؒ وغیرہ طریقت اور شریعت کی موہوم کشمکش کو رفع کرنے کی کامیاب کوشش کرتے رہے ہیں، پھر بھی تصوف کی تحریک میں یہ توازن کم ملتا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

سلسلۂ قادریہ رزاقیہ، اس سلسلے میں قابلِ لحاظ ہے کہ اس کے بانی اور اس کے پیرودں نے اس توازن کو قائم کرنے میں یادگار خدمات انجام دی ہیں، حضرت سید صاحبؒ، غلبۂ حال میں، کبھی کبھی 'اہمالِ نماز' کے ظاہری طور پر مرتکب نظر آتے تھے، جس کی تفصیل و توجیہ ملا نظام الدین نے 'مناقبِ رزاقیہ' میں بیان کی ہے، لیکن شریعت کے خلاف بڑے سے بڑے درویش سے بھی کوئی بات سُن کر اظہارِ ناگواری فرماتے تھے، اور اچھی بات سُن کر بہت مسرور ہوتے تھے، ملا صاحب نے لکھا ہے کہ ایک ملامتی درویش شاہ مرتضیٰ نے شیخ محمدی نے ملاقات کی، ملامتی درویش نے شیخ کو پیالۂ شراب پیش کیا، شیخ نے انکار کیا، شاہ مرتضیٰ نے کہا "بر زبان خمرے بدل ذکرِ خدا" شیخ محمدی نے فرمایا "بر زبانِ عطرے بدل ذکرِ خدا" اس واقعہ کا سید صاحب اکثر ذکر فرماتے اور اس بہتر جواب کو جو شیخ محمدی نے برجستہ دیا تھا پسند فرماتے تھے اور اکثر تحسین فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بھڑوبچ (دکن) میں پیش آیا کہ ایک وجودی درویش نے حضرت سید صاحب سے کہا تم بھی کہو "ہمہ اوست" (سب اللہ ہے) حضرت نے فرمایا کہ مجھ پر یہ حال طاری نہیں ہے، درویش نے بددعا دی، سید صاحب نے فرمایا کہ بہ برکت حضرت غوث اعظم کچھ بھی نہ ہوگا، ملا صاحب نے لکھا ہے کہ بعد ایک مدت کے سید صاحب نے اس درویش کو جلوۂ ملکوتیہ میں دیکھا کہ اُس کے چہرے سے مسرت کے آثار ظاہر ہیں مگر اس کا سر اُس کے ہاتھ میں ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ لوگوں نے اُسے قتل کر دیا تھا، سید صاحب اس درویش کی قوت کی تعریف فرماتے تھے۔

اور ملا محمد رضا: استاذ الہند ملا نظام الدین کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کا ذکر استاذ الہند کے مرشد کے ذکر کے ضمن میں ضروری سا ہے، یہی چھوٹے بھائی استاذ الہند پر سب سے زیادہ طعنہ زن تھے، کہ

کہاں جا کر مرید ہوئے خاندان کی عزت کا بھی پاس لحاظ نہیں کیا! پھر ان کا خود کیا انجام ہوا؟۔

ملا رضا گرم مزاج تھے، بھائی پر جن کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، محض اعتراض اور خاندان کی ناموس سے غفلت کا الزام لگا کر دل کی بھڑاس نکال لیتے تو ایک بات بھی تھی، وہ غرورِ علم اور نخوتِ ناموسِ خاندانی کے زعم میں ملا صاحب کے "ناخواندہ پیر" کو بھی بُرا بھلا کہا کرتے تھے، حالانکہ قصوروار تھے تو بھائی کہ ناموسِ خاندانی کا لحاظ نہیں کیا، پیر و مرشد کا اس میں کیا قصور تھا؛ مگر وہ بھائی سے زیادہ بھائی کے پیر کو جلی کٹی سنایا کرتے تھے، کثرتِ مجاہدہ سے ملا صاحب کے پیر و مرشد کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اس صورت حال کو ملا صاحب نے "مناقب رزاقیہ" میں جس خوبی سے بیان کیا ہے وہ عقیدت و حُسنِ تعلیل کے شاہ کار سے کم نہیں ہے :۔

در آخرِ سن بسبب ریاضت کہ موروث گرمی دماغ باشد یک چشم جانب یمین اثنینیت از میاں رفتہ راہ خود گرفت۔

آخر عمر میں بہ سبب کثرتِ ریاضت کے جو دماغ کی حدّت کا باعث ہوا کرتی ہے، حضرت سید صاحب بانسوی کی داہنی آنکھ نے "دوئی" کو درمیان سے ہٹا کر اپنی راہ لے لی تھی۔

مگر ملا محمد رضا اس پہلو کو بھی بڑی بے ادراکی سے زبان پہ لایا کرتے تھے جس سے عقیدت مندوں کے قلوب یقیناً مجروح ہوتے، ملا نظام الدین بُردبار اور حلیم تھے ہی، اسی کے ساتھ شیخ کامل کے فیض سے روشن ضمیر بھی، چھوٹے بھائی کی اس قسم کی جسارتوں پر چپ ہی رہتے، لیکن بھتیجے (ملا احمد عبدالحق) جوان ہی شیخ کامل کے مرید اور خلیفہ تھے، بہر حال ملا نظام الدین نہ تھے، وہ اپنی ناگواری ظاہر کیے بغیر کیسے رہ سکتے تھے، چھوٹے چچا سے بس اتنا کہتے تھے، "کہیں اسی "جاہل اور کانے فقیر" کا جادو آپ پر بھی نہ چل جائے، مجھے تو کچھ ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔"

اور ہوا بھی ایسا ہی! ملا محمد رضا بھی "اسیر فقیر ناخواندہ" ہو کر رہے!

بااضطراب کشاں کشاں سوئے، حضرت بانسہ بے چین و مضطرب بھاگم بھاگ بانسہ شریف

Marfat.com

تاختند و مرید شدند و بیعت ساختند و
خرقۂ خلافت ہم عطا شد، نوبت باین
درجہ رسید کہ رسن و دیگر اسباب اسپ
حضرت سید قدس سرہ بر فرق خود نہادہ
بر سر بازار پیش پیش سواری می دوید و
چناں شیفتہ و والۂ مرشد خود شدند کہ
از دیگر کار و بار درماندند [1]

روانہ ہو گئے، بیعت کی، مرید ہوئے خرقۂ
خلافت بھی پایا، مرشد سے عقیدت کی
انتہا یہ ہوئی کہ اُن کے گھوڑے کا سامان
اپنے سر پر رکھ کر سواری کے آگے دوڑتے
پھرتے تھے، اپنے پیر کے ایسے عاشق اور
والہ وشیدا ہوئے کہ تمام دوسرے کاموں
کو (درس و تدریس انتظام جائداد اور
نگہداشت اہل وعیال سب کو) یکسر چھوڑ بیٹھے

یہ سب ہوا کیسے؟ ناموس خاندانی کے اتنے بڑے علم بردار آخر کیوں "بھاگم بھاگ" بانسہ شریف جانے پر مجبور ہو گئے؟ وہ خود اس پر سب سے بہتر روشنی ڈال سکتے تھے۔ اگر اس نئی صورت حال کے بعد بھی وہ اسی طرح درس و تدریس و تصنیف و تالیف کے کام کیے رہتے جس طرح اس سے قبل کرتے تھے، مگر وہ تو سب کچھ تج کر صرف "پیر" کے ہو کر رہ گئے تھے، پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا، بال بچوں سے بے نیاز ہو گئے، مولانا عبدالباری فرنگی محلی (وفات ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) نے سلسلہ بسلسلہ سُن کر لکھا ہے:۔

"ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سواری جا رہی ہے، دو آدمیوں کے کاندھوں پر چڑھ کر دیکھنا چاہا، دونوں ہٹ گئے یہ کہہ کر "جن کے یہاں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لیے جاتے ہیں ان کو تو تم کانا جاہل کہتے ہو کیا کہو گے دیکھ کر" آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پلنگ سے گرے پڑے ہیں اور کولہ اکھڑ گیا ہے، اسی حال میں (کولہ اکھڑا ہوا اور بالاضطراب کشاں کشاں) بانسہ شریف حاضر (روانہ) ہوئے۔ حضرت سید صاحب قدس سرہ یہ فرما کر گھر کے اندر چلے گئے کہ "بڑا منکر آدمی ہے" [2]

[1] اغصان الانساب (مخطوطۂ فرنگی محل) [2] "تاریخ فرنگی محل" مسودہ بقلم مصنف (مخطوطۂ فرنگی محل)

Marfat.com

ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کے بیان کے مطابق حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم پر ملا محمد رضا، مرید ہونے بانسہ شریف روانہ ہوئے تھے، خواہش مندِ بیعت، اور اس کے مطلوب و مرجع، شیخ کے درمیان جو مراحل گزرے اُن کا بیان بھی فائدے سے خالی نہیں:۔

روانۂ حضرت بانسہ گشت، ہمیں کہ از مکانِ خود بیروں گشتہ حضرت شیخ قدس سرہ در بانسہ فرمود: مرا از عالم غیب خبری دہد کہ "دوست خدا" می آید، دیگر ایں کلمہ بر زبان آورد، ہرگاہ قریب بہ بانسہ رسید، برخاستہ اندرونِ خانہ رفت و در دروازہ محکم ساخت، چوں بر دروازہ رسید درا محکم یافت از دست بکوفت۔

حضرت از اندروں فرمود:۔ کیست؟

عرض کرد: "محمد رضا"

فرمود: وے خاندانِ عالی دارد و مقتدائے زمانِ خود است، او را با فقیر جاہل چہ نسبت؟۔

و دیگر حرفہائے طعن کہ آں حضرت سابق گفتہ بر زبان آوردہ۔

ملا محمد رضا (روحانیتِ حضورِ رسالت مآب سے حکم پا کر) بانسہ شریف کی طرف روانہ ہوئے، ادھر ملا محمد رضا اپنے گھر (فرنگی محل) سے نکلے بانسہ روانہ ہوئے، اُدھر حضرت سید صاحبؒ نے بانسہ شریف میں فرمانا شروع کر دیا "خبر دیت خبر دیت کہ دوستِ خدا آوت ہے" حضرت سید صاحبؒ نے بار بار یہ الفاظ زبان مبارک سے فرمائے، جب ملا محمد رضا بانسہ شریف کے نزدیک پہنچے تو حضرت سید صاحبؒ باہر سے اٹھ کر گھر کے اندر چلے گئے اور دروازہ بند کرا لیا، ملا محمد رضا در دولت پر حاضر ہوئے، دروازہ اندر سے بند پایا، ہاتھ سے دروازے کو دھپ دھپایا (جیسا کہ اس زمانے میں اندر اطلاع کرنے کا رواج تھا)

سید صاحب:۔ (مکان کے اندر ہی سے) کون؟

دستک دینے والا:۔ محمد رضا۔

سید صاحب:۔ وہی محمد رضا جو ایک ادیب

لہ عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

Marfat.com

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے زمانے کے
عالم و پیشوا ہیں ؟ ان کو ایک جاہل فقیر سے
کیا سروکار ؟ ۔
اور سید صاحب نے وہ تمام باتیں بھی دہرا دیا
جو ملا محمد رضا ان کے بارے میں اس سے قبل
کہا کرتے تھے ۔

ملا محمد رضا نے اس سوال جواب کے بعد جب وہ کلمات بھی سنے جو ان ہی کی زبان سے سید صاحبؒ کے بارے میں اکثر نکلا کرتے تھے تو بجائے اظہار معذرت وندامت کے ، اپنے مزاج کے عین مطابق جواب دیا :۔

آرے ، مراچنیں انکارے بود ، اما چہ کنم بروحانیت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات مامور گشتہ ام ، کیکہ مرا بایں مسافت بعیدہ فرستادہ است ، شمارا ہم آگاہ سازد و رجوع بحالِ من کردہ دہد[1]

یقیناً ! مجھے آپ کے بارے میں ایسا ہی انکار تھا ! ! لیکن کیا کروں ؟ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی روحانیت سے مامور حاضری ہوا ہوں ! جس ذاتِ بابرکات نے اتنی دور سے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ آپ کو بھی اس معاملے سے مطلع فرمائے گی ، اور میرے حال پر توجہ فرمانے پر آمادہ کرے گی "

معاملہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہوا ، اور ملا محمد رضا کی اس صاف گوئی پر حضرت سید صاحبؒ یہ نہیں کہ فوراً باہر تشریف لے آئے ہوں ! عالی خاندانی اور تمکنت علمی کی سرسامی کیفیت میں مبتلا مریض سے محض اتنی پوچھ گچھ تشخیص و ازالۂ مرض کے لیے کہاں کافی تھی ؟ مریض پہلی بار ، معالج روحانی کے مطب میں حاضر ہوا ہے ، اور ایک حاذق معالج ہی کا فیصلہ صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

Marfat.com

طبیعتِ اصلی کو مدافعتِ مرض کے لیے اُبھارنا انسب ہو گا!

گویند کہ تا سہ روز بمکان شیخ قدس سرہٗ بود و از آں جناب محض اغماض و انکار بود شاید منتظر الہام غیبی بودہ باشد؟ ۵

اگر یہ بیان ہو کہ ملا محمد رضا تین شبانہ روز حضرت سید صاحبؒ کے درِ دولت پر حاضر رہے اور حضرت کی طرف سے سوائے بے التفاتی اور انکار کے اور کسی رویے کا ان تین دنوں میں اظہار نہیں ہوا، ہو سکتا ہے کہ سید صاحب کسی اشارۂ غیبی کے منتظر ہوں۔

"اشارۂ غیبی" کے انتظار کا قیاس اپنی جگہ صحیح، لیکن صاحبانِ ارشاد و سلوک کے علاج کا ایک رُخ یہ بھی تو ہوا کرتا ہے کہ شوق و طلب کی آنچ کو تیز سے تیز تر ہونے دیا جائے کہ عیوبِ نفسانی اسی تیز بھٹی میں زنگ کی طرح نیا منیا ہو جائیں اور 'انسان' پاک صاف ہو جائے۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد   او ز حرص و عیب "کلی پاک" شد (مولانا روم)

ملا محمد رضا کی حالت بتدریج علاج کے بجائے "کلی پاک" ہونے کی متقاضی تھی؛ اس لیے شیخ کامل نے اس چنگاری کو جو اشارۂ غیبی (روحانیتِ سرورِ کائناتؐ) سے ملا رضا کے دل میں سلگی تھی، سلگنے دیا کہ وہ بڑھ کر ساری کثافتوں کو نیست و نابود کر دے،

ان تین شبانہ روز میں شوق و طلب کی شعلہ سامانیوں اور اغماض و انکار کے ہلکے اور ٹھنڈے چھینٹوں کے دوران قیاس یہی چاہتا ہے کہ شعلے اور بھڑکے ہوں، بہر حال مرحلۂ سلوک کے اس بہت سخت مقام، میں تین شبانہ روز گزروانے کے بعد حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ: 'تمھیں لکھنؤ چل کر مرید کریں گے'۔ اس مژدۂ جانفزا پر ملا رضا کی یہ بے چینی یقیناً حق بجانب ہو گی کہ حضرت جلد از جلد لکھنؤ کا تہیہ فرمائیں، عجلت کے لیے دست بستہ التجا بھی کی ہو تو عجب نہیں، حضرت سید صاحبؒ کا سفر عام طور پر ٹانگن گھوڑے پر ہوتا تھا، اور اس زمانے کے دستور کے مطابق سائیس ہمراہ سواری چلتا تھا کہ گھوڑے کا سامان اُس کے پاس رہتا، روانگی لکھنؤ میں تاخیر بظاہر اس لیے ہو رہی تھی کہ

---

۵ عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

Marfat.com

سائیس موجود نہ تھا، اور در اصل اس تاخیر کو بھی سلوک و طریقت کا ایک مرحلہ ہی قرار دینا چاہیے، خاص کر پندار و تمکنتِ علم و نسب و حسب کے مارنے کے لیے امتحان میں کامیابی کا فیصلہ اسی وقت کیا جانا درست ہے جب ؎

وہ کہتے ہیں نہ سمجھوں گا تجھے مجذوب! میں عاشق
کہ جب تک کوچہ و بازار میں رسوا نہ دیکھوں گا

ملا رضا نے سائیس کے فرائض انجام دینے کی پیش کش کی، یعنی سواری کا سامان اپنے سر پر رکھ کر لکھنؤ چلنے کو حاضر ہوں، اور اس طرح لکھنؤ تک جانے میں ملا محمد رضا نے سلوک کے کیا کچھ مدارج و مراحل طے کر لیے، اس کا حال کون جان سکتا ہے؟ ہاں! عرفاں نصیب تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ پھر تو ملا رضا کا معمول ہی بن گیا تھا کہ:۔

ہمہ نام و ننگ از میان برخاستہ اسباب اسپ شیخ قدس سرہ بر سر خود نہادہ منزلہا ہمراہِ رکاب می دوید ہر چند شیخ قدس سرہ ازیں حرکت ممانعت می کرد اما غایتِ عشق و محبتش نمی گزاشت و دریں عرصہ نزولِ فتوحاتِ غیبیہ و علومِ لاریبیہ از جنابِ رب العزت بر قلب صافیش جلوہ گر شد۔ [1]

ناموسِ خاندانی اور تمکنتِ علمی کے تمام وسوسوں سے دامن جھاڑ کر ملا محمد رضا کا یہ معمول ہو گیا کہ حضرت سید صاحبؒ کے گھوڑے کے ساز و سامان کو اپنے سر پر رکھے، ہمراہِ رکاب کوسوں دوڑتے، حضرت سید صاحبؒ منع فرماتے لیکن شیخ سے انتہائی عشق و محبت پیدا ہو جانے کی بنا پر ملا رضا اس سے باز نہیں آتے تھے اسی ریاضت کے دوران میں ان کے قلب صافی پر (جو شیخ کی نظر التفات سے قبل آلودہ غرور و تمکنت تھا) غیبی فتوح اور لاریبی علوم کا حضرتِ رب العزت کی طرف سے انکشاف ہوتا رہا۔

---

[1] عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطۂ فرنگی محل)

Marfat.com

ملا محمد رضا جو استاذ الہند کے پہلو بہ پہلو درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے تھے صرف مدرس ہی نہیں تھے مصنف بھی تھے اور معقولی بھی، سلّم العلوم — منطق کے ایک مشہور متن — کے شارح بھی، ان کی یہ شرح کم از کم ڈیڑھ سو برس بعد تک موجود تھی، شمس العلماء مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) نے مولانا مفتی محمد نعمت اللہ فرنگی محلی (وفات ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) سے ایک مکتوب کے ذریعہ استفسار کیا تھا کہ :-

شنیدہ ام کہ...... شرح سُلّم العلوم حضرت ملا محمد رضا ہمراہ ملازمان است، نقل دیباچہ و خاتمۂ کتاب ہم از تفضیل ملازمان یابم.....	سننے میں آیا ہے کہ...... حضرت ملا محمد رضا کی شرح سُلّم العلوم آپ کے پاس ہے، آپ کی شفقت و کرم سے اس شرح کے دیباچہ اور خاتمہ کی ایک نقل کا امیدوار ہوں۔

مفتی صاحب نے اس کے جواب میں (غالباً بڑودہ سے) تحریر کیا تھا:-

شرح سلّم حضرت ملا محمد رضا نزد حکیم مرزا غازی (لکھنوی) معائنہ کردہ بودم [1]	ملا محمد رضا کی شرح سلّم (میرے پاس نہیں ہے) میں نے اس شرح کو حکیم مرزا غازی (لکھنوی) سے لے کر دیکھا تھا۔

مفتی صاحب کے جواب خط پر ۱۶ صفر ۱۲۸۶ھ کی تاریخ درج ہے، (مطابق مئی ۱۸۶۹ء) جس کا مطلب یہی ہوا کہ ملا محمد رضا کے مفقود الخبر ہونے کے ڈیڑھ سو سال بعد تک ان کی شرح سلم العلوم پائی جاتی تھی۔

ملا محمد رضا شیخ کامل کے مرید ہونے اور اس عالی بارگاہ سے "دستِ خدا" کا خطاب پانے کے بعد دُنیا سے یکسر بے تعلق ہو گئے، حالانکہ دنیاوی امور میں ان کا انہماک اس حد تک رہ چکا تھا کہ اپنے بھائی ملا نظام الدین کو معاملاتِ دنیاوی کے بکھیڑوں سے آزاد کر کے تمام امورِ خانگی و خاندانی کے خود ذمہ دار بن گئے تھے :-

مختار امور خانگی مولوی محمد رضا بود دیں [2] مولوی عبدالحق [3]	(ملا نظام الدین بلکہ پورے خاندان کے) امور خانگی کے مجاز و مختار مولوی محمد رضا تھے، ان کے

---

[1] منقول از بیاض مولانا محمد نعیم [2] محاسن رزاقیہ شرح مناقب رزاقیہ (مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

Marfat.com

بعد مولوی عبدالحق (برادر زادہ) ہوئے۔

"پس وے" سے مراد یہی ہے ملا رضا کے تارک الدّنیا ہونے کے بعد! علاوہ "امورِ خانگی" کے مختار ہونے کے ملا رضا "سیاست مُدن" میں بھی عملی دلچسپی لیتے تھے:۔

در مزاج وے شرع غالب بود در عالم دنیاداری جہاد کردہ بود بر ناظم لکھنؤ[1]

ملا رضا کے مزاج میں شرع کا عنصر غالب تھا اس زمانے میں جب وہ امورِ دنیا میں دلچسپی لیا کرتے تھے، ایک دفعہ کسی مسئلہ شرعیہ میں برہم ہوکر، لکھنؤ کے حاکم کے خلاف جہاد بول دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضرت سید صاحبؒ (وفات ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء) سے ارادت سے قبل کا یہ زمانہ تھا، یعنی بانیِ سلطنتِ اودھ برہان الملک سے بھی قبل کا زمانہ!۔

مفقود الخبری | دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کے بعد ملا رضا نے ذکر و شغل، مجاہدہ و ریاضت اور حضوریِ شیخ ہی سے سروکار رکھا:۔

چون بانتہا رسید، در معاملہ دید رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم می فرماید کہ نزد ما بیا! از شیخ قدس سرہ عرض کرد کہ چہ حکم می فرمایند، شیخ فرمود بمدینۂ منورہ برو[2]

جب ملا رضا کے انہماک امورِ روحانیہ کا معاملہ انتہا کو پہونچ گیا تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ معاملہ میں دیکھا کہ حکم فرما رہے ہیں کہ "ہمارے پاس آ جاؤ" ملا رضا نے حضرت سید صاحبؒ سے عرض کیا اور پوچھا کیا حکم ہے؟ سید صاحبؒ نے فرمایا: مدینۂ منورہ جاؤ،

ملا محمد ولی اللہ کا بیان ہے کہ جب ملا رضا نے سید صاحب سے یہ معاملہ عرض کیا تو:۔

شیخ قدس سرہ می فرمود: اندکے توقف باید کرد[3]

حضرت سید صاحب نے جواب میں فرمایا کہ "ابھی کچھ دن توقف سے کام لو۔"

شیخ قدس سرہ کے حکم پر وہ ٹھہر گئے، اس اثنا میں حضرت خواجہ قطب الدین (بختیار کاکی رح) اور حضرت نظام الدین (سلطان الاولیار) قدس سرہما کی روحانیت سے ملا محمد رضا کو حاضری کا فرمان ملا، پھر شیخ سے معاملہ عرض کیا، شیخ نے جواب میں سکوت اختیار فرمایا تا آنکہ خود ہر دو خواجگانِ چشت کی روحانیت سے ملاقی ہوئے، یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد ملا محمد ولی اللہ لکھتے ہیں :-

سر برداشت و فرمود: محمد رضا! ترا رضا، ادم زدہ خود را بزیارات، برسان و بسعادت ملازمت بہرہ اندوز. در حال پیادہ، بایک کس کہ از خود رفیق حضرت گشتہ بے زاد و راحلہ روانہ دہلی شد.

حضرت سید صاحب رح نے (جو ملا رضا کی عرض پر سکوت اختیار فرمائے ہوئے تھے) سر اٹھایا اور فرمایا: اجازت ہے، فوراً روانہ ہو جاؤ اور زیاراتِ بزرگانِ چشت و حضرت سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات سے فیض حاصل کرو، اسی لمحہ ملا رضا پاپیادہ، بے زاد و راحلہ، دہلی کی سمت چل کھڑے ہوئے، صرف ایک صاحب ہمراہ تھے جو خود ہی رفیقِ سفر بن گئے تھے۔

پھر کس حال میں آگے روانہ ہوئے اور مدینۂ منورہ تک کس حال میں پہونچے؟ اس کی تفصیل نہیں ملتی، بس اتنا ملتا ہے کہ مدینۂ منورہ پہونچ گئے :-

وانجا مدتے ماندہ گاہ گاہ خبرے می آمد بعدہ مفقود الخبر شد، غالب است کہ آنجا فوت کردہ مدفون شدہ[ه]

مدینۂ منورہ میں کافی مدت تک رہے، جہاں سے کبھی کبھی ان کے بارے میں کوئی اطلاع بھی (خاندان والوں کے پاس آجاتی تھی، اس کے بعد ان کی خیر خبر ملنا بند ہوگئی، گمان غالب یہ ہے کہ مدینۂ منورہ ہی میں ان کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے

ملا ولی اللہ کا کہنا ہے کہ ایک عرصے تک ملا رضا کی جب کوئی خیر خبر معلوم نہیں ہوئی تو اُن کے گھر والے

ه محاسن رزاقیہ شرح مناقب رزاقیہ (مخطوطہ مسلم یونیورسٹی)

Marfat.com

پریشان ہو کر حضرت سید صاحب بانسویؒ کی خدمت میں ملتجی ہوئے:-

ساعتے سر تفکر در نہاد بعد ازاں فرمود: مراد از عالم غیب خبر می دہد کہ محمد رضا ایں وقت در بغداد بمسجد جامع وضوء می نماید و مردم انتظار او می کنند تا ایں او نماز گزارند ؎

سید صاحب بانسویؒ تھوڑی دیر سر جھکائے رہے پھر فرمایا: خبر دینے والا خبر دیتا ہے کہ اس وقت محمد رضا بغداد شریف کی جامع مسجد میں وضو کر رہے ہیں اور نمازی انتظار کر رہے ہیں کہ وہ وضو کر لیں تو ان کے پیچھے سب نماز پڑھیں۔

یہ حضرت سید صاحب بانسویؒ (وفات ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کی حیات کا زمانہ تھا، ملا محمد رضا کی وفات کب ہوئی اس کا علم کسی کو نہ ہو سکا۔ گمان غالب ہے کہ استاذ الہند ملا نظام الدین (وفات ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کی حیات ہی میں انکی وفات ہو گئی تھی۔ ملا محمد رضا کے دو صاحبزادے ملا احمد حسین (جن کو استاذ الہند نے متبنیٰ بنایا تھا جن کا ذکر اوپر گزر چکا) اور ملا عبد الحئی تھے اور ایک صاحبزادی تھیں، ملا عبد الحئی بن ملا محمد رضا ایک بیٹی چھوڑ کر نوجوانی میں انتقال کر گئے، ملا احمد حسین سے ملا محمد رضا کی نسل چلی، ملا احمد حسین کے ایک ہی صاحبزادے تھے مولوی محمد سعد الدین اور تین بیٹیاں تھیں، مولوی سعد الدین روزگار کے سلسلے میں وطن سے باہر رہے، ان کی اولاد اپنے ننیہال شبہہ (ضلع بارہ بنکی) میں رہی اور زمیندارانہ طرز زندگی گزارتی رہی، پھر اولاد کی دو شاخیں ہو گئیں، ایک اب تک ننیہال میں آباد ہے ایک فرنگی محل (لکھنؤ) منتقل ہو گئی، ان سطور کا راقم اسی شاخ سے ہے جو فرنگی محل میں آباد ہے۔ (محمد رضا انصاری بن مولوی محمد سخاوت اللہ بن مولوی محمد ہدایت اللہ بن مولوی محمد شرافت اللہ بن مولوی محمد کرامت اللہ بن مولوی عبد الرب عرف محمد شائق بن مولوی سعد الدین بن ملا احمد حسین بن ملا حاجی محمد رضا بن ملا قطب الدین شہید۔)

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود، کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند

؎ عمدۃ الوسائل للنجاۃ (مخطوطہ فرنگی محل)

Marfat.com

درسِ نظامی

درسِ نظامی، تسلیم شدہ ہے کہ استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کی نسبت سے "درسِ نظامی" یا "درسِ نظامیہ" کہلاتا ہے، علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں:-

"درس نظامیہ اگرچہ خاص ہندوستان کا کارنامۂ فخر ہے لیکن نظام الملک نے بغداد میں جو مدرسۂ اعظم "نظامیہ" کے نام سے قائم کیا تھا اُس کی عالمگیر شہرت نے اس قدر دست درازی کی کہ اس سلسلے کو بھی اپنی فہرستِ اعمال میں داخل کرنا چاہا، چنانچہ ہمارے زمانے کے اکثر ناواقفوں کو دھوکا ہوا، یہاں تک کہ ایک اُردو تصنیف میں صراحتاً یہ دعویٰ کیا گیا۔" (مقالاتِ شبلی)

البتہ اس کا سراغ لگانا آسان نہیں کہ سب سے پہلے کس نے ملا نظام الدین کی طرف اس کو منسوب کیا!

درسِ نظامی ایک خاص طریقۂ درس کا نام ہے، نہ کہ مخصوص کتابوں کا، اس درس کے تحت شروع ہی سے متعدد ایسی کتابیں پڑھائی جانے لگی تھیں جو بانیِ درسِ نظامی کے تلامذہ کی تصانیف تھیں اور اُن کے سامنے یا اُن کے بعد تصنیف ہوئی تھیں، اور بیشتر کتابیں تو وہی تھیں جو بہت پیشتر سے پڑھائی جارہی تھیں۔

درسِ نظامی کی ایک خصوصیت یہ ہے اور اسی بنا پر اس پر اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس میں معقولات کی تدریس پر ہی سارا زور صرف کر دیا گیا ہے اور علوم شرعیہ قریب قریب نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ کسی بھی نصاب کے سلسلے میں اس نزاع کی کیا کوئی گنجائش ہو کہ کن علوم و فنون پر زیادہ توجہ کی گئی ہے اور کن پر کم؟ دیکھنا صرف یہ چاہیے کہ جس

مقصد کے لیے نصاب مقرر کیا گیا ہے وہ مقصد اس سے حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ جہاں تک "کتبِ معقولات" کی زیادتی کا سوال ہے بانیِ درسِ نظامی کو اس "بدعت" کا بانی نہیں ٹھہرایا جا سکتا، ہندوستان میں بانیِ درسِ نظامی سے بہت پہلے سے معقولات کا خوب چلن ہو چکا تھا۔ ثبوت کے لیے محدث الہند شاہ ولی اللہ دہلوی نے جس درس کے مطابق تعلیم حاصل کی اُس کی تفصیل ان ہی کی تصانیف میں دیکھی جا سکتی ہے۔ شاہ صاحب ملا صاحب کے ہم عصر تھے۔

"معقولات" کی کثرت کی معقولیت کو بھی جو حلقے مانتے ہیں وہ بھی اس پہلو سے معترض نظر آتے ہیں کہ منطق و فلسفہ کے نام پر اتنی بہت سی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، پھر بھی جسے منطق و فلسفہ کہتے ہیں وہ نہیں آتا! منطق و فلسفہ بحیثیت علوم درسِ نظامی کی غرض و غایت نہیں، علوم آلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے دستکار کے اوزار، اگر وہ دستکار کے کام میں مددگار ہیں تو وہ اُن کو ضرور استعمال کرے گا: نام ان کا کچھ رکھ لیا جائے! منطق و فلسفہ کے نام سے جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ فنی لحاظ سے منطق و فلسفہ نہ سہی لیکن جس غرض سے وہ پڑھائے جاتے ہیں وہ ان سے حاصل ہوتی رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ نصاب میں شامل معقولی کتابوں، اُن کی شرحوں، شرحوں کے حواشی اور محشیوں کے منہیات کا جو تہ در تہ سلسلہ نظر آتا ہے اُس کو بعض نکتہ رس علمار نے "ذہنی ورزش" کے صحیح اور مناسب ترین نام سے تعبیر کیا ہے۔

کسی مخصوص علم یا فن کو اپنی غرض و غایت ٹھہرا لینے والوں سے قطع نظر، ہندوستان کے مسلم معاشرے کا، جب تک قاضیوں اور شرعی عدالتوں کا چلن رہا، عام درسی تقاضا یہی تھا کہ مسائلِ شرعیہ سے کما حقہ واقفیت اور "نوازل" و "حوادث" کے سلسلے میں صحیح استنباط کا "ملکہ" پیدا ہو، "ملکہ" پیدا کیا جانا جب مقصود و مطلوب ٹھہرا تو تدریس و تعلیم کے زاویے کو درست رکھنے کا دار و مدار کسی خاص فن اور خاص علم کی مخصوص کتابوں پر نہیں رہا، ملکہ،

Marfat.com

کی تعریف اگر وہی ہے جو بعض حضرات نے کی ہے کہ :-

"چوں حاصل شد خواندہ و ناخواندہ	ملکہ اُس صلاحیت و استعداد کا نام ہے
برابر است و چوں حاصل نہ شد خواندہ	جو اگر حاصل ہو جائے تو جو کچھ پڑھا ہو
وناخواندہ برابر است"	اور جو نہیں کبھی پڑھا ہے وہ دونوں
	یکساں (یعنی پڑھا ہوا) ہو جاتے ہیں۔
	اور اگر حاصل نہ ہو تو پڑھا اور اَن پڑھ
	دونوں یکساں رہتے ہیں۔

تو یہ بحث اور بھی بے محل ہو جاتی ہے کہ کیا پڑھایا جاتا ہے اور کیا نہیں! اسی "ملکہ" کو پیدا کرنے کے لیے بانیِ درسِ نظامی، اُن کے جانشین (بحر العلوم) اور اُن کے جانشینوں نے، درسی کتابوں میں کمی اور بیشی کو ہمیشہ روا رکھا، اگر علامہ شبلی نعمانی کا یہ خیال درست ہے کہ :-

"درسِ نظامی اگرچہ ملا نظام الدین صاحب کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے، یعنی ملا نظام الدین کے والد سے جن کا نام ملا قطب الدین شہید تھا۔"

تو ملا قطب شہید سے بحر العلوم اور اُن کے جانشینوں تک درسی کتابوں میں کمی بیشی کے جواز کی سند تاریخی طور پر آج بھی دستیاب ہے، بحر العلوم کے فرزند اکبر ملا عبد الاعلیٰ نے، جو خاندان فرنگی محل کے پہلے تذکرہ نگار بھی ہیں، رسالہ قطبیہ میں لکھا ہے :-

باید دانست کہ داب تدریس ہر یک	جان لیا چاہیے کہ، ہر ایک اُستاد کے
موافق زمانہ و استعداد جدا است، چرا	پڑھانے کا انداز زمانہ اور حصول استعداد
کہ مولانائے شہید از ہر یک فن یک کتاب	کے لحاظ سے جداگانہ رہا ہے، اس لیے
جیدّ می خوانیدند و شاگرداں محقق می	کہ ملا قطب شہید ہر فن کی ایک ہی ایک
شدند، و مولانا عارف از ہر علم دو دو	کتاب، جو اپنے موضوع پر بہترین ہوتی

Marfat.com

کتاب و بعضے اذکیا را یک درس می دادند، و مولانائے کامل بعضے را یک یک و بعضے را دو دو و بعضے را سہ سہ از کتب جیدہ حسب استعداد متعلمین تعلیم می کنند و کاتب الحروف حسب استعداد طلبۂ زماں دابِ تدریس بسیار مستحسن مقرر ساختہ کہ متعلم را از آں، استعداد و قوتِ اخذِ مطلبِ کتاب وغیرہ لوازمِ علم خوب می شود و فراغت از تحصیل علم زود می شود،

پڑھاتے تھے اور اُن کے تلامذہ صاحب تحقیق ہو جاتے تھے، ملا نظام الدین ہر علم کی دو دو کتابیں اور بعض ذہین طلبہ کو ایک ایک کتاب پڑھاتے تھے، بحر العلوم بعض طلبہ کو ایک ایک، بعض کو دو دو اور بعض کو تین تین کتابیں ہر علم و فن کی پڑھاتے تھے، یعنی طلبہ کی استعداد کے مطابق کتابوں کی تعداد کا تعین کرتے تھے، راقم (ملا عبد الاعلیٰ) نے اپنے زمانے کے طلبہ کی استعداد کے پیش نظر تدریس کا ایک بہت ہی خوب انداز مقرر کیا ہے جس سے طالب علم میں کتاب کا مطلب سمجھنے اور علم و فن کے دوسرے پہلوؤں کے حصول کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور تحصیل سے جلد فراغت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

درسِ نظامی ___ خواہ ملا نظام الدین اس کے بانی مانے جائیں یا اُن کے والدِ ماجد ___ اپنے زمانے میں، اسی ملکہ اور استعداد کے پیدا کرنے کی طرف ایک ترقی پسندانہ اقدام تھا، یہ اقدام کس نوعیت کا تھا؟ اس کا اندازہ علامہ شبلی نعمانی نے اس طرح لگایا ہے:۔

" (۱) اختصار، یعنی ہر فن کی ایک دو مختصر کتابیں لے لی گئیں۔

(۲) اختصار کے اصول پر اکثر کتابیں ناتمام درس میں رکھی گئیں، یعنی صرف

Marfat.com

اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا۔

(۳) ہر فن میں وہی کتاب رکھی گئی جو اُس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے، اس سے مقصد یہ تھا کہ غور کی قوت پیدا ہو جائے کہ پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ سکے۔"

(مقالاتِ شبلی)

یعنی درس کا نظام ایسا بنایا گیا کہ مقصود بالذات علوم و فنون پر گرفت مضبوط تر کرنے کے لیے جن "علومِ آلیہ" کی جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس پر وقت صرف کیا جائے "دابِ تدریس" میں "موافقِ زمانہ و استعداد" رد و بدل کرنا، خود درسِ نظامی کے ہیولیٰ میں شامل نظر آتا ہے، اس لیے زمانہ اور حالات کے انقلاب کے ساتھ اگر اس درس میں تبدیلی کی جاتی ہے تو اس کے قدر دانوں کو ذرا بھی شاق نہ گزرنا چاہیے اور نہ تبدیلی کے مطالبے کو کسی معاندانہ رویہ پر محمول کرنا چاہیے، خواہ اس مطالبے کے اظہار میں بعض پر جوش طبیعتوں کی طرف سے ایسا ہی انداز اختیار کیوں نہ کیا گیا ہو جو معاندانہ نظر آتا ہو۔

تدریسی نظریات مسلسل تجربوں کے نتیجے میں بہت کچھ بدلے ہیں اور برابر بدلتے جا رہے ہیں اور آج کی تیز رفتار دنیا میں اس تبدیلی کی رفتار بھی بہت تیز ہو گئی ہے۔ درسِ نظامی کو اگر اس پہلو سے دیکھا جائے کہ اس تعلیمی و تدریسی تجربے کو کتنے طویل عرصے تک استحکام حاصل رہا اور اس کی مقبولیت کی وسعت کہاں سے کہاں تک پہونچ گئی تو یہی پہلو اس کا طرۂ امتیاز نظر آئے گا۔ ہندوستان میں دینی علوم کی تدریس و تعلیم مسلمانوں کے یہاں آباد ہونے کے بعد سے برابر رہی ہے، تاریخ و تذکرہ کی تصنیفات میں، بہت سی اُن کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں جو پڑھائی جاتی رہی ہیں لیکن کسی منظم نصاب کے عام رواج کا کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا، درسِ نظامی ہی غالباً پہلا منظم نصاب ہے جس سے ہم متعارف ہیں، جو اٹھارھویں صدی عیسوی (بارھویں صدی ہجری) میں پورے ملک میں رواج پذیر ہوا۔

مشہور مستشرق اور محقق مسٹر ڈبلو کانٹ ول اسمتھ نے اپنے مضمون "علماء ان انڈین پالیٹکس"

میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے، گو اس بیان کے بعض پہلوؤں میں تاریخی تسامح بھی ہے مثلاً فرنگی محل سنہ ۱۶۹۴ء میں از روئے فرمانِ شاہی' خاندان ملا قطب شہید سہالوی کو رہنے کے لیے ملا تھا، جس کے آٹھ دس برس کے بعد وہاں ملا نظام الدین کے ہاتھوں "درس گاہ (مدرسہ) کا قیام عمل میں آیا، نیز اگرچہ "سنی مدرسہ" اس لحاظ سے تھا کہ "سنی علوم دینیہ" بھی اس میں پڑھائے جاتے تھے' لیکن مجموعی طور پر اس کا درس' سنی یا شیعہ یا غیر مسلم کسی کے لیے بھی خارج از دسترس نہ تھا، بہر حال مسٹر اسمتھ لکھتے ہیں :-

........OF THE GROWTH OF THE LATTER ONE GETS ONE OR TWO THINGS SUCH AS THE EXPANDING SIGNIFICANCE OF THE FARANGI MAHAL LUCKNOW SET UP AS A TYPICAL ONE-MAN SCHOOL IN 1698 BUT DEVELOPING IN EITHTEENTH CENTURY INTO PERHAPS INDIA'S FIRST NATION-WIDE SUNNI MADARSAH INSTITUTION AND THE SPREAD OF ITS CURRICULUM AS AN STANDARDIZED DARS-E-NIZAMI WHICH CAME TO PREVAIL AS DOMINANT FORMULA--TION FOR FORMATION OF RELIGIOUS SCHOLORS.

P 47 POLITICS & HISTORY IN INDIA

THE ULEMA IN INDIAN

Marfat.com

POLITICS

K. WELLSMITH.

"آخرالذکر کے ارتقا کے بطور ہمیں دو ایک چیزیں ملتی ہیں، مثال کے طور پر فرنگی محل لکھنؤ کی بڑھتی ہوئی اہمیت ہے جس کی خصوصیت یہ تھی کہ ۱۶۹۰ء میں صرف ایک شخص نے تنہا اسے قائم کیا تھا۔ لیکن جو اٹھارہویں صدی عیسوی میں ایک ایسا ادارہ بن گیا جو قومی پیمانے پر ہندوستان کا قریب قریب اولین سنی مدرسہ تھا اور اس کا نصاب ایک ایسے معیاری "درس نظامی" کی شکل میں رائج و شائع ہو گیا جو مذہبی علماء کی تعمیر و تعلیم کا ایک اہم اور ہمہ گیر طریقہ کار بن گیا۔"

(صفحہ ۲۷۴ کتاب "پالیٹکس اینڈ ہسٹری ان انڈیا" میں مضمون "دی علماء ان انڈین پالیٹکس" از ڈبلو، کانٹ ویل اسمتھ)

جہاں تک علوم دینیہ کا تعلق ہے وہ درس نظامی میں بایں طور تھے کہ بغیر کسی دقت کے غیر سنّی ان کے بغیر اس درس گاہ سے پورا پورا استفادہ کر سکتا تھا۔ قیام مدرسہ سے اُس وقت تک جب تک یہ درس گاہ جاری رہی شیعہ بلکہ غیر مسلم بھی برابر اس سے استفادہ کرتے رہے۔ بعض حلقے اسی بنا پر اس درس ہا کو "سیکولر" (نامذہبی) درس کہتے ہیں۔ اور دوسرے حلقے اسی لیے معترض رہے ہیں کہ اس درس میں "علوم دینیہ" کو قریب قریب نہ دینے کے برابر جگہ دی گئی ہے۔

اعتراض و نکتہ چینی سے قطع نظر۔ دیکھنا یہی ہے کہ اس درس کے فارغ حضرات سے دینی علوم کی خدمت بن پڑی یا نہیں، اگر علوم دینیہ کی تدریس میں اس قدر قلت کے باوجود، درس نظامی کے فارغین نے علوم دینیہ و شرعیہ کی کسی اور درس گاہ یا اُستاد سے استفادہ کے بغیر کچھ خدمات انجام دی ہیں، اور تاریخ بتاتی ہے کہ دی ہیں، تو ایسی نکتہ چینی فعل عبث ہی قرار دی جائے گی۔

تمام دوسری نکتہ چینیوں پر رد و قدح کے بغیر —— تاکہ یہ کتاب تاریخ و تذکرے کے

Marfat.com

دائرے سے نکل کر "اُصولِ تعلیم" کی فنی بحث میں نہ جا پڑے ـــــــ اس ایک نکتہ پر گفتگو کو مرکوز رکھنا مناسب ہوگا کہ درسِ نظامی کے بانی اور اس درس کے فارغین نے علومِ شرعیہ کی کیا کیا خدمتیں انجام دیں ! درسِ نظامی میں حدیث و تفسیر کے ایسے علومِ شرعیہ کی تدریسی پہلو سے کمی نظر آتی ہو، اگر اس کو واقعی خامی بھی مان لیا جائے، تب بھی یہ کہنا حق بجانب نہ ہوگا کہ "بانیٔ درسِ نظامی" بھی ان علومِ شرعیہ سے "ناآشنا" تھے، جیسا کہ مرحوم سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون "ہندوستان میں علمِ حدیث" میں یہ رویہ روا رکھا ہے۔ بقول ان کے :۔

"...... تعجب ہے کہ اس قدر طویل زمانے تک ہندوستان کی یہ مشرقی درس گاہ حدیث کے ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی، بزرگوں سے جو کچھ سُنا ہے وہ یہ ہے کہ درسِ نظامی میں صرف مشکوٰۃ داخل تھی اور وہی پڑھائی جاتی تھی، یہ بھی سُنا ہے کہ فرنگی محل میں صحیح بخاری کے چند پارے موجود تھے مگر وہ صرف تبرکاً رکھے رہتے تھے ......"

(مقالاتِ سلیمانی جلد دوم)

اس عبارت سے تین الزامات بانیٔ درسِ نظامی ملا نظام الدین پر وارد ہوتے ہیں :۔

(۱) اس قدر طویل زمانے تک درس گاہ فرنگی محل ترانۂ قدس سے ناآشنا رہی۔

(۲) درسِ نظامی میں حدیث کی صرف ایک کتاب رکھی گئی۔

(۳) نسخۂ صحیح بخاری فرنگی محل میں موجود تھی مگر پڑھنے کے لیے نہیں صرف تبرک کے لیے۔

تاریخی اور واقعاتی پہلو سے صرف دوسرا "اعتراض" درست ہے! یہ حقیقت ہے کہ جہاں تک درسِ نظامی کا معاملہ ہے، اس میں حدیث کی صرف ایک ہی کتاب "مشکوٰۃ" جو صحاح ستہ کا بہترین خلاصہ ہے، رکھی گئی، یہ بحث الگ ہے کہ اس ایک کتاب سے وہی نتائج حاصل ہوئے یا نہیں جو صحاح ستہ کا پورا دورہ کرا دینے سے حاصل ہوتے ہیں !۔

(۳) صحیح بخاری کے تبرکاً رکھے رہنے کی بات، تو فرنگی محل کے پہلے تذکرہ نگار اور بانیٔ درسِ نظامی ملا نظام الدین کے حقیقی پوتے ملا عبدالاعلیٰ (وفات ۱۱۲۰ھ) نے رسالہ قطبیہ

(مخطوطہ) میں اپنے مرشد شاہ شاکر اللہ سندیلوی (وفات ۱۱۹۷ھ) کے احوال میں، جو ملا نظام الدین کے شروع سے آخر تک شاگرد تھے جو واقعہ لکھا ہے وہ "بخاری شریف کے تبرکاً رکھے رہنے کی بے سند روایت کی صراحتاً نفی کرتا ہے:-

وقتیکہ از تحصیلِ علوم ضروریہ فارغ شدند صحیح بخاری را شروع کردند چوں باین حدیث رسیدند کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ بلاحساب از استاد عرض کردند کہ قولِ این کلمہ بطوریکہ می گویم باعثِ دخولِ جنت بلاحساب نیست والا اجزائے اعمال مفقود می شود پس طریقۂ قولِ این کلمہ دیگر است؟ استاد فرمودند بلے! عرض کردند کہ آں را تعلیم فرمایند...... الخ

شاہ شاکر اللہ سندیلوی جب علوم ضروریہ (درس نظامی) کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو انھوں نے صحیح بخاری پڑھنا شروع کیا اور جب اس حدیث پر پہونچے کہ "جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ بے حساب کتاب جنت میں داخل ہوگا" تو استاد سے عرض کیا کہ یہ کلمہ جس طرح میں کہتا ہوں بلاحساب کتاب جنت میں دخول کا سبب نہ ہوگا۔ ورنہ جزائے اعمال کا سارا نظام بے معنی ہو جائے گا۔ تو کیا اس کلمہ کو کہنے کا کوئی دوسرا طریقہ بھی ہے؟ استاد نے فرمایا "ہاں!" عرض کیا کہ "وہ ہی طریقہ مجھے سکھا دیجئے"۔

رسالہ قطبیہ میں تو بغیر نام لیے صرف "استاد" لکھ دیا گیا ہے، خیال ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کسی اور استاد سے پڑھنے ہوں گے، نہ کہ ملا نظام الدین سے، لیکن اسی مصنف نے اپنی دوسری تصنیف میں استاد کا ذکر نام کے ساتھ کر کے اس خیال کو خارج از بحث کر دیا ان کی اس دوسری تصنیف کا نام "محاسنِ رزاقیہ" ہے۔ (اپنے جد ثانی نظام الدین کے رسالہ "مناقبِ رزاقیہ" کی شرح کے طور پر تصنیف کی تھی اور مخطوطہ کی شکل میں مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی

Marfat.com

علی گڑھ میں موجود ہے) اس میں اپنے مرشد کے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے، انھوں نے لکھا ہے:۔

"مولوی نظام الدین فرمود کہ آرے! آں را طریق دیگر است" (بخاری پڑھانے والے استاد) ملا نظام الدین نے جواب میں فرمایا کہ "ہاں! دوسرا طریقہ اس کلمہ کو کہنے کا ہے!

رسالہ قطبیہ میں درج تفصیل کے مطابق پھر ملا نظام الدین نے شاہ شاکر اللہ کو 'لا الٰہ الا اللہ' کا طریقہ ذکر بتایا اور شاہ صاحب اس پر عامل ہو کر تارک الدنیا ہو گئے، جنگلوں اور ویران جگہوں پر رہنے لگے، پھر استاد ملا نظام الدین سے درخواست کی کہ اُن کو داخلِ بیعت کرلیں، استاد نے فرمایا کہ "تمھارا حصہ میر اسماعیل بلگرامی کے پاس ہے"۔ اور شاگرد کو اپنے پیر بھائی میر اسماعیل بلگرامیؒ (وفات ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء) سے بیعت کرنے کی ہدایت کی، وہ اُن کے مرید ہو گئے۔

تفصیل سے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ فرنگی محل' ملا نظام الدین ہی کے مسندِ درس بچھنے سے مشہور ہوا، وہی اس "مشرقی درس گاہ" کے بانی تھے، جب ان ہی کے زمانے میں صحیح بخاری کے پڑھانے کی شہادت صفحاتِ تاریخ میں ثبت ہو تو پھر "اس قدر طویل زمانے تک" اس کے "ترانہ قدس سے نا آشنا" رہنے کا اطلاق آخر کس زمانے پر کیا جائے گا؟۔

اسی مضمون میں، علامہ ندوی نے تسلیم کیا ہے کہ بانیِ درسِ نظامی کے فرزند ملا بحر العلوم' کی تصانیف میں حدیث سے واقفیت کے ثبوت ملتے ہیں۔ ملا بحر العلوم نے شروع سے آخر تک صرف اپنے والد ماجد سے پڑھا تھا، پڑھنے کے بعد درسیات کا مذاکرہ اپنے والد ماجد کے شاگرد رشید ملا کمال الدین سہالوی سے کیا، تو اگر حدیث سے نا آشنائی کا وہی ماحول فرض کرلیا جائے جس کی طرف علامہ ندوی کا مذکورہ اقتباس اشارہ کر رہا ہے تو مزید حیرت اس پر ہوگی کہ بانیِ درسِ نظامی کے از اول تا آخر شاگرد (بحر العلوم)، نہ صرف حدیث سے واقفیت کے

Marfat.com

ثبوت پیش کرتے ہیں، بلکہ "اُصولِ حدیث" پر ایک تصنیف بھی فرماتے ہیں! بحرالعلوم کی یہ تصنیف رضا لائبریری (رام پور) میں موجود ہے۔ جس کا تعارف لائبریری کے ناظم مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"میں نے مولانا بحرالعلوم کا رسالہ دیکھا وہ اصولِ حدیث ہی پر ہے، اور بے حد مختصر ہے، کل تین ورقوں میں سارے فن کو سمو دیا ہے، چونکہ دیباچے میں اپنا اور اپنے والد ماجد اور دادا مرحوم کا نام صراحت سے لکھا ہے لہٰذا اس کے تالیفِ بحرالعلوم ہونے میں شک نہیں، شروع کے صفحہ میں بالائی بائیں گوشے میں کاتب نے "الجزء الاول من تقسیم الحدیث تصنیف مولانا عبد العلی مدظلہ" لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں اس کی کتابت ہوئی تھی، آخر میں لکھا ہے "قوبل بالمسودۃ ونقل عنہا" اس سے موجودہ نسخے کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔"

(نجی مکتوب مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء)

اگر خود بانیِ درسِ نظامی کی تصانیف پر واقفیت حدیثِ نبویؐ کے پہلو سے نظر ڈالی جائے تو ان میں سے بھی حدیث سے واقفیت کے ثبوت دستیاب ہو سکتے ہیں، علامہ سید سلیمان نے ملا نظام الدین کی صرف ایک مطبوعہ تصنیف "مناقبِ رزاقیہ" سے واقفیتِ حدیث کا ایک ثبوت تلاش کیا جو مسئلہ تیمم کے سلسلے میں ہے، یعنی :۔

"واکثر احادیثِ صحاح مویّد قول امام شافعی وغیرہ است"۔ (مناقبِ رزاقیہ)

ملا صاحب کی دیگر تصانیف جن میں واقفیتِ حدیث کے ثبوت مل سکتے ہیں، ہنوز مخطوطے کی شکل میں ہیں جیسے شرح منار مسمیٰ بالصبح الصادق (اصولِ فقہ) شرح مسلم الثبوت (اصولِ فقہ)، رسالہ احوال وضو النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور شرح تحریر الاصول۔

الصبح الصادق میں قرآن شریف کے بتواتر منقول ہونے کی بحث میں ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

Marfat.com

وھو مخالف لما روی من قبلُ، وھو الاحریٰ بالقبول لان صحیح البخاری اصح الکتب الخ۔

اور یہ (روایت) اس روایت کے مخالف ہو جو اس سے قبل نقل ہوئی، اور یہی روایت قبول کرنے کی زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے جو تمام کتب حدیث میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔

رسالۂ احوال وضوء النبیؐ دست رس سے باہر ہے مگر جیسا کہ اس رسالے کے ذکر میں پہلے خیال ظاہر کیا جا چکا ہے کہ احادیث کی روشنی ہی میں وضو کے مسنون طریقے پر اس رسالے میں روشنی ڈالی گئی ہوگی، اصل رسالہ اگرچہ دست رس سے باہر ہے، مگر اس کا ایک اقتباس، مفتی مظہر کریم دریابادی (وفات ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کے مجموعۃ الفتاویٰ (مخطوطہ) میں نظر آیا، یہ مخطوطہ مفتی صاحب کے پوتے مولانا عبدالماجد دریابادی کے پاس محفوظ ہے، وضو میں گردن سے مسح کے متعلق ایک استفتے کے جواب میں ملا نظام الدین کے رسالۂ وضو کا یہ اقتباس نقل ہوا ہے:-

فی مسح الرقبۃ فی رسالۃ مولانا نظام الدین محمد قدس سرہ۔

ملا نظام الدین قدس سرہٗ کے رسالۂ وضو میں ہے۔

"ھدای ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسح الرقبۃ لما فی مسند الفردوس عنہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم قال ومن مسح علی القفا مع الرأس حفظ عن الغل یوم القیامۃ، لکن سندہٗ ضعیف وجاء فی روایۃ اخریٰ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ گردن کا مسح فرماتے تھے۔ جیسا کہ حدیث کی کتاب مسند الفردوس میں آنحضرتؐ کا ارشاد منقول ہو کہ جس شخص نے سر کے ساتھ گردن (گدی) کا مسح کیا وہ بروز حشر عذاب کے طوق کو گردن میں ڈالے جانے سے بچ گیا، لیکن اس حدیث

Marfat.com

ذکر الشمنی وحکیٰ ابن ھمام عن الترمذی عن وائل بن حجر ثم مسح علیٰ رأسہ ثلثاً ومسح اذنیہ ثلثاً وظاھر رقبتہ وعن کعب بن عمر الیمانی انہ علیہ السلام وعلیٰ آلہ مسح الرقبتہ مع مسح الرأس، فائدۃ. وھو مستحب عند ابی حنیفۃ و علیہ بعض الشافعیۃ وقال الشیخ ابن ھمام عند البعض بدعۃ وینظر الیہ کذا قول صاحب السفر السعادۃ لم یثبت حدیث صحیح فی مسح الرقبۃ۔ واللہ اعلم۔

کی سند ضعیف ہے اور دوسری حدیث میں جس کو ذکر شمنی نے کیا ہے آیا ہے اور ابن ہمام نے ترمذی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ وائل بن حجر روایت کرتے ہیں کہ پھر آنحضرت نے تین بار سر کا مسح اور تین بار دونوں کانوں اور گردن کا مسح کیا، کعب بن عمر یمانی سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ السلام نے سر کے مسح کے ساتھ گردن کا بھی مسح کیا۔ فائدہ: گردن کا مسح امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیوں کے نزدیک مستحب ہے، شیخ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ بعض دوسروں کے نزدیک بدعت ہے۔ صاحب سفر السعادۃ کا یہ قول کہ گردن کے مسح کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بانیٔ درسِ نظامی ملا نظام الدین کی تصانیف کے یہ وہ چند اقتباسات ہیں جو اول نظر میں بطور نمونہ لے لیے گئے ہیں، ان سے اتنی وضاحت بہرحال ہو جاتی ہے کہ درسِ نظامی میں حدیث کی صرف ایک کتاب شامل کرنے کے باوجود ملا صاحب پر اور درس گاہ فرنگی محل پر حدیث شریف سے بے نیازی یا ناآشنائی کا الزام خلاف واقعہ ہے۔

خاندانِ علمائے فرنگی محل کے ذکر میں احادیثِ نبوی سے تعلق و ربط کا ضمنی تذکرہ

Marfat.com

تاریخ کے صفحات میں اُس وقت سے ملتا ہے، جب ہندوستان میں حدیث سے بے نیازی کا الزام تراشنے کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا، مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اس الزام تراشی کی تاریخ اور وجہ کا ذکر اپنی تصنیف "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" میں بڑی برہمی کے ساتھ کیا ہے :-

"پچھلے دنوں چونکہ عمل بالحدیث کا دعویٰ کر کے ایک فرقہ اس ملک میں اٹھا اور اسلام کے طویل الذیل ابواب .... میں صرف صلوٰۃ کے باب سے اس نے کل تین یا چار مسئلوں قراۃ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع الیدین، وضع الیدین علی السرہ کا انتخاب کر کے چیخنا شروع کیا کہ اس ملک کے مسلمانوں کو حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ ان چار مسئلوں میں ان کا طریقۂ عمل، حدیث کے خلاف ہے۔" (ص ۱۷۵)

"..... کہنے کو تو کہا جاتا ہے کہ اس سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیمت پیدا کرنی مقصود ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ سعدی کا مطلب کچھ اس کے سوا ہے۔ یعنی برطانوی عہد میں عمل بالحدیث کے نام سے مسئلہ چہارگانہ کا جو فتنہ اٹھایا گیا اور ان ہی چار مسئلوں کی اشاعت کا نام حدیث کی اشاعت رکھا گیا در پردہ ہندوستان کی حدیث کی سرگرمیوں کو اس فتنہ کی طرف منسوب کرنا مقصود ہے۔" (ص ۱۸۱)

"ہندوستان کے قدیم نصاب پر اعتراض کیا گیا کہ اس میں حدیث کی تعلیم کے لیے صرف ایک کتاب تھی، تفسیر میں صرف جلالین پڑھائی جاتی تھی .... لیکن کیا ان چند گنی چنی کتابوں کا درس ان علوم میں تبحر اور وسعتِ نظر پیدا کرنے کے لیے کافی نہ تھا"؟ (ص ۳۰۵)

"مشکوٰۃ جیسی کسی متن حدیث کی کتاب کو حل و بحث کے طریقے سے پڑھ لینے کے بعد آگے صحاح کی کتابوں کے پڑھانے کا مطلب بطور تبرک سمجھئے یا روایت کی درستگی سمجھئے اور کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا تھا جو یوں بھی مناولہ وغیرہ طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے کیونکہ کتابوں کی تدوین کے بعد اسناد کی درستگی کا مسئلہ بھی تبرک کے

Marfat.com

سوا کیا رہ گیا ہے ؟ " (صفحہ ۳۱)

" مناولہ : یہ محدثین کا ایک طریقہ تھا کہ جس کی قابلیت پر اعتماد ہوتا پڑھائے بغیر کتابوں کی روایت کرنے کی اجازت عطا فرماتے تھے " (حاشیہ صفحہ ۳۱)

: پھر جو چیزیں یوں ہی استاد کی اعانت کے بغیر لوگوں کی سمجھ میں آ رہی ہو اس کو خواہ مخواہ اُستادوں سے پڑھنے کی کیا حاجت ہے ؟ " (صفحہ ۳۱۸)

" الزام تراشی " کے آغاز سے یعنی عہدِ برطانیہ سے بہت پہلے علمائے فرنگی محل کی احادیث سے اعتنا کے جو حوالے ملتے ہیں اُن میں سب سے قدیم اُس 'محضر' کا حوالہ ہے جو ملا قطب الدین سہالوی کے واقعۂ شہادت (۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء) کے بعد علما و عمائدین کے دستخطوں کے ساتھ عالمگیر کو پیش کیا گیا تھا، اس میں ملا قطب الدین شہید کے بارے میں یہ شہادت دی گئی ہے، جو بلا شبہ چشم دید ہے کہ :-

در اوقات فراغ از درس و عبادت	درس اور عبادت سے فرصت کے
بہ تصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ	اوقات میں علوم تفسیر و حدیث و فقہ
و اصول می پرداختند	و اُصول فقہ میں تصانیف کرتے تھے۔

اس محضر میں ملائے شہید کے کتب خانے کی تباہی کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :-

نہ صد جلد مجتمع بود ..... دراں میاں	اس کتب خانے میں نو سو کتابیں تھیں
مصحف مجید چہار جلد و مشکوٰۃ وغیرہ	(جو حملہ آوروں نے جلا دیں) ان میں
از کتب حدیث الخ	قرآن شریف کے چار نسخے اور مشکوٰۃ
	وغیرہ حدیث کی کتابیں تھیں ......
	(وہ سب جل گئیں)

واقعۂ شہادت کے بعد ملا قطب شہید کا کنبہ سہالی سے فرنگی محل (لکھنؤ) منتقل ہوا (۱۱۰۵ھ / ۱۶۹۳ء میں) اور سات آٹھ سال کے بعد فرنگی محل میں (جہاں ڈچ تاجر کا کارخانہ کبھی قائم تھا) پہلی بار

Marfat.com

ملا نظام الدین کی سندِ درس بھی، جن کے پاس اپنے والد ماجد کے جلے ہوئے کتب خانے کی چند کتابیں رہ گئی تھیں جن میں علامہ سید سلیمان ندوی کی بلا سند روایت کو اگر قبول کر لیا جائے تو بخاری شریف کے پندرہ پارے بھی ہوں گے جو تبرکاً رکھے ہی نہیں رہتے تھے بلکہ کم از کم ایک شاگرد شاہ شاکر اللہ سندیلوی نے ملا نظام الدین سے اس کا درس لیا بھی تھا!

صحاح ستہ کو 'دورہ' کے طور پر پڑھانے سے سوائے اس کے اور کیا مقصد ہو سکتا تھا کہ جس طرح قرآن شریف ناظرہ پڑھایا جاتا ہے اسی طرح صحاح ستہ ناظرہ پڑھا دی جائیں ایک ایک دن میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ صفحے دورے کے دوران پڑھانے کے بعد سندِ حدیث دینا بس وہی معاملہ ہے جسے مولانا گیلانی نے 'تبرک' سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ درسِ حدیث (بطور دورۂ حدیث) دراصل "تعلیم حدیث" نہیں ہے بلکہ اس خوش اعتقادی کی تسکین ہے کہ :-

"جس قدر وقت تعلّم حدیث میں صرف ہوتا ہے وہ عبادت میں صرف ہوا ہے اور فی الواقع ہے بھی یوں ہی، دوسرے سند کا لینا اہل حدیث کے نزدیک ایک اہم امر ہے۔ اور اس کے لیے ساری کتابوں کا پڑھنا یا سننا ضروری ہے، ایسی صورت میں اگر یہ کہا جائے کہ کچھ کتابیں کم کر دی جائیں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے تو کون سنے؛ مگر غور سے دیکھئے تو پہلے امر کا (عبادت میں وقت صرف ہونے کا) جبرِ نقصان تو یوں ممکن ہے کہ بعد حصولِ استعداد کے، کتبِ حدیث کا دیکھنا، طلبہ کو درسِ حدیث کا دینا، حدیث کی تصانیف میں وقت صرف ہونا، سب حدیث کی خدمت ہے اور وہ یقینی عبادت ہو۔

دوسرے امر کا جواب یہ ہے کہ سند کے بہت سے اقسام ہیں کبھی سماعاً ہوتی ہے یعنی استاد سے حدیث کا سننا ...... دوسرے شیخ کے سامنے پڑھنا یا کسی دوسرے کو استاد کے سامنے پڑھتے سننا ...... جس کو 'عرض' بولا کرتے ہیں ...... اور کبھی بطریق مناولت ہوتی ہے یعنی شیخ کتاب شاگرد کو دے دے اور یہ کہے کہ میں نے اس کتاب کی

روایت کرنے کی اجازت دی، اور اپنی سند بیان کردے....... دیکھئے خاتمۃ المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی جن کے جانب ہندوستان کے اکثر اہلِ حدیث کے اسناد کا استناد ہے اپنے حدیث پڑھنے کی کیفیت عجالۂ نافعہ میں تحریر فرماتے ہیں: باید دانست کہ ایں فقیر ایں علم و جمیع علوم را محض از خدمت والد ماجد خود اخذ کردہ است بعضے ایں علم را مثلِ مصابیح و مشکوٰۃ و مسوّیٰ شرح مؤطا کہ از تصانیف ایشاں است، و حصن حصین و شمائل ترمذی از خدمتِ ایشاں قرأۃً و سماعاً بہ تحقیق و تفتیش اخذ نمودہ، و قدرے از اوائل صحیح بخاری نیز بطریق درایت از ایشاں شنیدہ، و صحیح مسلم و دیگر صحاحِ ستہ را بہ ایشاں سماع غیر منتظم دارد۔" (ص ۹۹)

یہ اقتباس ہے مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ (شاگرد رشید مولانا ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ فرنگی محلی) کی تصنیف "التنظیم لنظام التعلم والتعلیم" کا، یہ تصنیف جلسۂ ندوۃ العلماء (کانپور) میں اصلاحِ نصاب قدیم کے لیے مقرر کردہ کمیٹی کے ایما پر کی گئی تھی، اس کمیٹی کے ایک ممبر مولانا محمد حسین الہ آبادی بھی تھے۔

اسی تصنیف میں مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی نے "درس ترتیب دادہ ملا نظام الدین صاحب قدس سرہٗ العزیز" کے تحت جن علوم و فنون کتب کا تذکرہ کیا ہے اُن میں مشکوٰۃ (حدیث) کے ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ملا نظام الدین:-

"فصوص اور بخاری شریف بھی کبھی پڑھاتے"۔ ص ۲۳

بانیِ درسِ نظامی کے "ترانۂ قدس" سے تعلق خاطر کے جو حوالے اوپر گزرے اُن کے بعد اب صرف 'تبرک' والی بات رہ جاتی ہے، علامہ سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا ہے کہ ملا نظام الدین کو سندِ حدیث حاصل نہیں تھی، ملا صاحب کے شاگردوں میں ایک نام ملا محمد مغربی تلمسانی کا آتا ہے' مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:-

"ایک کتاب کی پشت پر، میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ استاذ الہند نے حدیث کی سند

بعد اور بحر العلوم کی وفات کے محض سولہ سال بعد، ظاہر ہے کہ ایسی ضخیم تصنیف کا آغاز سال اختتام کے پندرہ بیس سال قبل تو ضرور ہوا ہوگا، اس طرح یہ تفسیر ملا نظام الدین کے شاگردوں اور جانشینوں کی حیات ہی میں تصنیف ہونے لگی تھی۔ ملا ولی اللہ فرنگی محلی نے صرف درسِ نظامی پڑھا تھا، اور شاگردانِ ملا نظام الدین ہی سے سب کچھ اخذ کیا تھا، تفسیر معدن الجواہر کا تعارف مجلہ "علوم الدین" (فیکلٹی دینیات مسلم یونی ورسٹی) کے دوسرے شمارے میں (بابت سنہ ۱۹۷۰-۷۱ء) راقم سطور نے کرایا ہے، یہ تفسیر درسِ نظامی کی جامعیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین سے فاتحۃ الفراغ پڑھنے والے ایک عالم مولوی رستم علی قنوجی بن مولوی علی اصغر قنوجی گزرے ہیں (سنہ ۱۱۱۵ھ تا سنہ ۱۱۷۸ھ) جنھوں نے مطولات تک درسیات اپنے والدِ ماجد سے حاصل کیے، ان کی وفات کے بعد ملا نظام الدین سے استفادہ کیا، کس حد تک استفادہ کیا؟ اس کی تفصیل تو نہیں ملتی، یہ بہرحال ملتا ہے کہ:۔

"فاتحۂ فراغ سنہ ۱۱۴۰ھ بخدمت ملا نظام الدینؒ لکھنوی خواند" (تذکرۂ علمائے ہند از مولوی رحمان علی)	سند فراغت ملا نظام الدین لکھنوی سے سنہ ۱۱۴۰ھ میں حاصل کی۔

ملا صاحب سے فاتحۂ فراغ پڑھنے والے مولوی رستم علی قنوجی نے ایک تفسیر عربی میں تصنیف کی تھی جس کے بارے میں تذکرۂ علمائے ہند کے مصنف کا کہنا ہے کہ:۔

تفسیر صغیر کہ در ایجازِ عبارت بہ جلالین ہم دوش است۔	ان کی لکھی ہوئی تفسیر جو تفسیر صغیر کے نام سے موسوم ہے عبارت کے حسنِ اختصار میں تفسیر جلالین کے ہم پلہ ہے۔

تفسیر صغیر (مخطوطہ) مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) کے ذخیرۂ مخطوطات میں ہے، اس میں سال تصنیف کی صراحت نہیں ہے، مقدمہ میں صرف یہ اشارہ ملتا ہے کہ مصنف نے جب وہ خود تفسیر کا درس لے رہا تھا اسے تصنیف کیا تھا، اس تفسیر کو 'درسِ نظامی' کے حساب میں شمار

اپنے شاگرد ملا محمد مغربی تلمسانی سے حاصل فرمائی تھی"۔ (تذکرۂ علمائے فرنگی محل ص۱۳۱)

ملا نظام الدین کے ایسے فاضل و عالم کے بارے میں اس قیاس کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جانا چاہیئے کہ انھوں نے اپنے ایک استاد حضرت شاہ غلام نقشبندؒ سے بھی سند حدیث حاصل کی ہو۔ جبکہ حضرت شاہ غلام نقشبندؒ درسِ حدیث بھی دیتے تھے اور سندِ حدیث بھی، کم از کم اس کا ایک حوالہ تو "تذکرۂ مشاہیر کاکوری" میں ملا عبدالرقیب کے احوال میں ملتا ہی ہے۔

"اور احادیث کی سند ملا غلام نقشبند لکھنوی سے حاصل کی"۔

(تذکرۂ مشاہیر کاکوری ص۲۴۶)

شاہ صاحب کی سند کہیں نظر سے گزرا ہے کہ مشہور محدث، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے ان کے فرزند شاہ نورالحق (شارح صحیح بخاری مسمیٰ بہ تیسیر القاری، فارسی مطبوعہ) کے واسطہ سے تھی۔

رہ گیا معاملہ تفسیر کا، درسِ نظامی میں تفسیر کی دو ہی کتابیں جلالین اور تفسیر بیضاوی داخل تھیں، لیکن ان کا درس کس انداز کا ہوتا تھا؟ وہی انداز جو حدیث کی ایک کتاب مشکوٰۃ شریف کا تھا کہ ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ دیگر کتب تفسیر پڑھنے اور سمجھنے میں دقت نہ ہو، ابھی محضر کا حوالہ گزرا کہ ملا قطب الدین شہید جن علوم کی تصانیف میں وقت صرف کرتے تھے ان میں ایک تفسیر بھی تھی، مگر ان کی کوئی تصنیف اب موجود نہیں ہے۔

ملا نظام الدین اور بحر العلوم نے بے شک تفسیر میں کوئی مخصوص کتاب نہیں لکھی، لیکن ملا نظام الدین کے بلا واسطہ شاگرد ملا ولی اللہ فرنگی محلی کی ایک ضخیم تفسیر معدن الجواہر (فارسی مخطوطہ) آج بھی موجود ہے جو رجسٹر سے بھی بڑے سائز پر پانچ ہزار صفحات کی ہے، اور ابھی حال میں مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذخیرۂ مخطوطات میں شامل ہوئی ہے، یہ کئی جلدوں میں ہے، اس کی ایک جلد چار پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے مقدمہ تفسیر کے بطور ہے، اس تصنیف کا اختتام ۱۲۴۱ھ میں ہوا ہے، ملا نظام الدین کی وفات سے صرف اٹھی سال

Marfat.com

کر سکتے ہیں، اگر 'فاتحہ فراغ' بانیٔ درسِ نظامی سے پڑھنے کو کچھ بھی علمی اہمیت دی جا سکتی ہو۔

بہرحال، 'درسِ نظامی' ایسا درس ہے جس میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق اس طرح نہیں ہے، جس طرح آج کے زمانے میں؛ ایک طرف دنیاوی علوم کے فارغ ہیں تو دوسری طرف دینی علوم کے فارغ، اور ان دونوں گروہوں میں اتنی دوری ہے کہ ایک دوسرے کی جگہ لینے کا اہل ہی نہیں ہوتا،

درسِ نظامی میں دینیات کا مختصر نصاب شامل کر کے اور دیگر علوم غیر دینیہ پر زیادہ توجہ کر کے ایک طرف یہ فائدہ ملحوظ رکھا گیا کہ 'دینیات' کی طرف رجحان رکھنے والوں کی راہ سے تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، دوسری طرف دُنیاوی عہدے حاصل کرنے کے خواہش مندوں کو بھی اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ نازک ترین عہدے (سفارت اور قانون وکالت وغیرہ) کے پوری طرح اہل ثابت ہوں۔

Marfat.com

ضمیمہ

مرزا قتیل کی کتاب "ہفت تماشا" کا ایک اقتباس صفحہ ۲۰۵-۲۰۷ پر نقل ہوا ہے جسکی عبارت کا مفہوم مطابقِ واقعہ نہیں ہے، اس نقص کی طرف اقتباس کے ساتھ ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مطبوعہ ہفت تماشا کی اس غلطی کی تصحیح کے لیے اس کتاب کے کسی مخطوطہ کی طرف رجوع ضروری تھا۔ مگر کسی مخطوطہ تک رسائی نہ ہو سکی، برٹش میوزیم (لندن) کے کیٹلاگ میں "ہفت تماشا" کا مخطوطہ نظر پڑا، مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی) کے لائبریرین سید محمد حسین رضوی نے راقم سطور کی درخواست پر اس کا "میکروفلم" لندن سے منگوا دیا، یہ مخطوطہ "کرنیل جارج ولیم ہملٹن صاحب بہادر" کی ملکیت میں رہ چکا ہے، مخطوطہ پر نام اس طرح مکتوب ہے "ہفت تماشا تصنیف محمد حسن المتخلص مرزا قتیل علم فارسی" اس کا سالِ کتابت ۱۲۶۶ھ ۲۰ رجب المرجب ہے، گویا مصنف کی وفات کے تقریباً تیس سال بعد اس کی کتابت ہوئی! تصحیح طلب 'اقتباس' مخطوطہ میں جس طرح ہے وہ بھی الجھن کو رفع نہیں کرتا۔ مخطوطہ کی عبارت حسبِ ذیل ہے:-

"ملا نظام الدین پسرِ ملا قطب الدین سہالوی استادِ استادِ ملا محب اللہ بہاری بود در زمانِ دولت محمد شاہ بادشاہ سر آمد علماء بود، چنانچہ حالا ہم سلسلۂ فضلاء و طلبہ باد انتہا می پزیرد، ملا کمال الدین سہالوی شاگردش کتابے موسوم بہ عروۃ الوثقیٰ نوشتہ کہ نحاریر علما در کشفِ غوامض و حلِ دقائق آں حیران اند اگر استاد اول علمائے زمانہ حال ملا نظام الدین مرحوم است کہ فرنگی محل را در لکھنؤ از ذاتِ او شرفہاست لیکن

پیر طریقت شاں ہمیں ملا نظام الدین بود کہ ملا برکت الہ آبادی و مولوی فضل اللہ ملک العلماء یعنی مولوی حمد اللہ سندیلوی و ملا حسن فرنگی محلی و ملا حسن چریا کوٹی و ملا عالم سندیلوی تلامذۂ او بود، ملا حسن ہمشیر زادۂ ملا بود، باقی ہمہ اجانب، بالجملہ ملا حمد اللہ در آخر کہ چندے مورد عنایت ملائے مذکور شدہ بود نزد ملا نظام الدین ہم می رفت لیکن ہر چہ می یافت از کمال الدین یافت۔؟

مطبوعہ "ہفت تماشا" اور مخطوطہ میں ذرا فرق ضرور ہے، نشان زدہ الفاظ مطبوعہ سے مختلف ہیں مگر معناً کوئی بڑا فرق نہیں، البتہ مطبوعہ میں "پیر طریقت شاں ملا کمال الدین بود" ہے اور مخطوطہ میں "ہمیں ملا نظام الدین بود"۔ مخطوطے میں آگے جن شاگردوں کے نام لیے گئے ہیں وہ ملا نظام الدین کے نہیں ملا کمال الدین کے شاگرد ہیں!۔ اگر کسی طرح عبارت کو درست کیا جائے تو "پیر طریقت شاں" میں "شاں" کی ضمیر علمائے زمانۂ حال کی طرف پھیرنا پڑے گی، مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ زمانۂ حال کے علماء کے استاد اول ہیں تو ملا نظام الدین مرحوم ہی مگر ان علماء کے رہنمائے علمی ملا کمال الدین تھے، جن کے ایسے ایسے شاگرد ہیں! اس طرح عبارت کی صحت کے بعد مطبوعہ "ہفت تماشا" کا جملہ "ہمیں ملا کمال الدین بود" زیادہ مناسب رہے گا، مخطوطہ کا "ہمیں ملا نظام الدین بود" بالکل میل نہیں کھاتا۔

اشاریہ

مُرتّبہٗ جناب ضیاءُ الدّین انصاری

مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

Marfat.com

الف۔ آتش، خواجہ حیدر علی۔ ۴۶
آزاد بلگرامی، غلام علی۔ ۱۵، ۴۳، ۴۴، ۴۶، ۷۳، ۷۴، ۱۴۶، ۱۷۷، ۱۸۸، ۲۱۸، ۲۱۹۔
آزردہ، مفتی صدر الدین۔ ۱۰۲
آصف الدولہ (وزیر الممالک) ۱۳۹
آصف الدولہ (نظام الملک) ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۸۴۔
ابراہیم علیہ السلام۔ ۲۳
ابن بطوطہ۔ ۵۳
ابن حاجب۔ ۴۱
ابن حسن۔ ۱۸۶
ابن عربی، محی الدین۔ ۲۲۳
ابن ہمام۔ ۲۱۷
ابوالخیر (نبیرۂ شاہ عالم)۔ ۳۱
ابوالفتح۔ ۲۳۶
ابوالمعالی خاں۔ ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۰۸۔
ابوبکر صدیقؓ۔ ۱۳۱۔
ابو حنیفہ (امام اعظم)۔ ۲۲۳
احمد ابوالحسن، مفتی۔ ۱۸۸
احمد اللہ خیرآبادی۔ ۱۰۰
احمد انوار الحق۔ ۱۳، ۱۱۸، ۱۳۸، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶۔
احمد بن حافظ۔ ۳۶
احمد بن حنبل، امام۔ ۲۲۳
احمد سندیلوی، شیخ۔ ۲۴
ارسطو۔ ۲۲۸
انوار الحق۔ ۱۱۴
اسد اللہ۔ ۲۱، ۲۹
اسد اللہ جہانگیری۔ ۱۰
اسد یار خاں۔ ۱۹۱
اسماعیل اورنگ آبادی۔ ۴۴
اسماعیل بلگرامی، میر۔ ۱۴۳، ۱۴۴، ۲۴۲، ۲۶۸۔

Marfat.com

اسماعیل خاں ۔ ۱۷۸
اسماعیل شہید ۔ ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳
اسمتھ (ڈبلو کانٹ ویل اسمتھ) ۔ ۲۶۳
اشرف، چودھری محمد عظیم الدین ۔ ۳۴
اشرف اللہ، محمد ۔ ۲۵۶
افسوس، شیر علی ۔ ۷۰، ۷۲
افلاطون ۔ ۲۲۸
اکبر، (جلال الدین محمد) ۳۵
اکبر، الہ آبادی ۔ ۶۵، ۶۶۔
اکبر یار خاں، محمد ۔ ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۹۰،
۱۹۳، ۱۹۵
امام بخش ۔ ۱۱۵
امان اللہ (صدر عالمگیر شاہی) ۳۱
امان اللہ بنارسی ۔ ۴۴، ۶۱۔
امجد خاں (رفیع القدر) ۱۷۲
امین الدین ۔ ۱۶۵
امین اللہ ۔ ۱۸۸
انسان، غلام مصطفیٰ ۔ ۴۴، ۴۵
انشاء، انشاء اللہ خاں ۔ ۱۳۶
انصاری، حضرت ابو ایوب ۔ ۳۴، ۳۶
انعام اللہ ۔ ۱۳
انور ۔ ۲۹

ب۔ باب اللہ جونپوری ۔ ۱۰۰، ۱۲۸، ۱۲۹
بافتم ۔ ۲۹
باقر، امام محمد ۔ ۲۴۳۔
بدر الدولہ، قاضی ۔ ۱۲۱، ۱۲۴
بدلی، میاں ۔ ۳۲
بدھ (بن نظام الدین) ۳۶
بدیع الدین ۔ ۱۹۳
برکت الہ آبادی ۔ ۷۶، ۹۱، ۹۲، ۱۰۰، ۱۰۲
برکت مصطفیٰ، محمد ۔ ۳۳
برنیر (انگریز) ۶۸، ۶۹، ۸۴
برہان الملک (وزیر الممالک) ۷۲، ۱۷۶،
۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹
بلگرامی، سید شریف الحسن ۔ ۱۷۷
بلگرامی، عبد الواحد ۔ ۴۴
بلگرامی، محمد عارف ۔ ۳۳
بلگرامی، ملک بہار الدین ۔ ۴۴
بلگرامی، نور الحسن ۔ ۱۵۰
بو علی سینا ۔ ۲۲۸
بیرم ۔ ۲۹
بینی بہادر (راجہ) ۹۷
پ۔ پیر محمد شاہ ۔ ۲۹، ۶۱، ۸۶، ۸۸، ۸۹

Marfat.com

۱۰۳، ۱۰۴، ۱۴۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۶،
۲۳۷، ۲۴۴۔
ت۔ تاج محمود کنتوری۔ ۳۲
تجمل الدین محمد۔ ۲۲
تفضل حسین۔ ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۵۔
تقی الدین، محمد۔ ۱۰۰
تیمور۔ ۵۲-۵۳
ٹیپو شہید۔ ۱۱۷
ج۔ جامع کنتوری، سید۔ ۳۳
جامی، عبدالرحمن۔ ۲۴۶
جان صاحب، میر یار علی۔ ۶۶، ۶۷
جارج ولیم ہملٹن۔ ۲۷۹
جان محمد (قاضی) ۹۶، ۹۷، ۹۹
جائسی، علی قلی۔ ۴۴، ۶۱
جعفر ابن زین الدین حسینی۔ ۳۲
جلال الدین دوانی۔ دیکھئے دوانی،
علامہ جلال الدین۔
جمال الدین فرنگی محلی۔ ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳،
۱۲۴، ۱۲۵۔
جمال الدین محمود شیرازی۔ ۴۲
جمال میاں (فرنگی محلی) ۲۲، ۳۵، ۳۶
ح حافظ انصاری، شیخ۔ ۳۴، ۳۵، ۳۶

حامد۔ ۲۹
حبش خاں۔ ۱۲۳
حبیب اللہ، قاضی۔ ۱۲۷، ۱۷۹
حسام الدین، شیخ۔ ۳۰، ۵۰
حسام الدین حسین۔ ۶۸
حسام الدین عالم۔ ۳۴
حسام الدین عثمانی۔ ۳۱
حسن اقبال، خواجہ۔ ۴۲
حسن رسول، سید۔ ۲۴۵
حسن رضا خاں (سرفراز الدولہ) ۱۲۹
حسن مودودی۔ ۱۰۹
حمید ابدال شاہ۔ ۴۰، ۴۱
حیدر علی، سندیلوی۔ ۱۲۸، ۱۲۹
خ خالق داد خاں۔ ۱۹۱، ۱۹۵
خدا یار خاں۔ ۱۸۱، ۱۹۰، ۱۹۵۔
خضر خاں۔ ۵۲
خلیق احمد نظامی۔ ۱۱
خلیل الرحمن رضا احمد۔ ۳۱
خواجہ جہاں۔ ۵۲
خورشید احمد۔ ۲۱۰
خیر اللہ ۱۳۲

Marfat.com

د۔ داراشکوہ۔ ۲۴۴
دانیال چوراسی (ملا)۔ ۴۲
دبیرالدولہ، نواب۔ ۲۰۵
دلدار علی نصیر آبادی (غفران مآب) ۱۷،
۱۲۸، ۱۲۹
دوانی (علامہ جلال الدین)۔ ۴۹،
۴۲، ۱۰۸
دوست محمد۔ ۱۷۹
دوست محمد۔ دوسی۔ ۲۳۷
دوست محمد فتح پوری۔ ۴۴
دولت سہالوی، (قاضی) ۴۴، ۷۷،
۹۷۔
ذ۔ ذاکیۃ النار۔ ۲۰۹
ر۔ راجہ سورج پور۔ ۲۴۲
رافعہ۔ ۱۸۰
رامچندرجی۔ ۵۴
رام لچھمن۔ ۵۵
رانی جہانگیر آباد۔ ۲۱۲
رحمان خاں۔ ۱۹۰
رحمان علی۔ ۱۵
رحمت اللہ، شیخ۔ ۳۲، ۱۹۳۔
رحمت خاں، حافظ۔ ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۳۱،
۱۳۲، ۱۳۴، ۱۵۳
رضی الدین محمود۔ ۱۶، ۷۸، ۹۱،
۱۳۴، ۲۳۴
رفیع الدین۔ ۳۳۔
ز۔ زاہد ہروی، میر۔ ۴۸
زین العابدین، امام۔ ۲۲۷
زین العابدین سندیلوی۔ ۴۴
س۔ سخاوت اللہ، محمد (فرنگی محلی)۔ ۲۵۶
سری سقطی۔ ۲۲۳۔
سعادت علی خاں، نواب۔ ۷۱، ۱۲۷،
۱۲۸، ۱۲۸۔
سعدالدین، محمد۔ ۲۵۶
سعود بن قاضی نعمت اللہ۔ ۳۱
سلیمان ندوی، سید۔ ۵۲-۶۴-۶۵-۲۶۶-
۲۶۸-۲۶۹-۲۷۴-۲۷۵
سید احمد شہید۔ ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳
سیف الدین، شیخ۔ ۱۴۶۔
ش۔ شافعی، امام ابوعبداللہ۔ ۲۲۳
شاکراللہ۔ ۱۳۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۷۴
شاہجہاں۔ ۲۴۳
شاہد۔ ۲۹

شاہ عالم (محمد معظم)۔ ۷۰، ۷۲، ۱۳۳، ۱۷۲،
۱۷۵، ۱۸۳، ۱۸۴۔
شاہ عالم، میر۔ ۳۴
شاہ محمد سندیلوی۔ ۲۴
شاہ مدن (شاہ شرف الدین قادری جیلانی)
۹۷، ۱۳۳، ۱۳۷، ۱۳۸۔
شبلی نعمانی۔ ۳۸، ۳۹، ۶۸، ۲۵۹، ۲۶۱
شجاع الدولہ۔ ۹۷، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۵۲۔
شرر لکھنوی، عبدالحلیم۔ ۶۴، ۶۹، ۷۰۔
شریف جرجانی، سید۔ ۳۲
شفیع اللہ۔ ۲۹
شوق۔ قدرت اللہ۔ ۱۳۴
شوکت علی، مولانا۔ ۲۱۴
شہاب الدین سہروردی، شیخ۔ ۲۴۵
شہاب الدین گوپاموی۔ ۴۴
شیخ حفیظ۔ ۱۴۶
شیر بیگ۔ ۱۷۹، ۱۸۰۔
ص۔ صابر علی۔ ۳۳
صدر الدین، شیرازی۔ ۱۰۸، ۲۱۸۔
صدرالدین، قاضی۔ ۴۳۔
صدرالدین، منشی۔ ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳،
صدیار جنگ، نواب۔ ۲۱۸، ۲۱۹
صفت اللہ خیرآبادی۔ ۴۴
صفدر جنگ، ابوالمنصور۔ ۱۶۸، ۱۷۶، ۱۷۷،
۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۵،
۱۹۶۔
ض۔ ضابطہ خاں۔ ۱۳۳، ۱۳۷
ضامن۔ ۱۰۰
ط۔ طوسی۔ ۲۲۸
ظ۔ ظریف، سید۔ ۹۹-۱۰۰
ظفر جنگ (سید عبداللہ خاں) ۱۸۳
ظفر جنگ (معظم خانخاناں)۔ ۱۸۳
ظفر خاں۔ ۵۲
ظہور۔ ۳۲
ظہور اللہ (مفتی) ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۸۸۔
ع۔ عابد حسین، سید (ڈاکٹر) ۹۔
عالم سندیلوی، ملا۔ ۷۶
عالمگیر۔ ۱۴، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵،
۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۹، ۵۷، ۶۰، ۶۶،
۶۷، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۸۸، ۸۹،
۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵،
۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۴۔

Marfat.com

عبدالاعلیٰ۔ ۱۲، ۳۸، ۳۹، ۴۷، ۸۰،
۹۹، ۱۰۳، ۱۲۱، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴،
۱۳۸، ۱۵۰، ۱۸۸، ۲۰۷، ۲۱۶،
۲۱۹، ۲۴۲-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۶
عبدالباری (مولانا قیام الدین عبدالباری)
۱۴، ۱۵، ۲۲، ۳۹، ۹۵، ۸۳، ۱۲۵،
۱۳۵، ۱۴۲، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۲۹،
۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۹، ۲۴۸۔
عبدالباسط امیٹھوی۔ ۲۰۳، ۲۰۴۔
عبدالباقی، محمد (فرنگی محلی) ۲۰۴، ۲۰۹، ۳۴۷۔
عبدالجامع (فرنگی محلی) ۲۰۹
عبدالجلیل۔ ۲۳۳۔
عبدالحق خیرآبادی۔ ۲۱۵
عبدالحق محدث دہلوی۔ ۳۰، ۲۳۴۔
عبدالحکیم (مولانا فرنگی محلی) ۳۹، ۲۰۵۔
عبدالحکیم سیالکوٹی۔ ۳۸، ۱۹۵۔
عبدالحلیم (ملا فرنگی محلی) ۳۴، ۳۵، ۳۶،
۳۹، ۴۲، ۱۸۷۔
عبدالحلیم بن عبدالحکیم (فرنگی محلی) ۲۰۵۔
عبدالحلیم، مفتی (فرنگی محلی) ۱۸۸۔
عبدالحمید (ڈاکٹر)۔ ۹۵

عبدالحی حسنی رائے بریلوی۔ ۱۵، ۲۲، ۲۳۴۔
عبدالحی بن محمد رضا (فرنگی محلی) ۹۴، ۹۵،
۹۱، ۹۸، ۱۳۴، ۳۴۳،
عبدالحی فرنگی محلی (ابوالحسنات) ۴۹،
۵۳، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۸۸، ۲۱۶، ۲۴۸،
۲۵۶۔
عبدالرب۔ ۳۱، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۱،
۲۳۰، ۲۰۹، ۲۵۶۔
عبدالرحمٰن۔ ۳۱۔
عبدالرحمان شاہ۔ ۱۱۳۔
عبدالرحمان مفتی۔ ۹۴، ۹۵۔
عبدالرحیم۔ ۲۴۳، ۲۴۴۔
عبدالرسول۔ ۴۳۔
عبدالرشید شہید۔ ۱۱۵۔
عبدالرشید جونپوری۔ ۲۴۳۔
عبدالرقیب۔ ۱۴۳-۲۴۶
عبدالسلام دیوی (اعظمی) ۳۹، ۴۰،
۴۱، ۴۲، ۱۹۴، ۱۸۷، ۲۴۳۔
عبدالسلام لاہوری۔ ۴۲
عبدالصمد پیر (خدانما)۔ ۲۲، ۲۳۵۔
عبدالعزیز (بن ملا محمد سعید فرنگی محلی) ۴۹،

۸۵، ۹۰، ۹۱، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۸۳۔
عبدالعزیز محدث دہلوی۔ ۹۳، ۹۴،
۲۰۴۔ ۲۷۵
عبدالعلی خاں۔ ۱۱۸
عبدالغفار (فرنگی محلی) ۲۰۵، ۲۰۹،
۲۱۰، ۲۱۱۔
عبدالغفار خاں (ثابت جنگ)۔ ۱۲۰۔
عبدالقادر۔ ۱۶۷۔
عبدالقادر جیلانی۔ ۲۴۵۔
عبدالقادر رامپوری۔ ۱۳۶۔
عبدالقدس (فرنگی محلی) ۱۳۸۔
عبدالکریم بن شیخ احمد۔ ۳۲، ۳۴، ۳۵،
۳۶، ۳۹۔
عبداللطیف اعظمی۔ ۹۔
عبداللہ ابو احمد۔ ۱۱۸۔
عبداللہ، شیخ۔ ۱۷۸
عبداللہ، قاضی۔ ۲۲، ۳۰، ۳۱۔
عبداللہ امیٹھوی۔ ۱۴۴، ۱۶۰۔
عبداللہ انصاری (خواجہ)۔ ۳۴، ۳۶، ۳۷،
عبداللہ سندیلوی۔ ۹۱
عبدالماجد دریابادی۔ ۶۶۔ ۲۷۔
عبدالواجد خیرآبادی۔ ۱۰۰، ۱۱۸، ۱۲۱،
۱۳۵۔
عبدالواسع سیدنپوری۔ ۱۰۰۔
عبدالوہاب۔ ۱۲۰
عبدالہادی۔ ۴۴
عرشی (مولانا امتیاز علی) ۲۶۹
عزت اللہ، شیخ۔ ۲۲، ۳۰
عزت اللہ، سندیلوی۔ ۲۴
عزیز اللہ۔ ۱۳۶
عصمت اللہ۔ ۳۳۔
عطاء اللہ۔ ۳۳۔
عطا حسینی، محمد۔ ۱۳۲
علاء الدین۔ ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱،
۱۲۲، ۱۲۴، ۱۳۸۔
علم اللہ، شاہ۔ ۱۶۰، ۱۶۲
علی اکبر عرف بھولے۔ ۲۹، ۳۳۔
علی حسین خاں (تاج الامراء) ۱۱۷، ۱۱۸۔
علی رستم خاں۔ ۱۹۱۔
عمدۃ الامراء۔ ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱۔
عنایت اللہ درویش۔ ۲۴۴، ۲۴۵۔
عنایت اللہ فرنگی محلی۔ ۱۵، ۴۹، ۸۵،
۹۳، ۱۰۴، ۱۳۵، ۲۰۶، ۲۱۷۔

عین القضاۃ۔ ۲۱۰۔

عین الملک، امیر۔ ۵۳۔

غ۔ غزالی، امام محمد۔ ۲۴۶۔

غضنفر۔ ۲۹۔

غلام احمد، شیخ۔ ۱۹۳۔

غلام امام، شہید۔ ۱۰۰۔

غلام جیلانی بانسوی۔ ۲۳۶

غلام حسین کنتوری۔ ۳۳۔

غلام دوست محمد، شاہ۔ ۵۴

غلام رسول قاضی۔ ۱۷۸۔

غلام طیب۔ ۱۳۴۔

غلام عبدالقادر۔ ۱۱۵

غلام علی بانسوی رزاقی۔ ۵۴، ۲۳۵،

غلام قادر روہیلہ۔ ۹۱۔

غلام محمد، شیخ۔ ۲۲، ۳۰۔

غلام مخدوم، شیخ۔ ۱۵۷

غلام مسعود۔ ۱۸۹، ۱۹۴، ۱۹۷۔

غلام مصطفیٰ، قاضی۔ ۱۵۲، ۱۹۶،

۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹۔

غلام نقشبند، شیخ۔ ۴۵، ۴۶، ۶۱،

۷۸، ۸۸، ۸۹، ۲۳۷۔ ۲۷۶

غلام یحییٰ بہاری۔ ۱۰۰۔

غوث پاک۔ ۱۶۷، ۱۸۹، ۱۹۶، ۲۲۳،

۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۱۔

غوث انصاری فرنگی محلی۔ ۹، ۱۰۔

ف۔ فارابی۔ ۲۲۸

فاضل خاں۔ ۶۸۔

فاطمہؓ (بنت رسولؐ)۔ ۲۳۲

فتح اللہ شیرازی۔ ۴۲۔

فرحت اللہ۔ ۱۶۶۔

فرخ سیر۔ ۷۲، ۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶،

۱۸۳۔

فریدالدین فتحپوری، محمد۔ ۳۲۔

فضل اللہ، شیخ۔ ۲۲، ۲۰، ۳۵، ۳۶۔

فضل امام خیرآبادی۔ ۱۶، ۹۱، ۱۰۰،

۱۰۲، ۱۲۹، ۱۳۵، ۱۳۶۔

فضل حق خیرآبادی۔ ۹۱، ۲۱۵

فقیر اللہ۔ ۲۹۔

فیض اللہ خاں، نواب۔ ۱۱۱۔

فیضی، آصف بن علی اصغر۔ ۶۸

ق۔ قتیل، مرزا محمد حسن۔ ۶۴، ۶۵، ۷۶،

۸۹، ۹۰، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۳۔ ۲۷۹

Marfat.com

قدرت اللہ۔ ۱۹۳

قدوائی، شاہ عبدالنبی۔ ۲۰۲، ۲۰۳۔

قدوائی، عبدالسلام۔ ۹۔

قطب، شیخ۔ ۳۲۔

قطب الدین ابن کمال الدین۔ ۹۳۔

قطب الدین بختیار کاکی۔ ۲۵۵۔

قطب الدین رازی۔ ۴۲

قطب الدین شمس آبادی۔ ۴۴، ۲۱۵۔

قطب الملک، یمین الدولہ۔ ۱۷۳

قل محمد، قاضی۔ ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷۔

قلق لکھنوی۔ ۶۶۔

ک۔ کرامت اللہ، محمد (فرنگی محلی)۔ ۲۵۶۔

کریم الدین۔ ۳۳

کوکن عمری، محمد یوسف۔ ۱۱۴۔

گ۔ گھاسی الہ آبادی (قاضی صدرالدین) ۳۲، ۲۲۹۔

گیلانی، مناظر احسن۔ ۱۰۸-۲۷۲-۲۷۴

ل۔ لچھمن۔ ۵۴۔

م۔ مالک بن انس، امام۔ ۲۲۴۔

مبارک جیوری۔ ۳۳۔

مبارک شاہ۔ ۴۲، ۵۲۔

مبارک گوپاموی، قاضی۔ ۱۹۵۔

مجدد الف ثانی۔ ۲۳۹، ۲۴۴۔

محب اللہ الہ آبادی، شیخ۔ ۴۸، ۹۱، ۱۹۰، ۲۲۹، ۲۳۹۔

محب اللہ بن عبدالحق (فرنگی محلی) ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۹۳، ۱۹۶۔

محب اللہ بہاری، قاضی۔ ۴۴، ۲۱۵۔

محبت، نواب محبت خاں۔ ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱۔

محتسب ارزاقی۔ ۳۲۔

محسن کبیر۔ ۱۲۰۔

محمد آصف، چودھری۔ ۲۲، ۳۰، ۴۹، ۱۴۱۔

محمد احسن چڑیاکوٹی۔ ۱۰۰۔

محمد اسعد (فرنگی محلی) ۴۴، ۴۹، ۶۸، ۷۹، ۸۲، ۸۴، ۹۰، ۱۴۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۳، ۲۲۹۔

محمد اسلم۔ ۲۵۔

محمد اشرف سترکھی۔ ۱۹۰۔

محمد اصغر، مفتی (فرنگی محلی)۔ ۱۸۸
محمد اعلم سندیلوی۔ ۹۱، ۱۰۰۔
محمد باقر۔ ۶۱۔
محمد بن تغلق۔ ۵۳، ۵۴۔
محمد تقی پھولوی، قاضی۔ ۱۴۵۔
محمد حسن۔ ۹۱۔ محمد حسین الٰہ آبادی۔ ۲۷۵۔ محمد حسین رضوی۔ ۲۷۹
محمد حیدر۔ ۳۲۔
محمد خاں رزاقی۔ ۵۴، ۲۳۵۔
محمد سالم۔ ۹۲، ۱۰۲۔
محمد سعید (فرنگی محلی)۔ ۲۲، ۲۹، ۳۰،
۴۴، ۴۹، ۵۰، ۶۷، ۶۸، ۷۳، ۷۹،
۹۰، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۶۴، ۱۷۸، ۱۸۱،
۱۸۳، ۲۰۱، ۲۲۹۔
محمد شاہ۔ ۷۲، ۷۴،
محمد شاہ بادشاہ۔ ۷۶، ۹۹، ۱۷۸،
۱۸۱، ۱۸۲، ۲۰۳۔
محمد شریف۔ ۳۲۔
محمد شفیع۔ ۲۹۔
محمد صادق۔ ۱۱۵۔
محمد ظریف سوہوری۔ ۳۳
محمد عاشق۔ ۱۶۶۔

محمد عتیق، مفتی (فرنگی محلی)۔ ۱۵۰۔
محمد عثمان چشتی۔ ۱۴۶۔
محمد علی (فرنگی محلی)۔ ۹۰، ۹۱، ۱۹۶،
محمد علی۔ ۳۳۔
محمد علی (والی ارکاٹ)۔ ۱۱۴، ۱۱۵،
۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۳۸۔
محمد علی، مولانا (رئیس الاحرار)۔ ۲۱۴۔
محمد علی، میر۔ ۱۲۱، ۱۲۲۔
محمد علی واعظ رامپوری۔ ۱۲۱، ۱۲۲،
۱۲۳۔
محمد علیم، شیخ۔ ۱۴۶۔
محمد غوث (مدراسی)۔ ۱۱۵، ۱۱۸،
۱۱۹، ۱۲۰۔
محمد غوث، مفتی۔ ۱۷۲، ۱۸۴۔
محمد غوث کاکوروی۔ ۴۴۔
محمد فاضل۔ ۳۱۔
محمد کریم، شیخ۔ ۱۴۶۔
محمد ماہ۔ ۳۲۔
محمد ماہ جوہری۔ ۱۶۵، ۱۶۶۔
محمد مجتہد، سید۔ ۱۲۹۔
محمد مشائخ (فرنگی محلی)۔ ۲۵۶۔
محمد مغربی تلمسانی۔ ۲۷۵، ۲۷۶

Marfat.com

محمد معصوم۔ ۴۴۔

محمد ناصر (فرنگی محلی)۔ ۱۴، ۱۹، ۱۴۵۔

محمد نافع (فرنگی محلی)۔ ۳۱، ۱۱۰، ۱۳۸۔

محمد نعیم (فرنگی محلی)۔ ۱۴، ۳۲، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۴۵، ۱۹۰، ۲۰۵، ۲۵۳۔

محمد نقی۔ ۲۹، ۳۲۔

محمد واضح۔ ۱۶۰، ۱۶۱۔

محمد ولی، شاہ۔ ۱۴۶۔

محمد یعقوب، فرنگی محلی۔ ۹۱، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۰۹، ۲۴۲۔

محمد یوسف، مفتی (فرنگی محلی) ۱۸۸، ۲۱۰

محمدی، شیخ۔ ۲۴۶۔

محمود جونپوری۔ ۲۱۹۔

محی الدین کوشکتاری۔ ۴۲۔

مدد علی۔ ۱۸۹

مرتضیٰ، شاہ۔ ۲۴۶۔

مرتضیٰ بلوچی، امیر۔ ۱۳۸۔

مرتضیٰ خاں، نواب۔ ۱۹۵۔

مرزا غازی، حکیم۔ ۲۵۳۔

مستعان کاکوروی، محمد۔ ۹۶۔

مستعد خاں۔ ۱۹۵۔

معز الدین۔ ۲۴۳۔

معین الدین۔ ۲۴۳۔

معین الدین چشتی۔ ۲۲۹

مفتی مراد۔ ۸۵

ملک جائسی، محمد۔ ۱۸۱

ملک حمزہ۔ ۴۰، ۴۸

ملک محمد۔ ۱۶۷، ۱۶۸۔

ملو اقبال خاں۔ ۵۲، ۵۳۔

منیر شکوہ آبادی۔ ۶۶۔

مودودی، سید علی اکبر۔ ۱۰۹، ۱۲۹، ۱۳۰۔

مومن، حکیم مومن خان۔ ۲۰۴

میر محمد۔ ۱۷۲۔

(ن)۔ نادر شاہ۔ ۹۷، ۹۸، ۹۹۔

نجیب الدولہ۔ ۹۱، ۱۰۲، ۱۳۳۔

نرمیندر لا۔ ۶۸۔

نسفی، ابوالبرکات، حافظ الدین۔ ۲۱۷۔

نصر اللہ، حمایت اللہ۔ ۳۲۔

نصرت جنگ، باقر بیگ۔ ۱۷۲۔

نصیر الدین دہلوی، نواب۔ ۲۱۲، ۲۱۳۔

نظام الدین، شیخ۔ ۳۰۔

نظام الدین احمد صغیر۔ ۱۱۵

Marfat.com

نظام الدین امیٹھی۔ ۳۳۔
نظام الدین بن علاء الدین۔ ۳۶
نظام الدین سلطان الاولیاء۔ ۲۵۵۔
نظام حیدرآباد۔ ۱۱۳۔
نعمت اللہ، مفتی۔ ۱۸۸
نعمت اللہ فرنگی محلی۔ ۲۵۳۔
نعمت خاں۔ ۱۸۲۔
نعیم اللہ فرنگی محلی۔ ۱۲۵، ۱۲۷
نورالحق، قاضی۔ ۱۰۰، ۱۲۲، ۱۳۸۔
نوراللہ۔ ۱۳۶۔
نوراللہ چشتی۔ ۳۳۔
نور محمد۔ ۳۲، ۳۳۔
نول رائے، راجہ۔ ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۸۔
و۔ وجیہ الدین اشرف لکھنوی۔ ۱۹، ۲۰۔
وجیہ الدین دہلوی۔ ۱۰۲، ۱۰۳۔
وجیہ اللہ۔ ۱۱۶، ۱۱۷۔
ولی اللہ، شاہ۔ ۲۶۰، ۲۷۲
وحید مرزا (ڈاکٹر)۔ ۶۴۔
وسیم (بیرسٹر)، محمد۔ ۶۴، ۶۵۔
ولی اللہ انصاری، محمد۔ ۱۳، ۲۵،
۲۶، ۲۷، ۳۶، ۳۷، ۷۷، ۸۶،
۹۱، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۴۷، ۱۵۴،
۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۷،
۲۱۹، ۲۲۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۴۹،
۲۵۴، ۲۵۵۔
ھ۔ ہاشم خاں۔ ۱۸۲۔
ہاشمی فریدآبادی۔ ۹۳۔
ہدایت اللہ، شاہ محمد۔ ۳۴۔
ہدایت اللہ انصاری (فرنگی محلی)۔ ۲۵۶۔
ہدایت اللہ قادری۔ ۳۲۔
ہیوٹ، سرجان پرسکاٹ۔ ۶۵۔
یوسف اعظم، محمد۔ ۳۲۔
یوسف کوکن عمری، محمد۔ دیکھئے کوکن عمری محمد یوسف۔

※

کتابیات

Marfat.com

مخطوطات

(عربی) ۱۔ خیر العمل بتراجم علماء فرنگی محل: از مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی۔ (مدینۂ منورہ)
۲۔ تفسیر صغیر: از مولوی رستم علی قنوجی (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

۳۔ سبعیات: مکتوبہ مولانا عبدالحلیم سہالوی (جدّ ملا نظام الدین بانی درس نظامی) نزد مؤلف
۴۔ مقصود القاصدین: " " " " " " " "
۵۔ ہدایہ (آخیرین): " " " (فرنگی محل کلکشن مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)
(فارسی) ۶۔ آمدنامہ: از مولانا فضل امام خیرآبادی (نزد مؤلف)
۷۔ اغصان الانساب: از رضی الدین محمود فتح پوری (")
۸۔ بحر زخار: (ہر دو جلد) از وجیہ الدین اشرف لکھنوی (")
۹۔ رسالۂ قطبیہ: از ملا عبدالاعلیٰ فرنگی محلی۔ (")
۱۰۔ عمدۃ الوسائل للنجاۃ: از ملا ولی اللہ فرنگی محلی (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)
۱۱۔ فرحۃ الناظرین: از محمد اسلم انصاری (" " ")
۱۲۔ قرۃ الابصار فی نسب قطب الانصار: از مولانا عبدالباقی فرنگی محلی مہاجر مدنی (نزد مؤلف)
۱۳۔ لطائف اکبری: ہر دو جلد۔ از خواجہ سید حسن مودودی لکھنوی۔ (نزد مؤلف)
۱۴۔ مجموعۃ الفتاویٰ: از مفتی مظہر کریم دریابادی۔ (نزد مولانا عبدالماجد دریابادی)
۱۵۔ محاسن رزاقیہ: از ملا عبدالاعلیٰ فرنگی محلی (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی)

Marfat.com

۱۶۔ معدن الجواہر: از ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی۔ (مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی)

۱۷۔ وقائع قادر خانی: از عبدالقادر رامپوری (" " ")

۱۸۔ ہفت تماشا: از مرزا محمد حسین قتیلؔ (میکروفلم مولانا آزاد لائبریری)

(اردو) ۱۹۔ حالات تواریخی چودھریان گڑھی: ۔ (نزد مؤلف)

۲۰۔ تاریخ فرنگی محل: از مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ۔ (")

مطبوعات

(عربی) ۲۱۔ آثار الاول من علماء فرنجی محل: از مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ (مطبع مجتبائی لکھنؤ سنہ ۱۳۲۱ھ)

۲۲۔ رحلۃ ابن بطوطہ (۲۳) سبحۃ المرجان: از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی۔

۲۴۔ عُقدۃ وثیقۃ: از عماد الدین عثمانی لکھنی۔ (طبع ہو چکی ہو نزد مؤلف اس کا مخطوطہ ہے)

۲۵۔ نثر المرجان فی رسم نظم القرآن: از ملا محمد غوث مدراسی (مطبوعہ حیدرآباد دکن)

۲۶۔ نزہۃ الخواطر: جلد ۵ و ۶۔ از سید حکیم عبدالحی حسنی رائے بریلوی (دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

(فارسی) ۲۷۔ اغصان اربعہ: از ملا ولی اللہ فرنگی محلی (مطبع کارنامہ فرنگی محل سنہ ۱۲۹۸ھ / ۱۹۰۳ء)

۲۸۔ انوار الرحمٰن لتنویر الجنان: از مولوی محمد نور اللہ (مطبع نول کشور لکھنؤ سنہ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۳ء)

۲۹۔ تاریخ بدایونی: از ملا عبدالقادر بدایونی۔

۳۰۔ تذکرۂ علمائے ہند: از مولوی رحمان علی۔

۳۱۔ دریائے لطافت: از انشاء اللہ خاں انشاؔ (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن)

۳۲۔ سروِ آزاد: از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی۔

۳۳۔ مآثر الکرام: از علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (مطبوعہ حیدرآباد دکن)

۳۴۔ ملفوظ رزاقی: از نواب محمد خاں شاہجہانپوری۔

۳۵۔ مناقب رزاقیہ: از استاذ الہند ملا نظام الدین (شاہی پریس لکھنؤ، طبع دوم سنہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء)

(اردو) ۳۶۔ آرائشِ محفل:

Marfat.com

۳۷۔ تاریخ خطۂ پاک بلگرام: از شریف الحسن بلگرامی۔

۳۸۔ تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت: (حصہ دوم) از سید ہاشمی فرید آبادی (مطبوعہ کراچی)

۳۹۔ تذکرۂ مشاہیرِ کاکوری: از شاہ حافظ علی حیدر قلندر کاکوروی (اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۹۲۷ء)

۴۰۔ تذکرۂ علمائے فرنگی محل: از مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی (مطبوعہ اشاعۃ العلوم، فرنگی محل ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء)

۴۱۔ التنظیم لنظام التعلم والتعلیم: از مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی (مطبع انوار احمدی الہ آباد)

۴۲۔ حیاتِ شبلی: از علامہ سید سلیمان ندوی۔ (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۴۳۔ خانوادۂ قاضی بدر الدولہ: از ڈاکٹر یوسف کوکنی

۴۴۔ دولتِ مغلیہ کی ہیئتِ مرکزی: از ڈاکٹر ابن حسن مرحوم (مطبوعہ لاہور)

۴۵۔ "صدر یار جنگ": از شمس تبریز خاں (مطبوعہ تحقیقات و نشریات، لکھنؤ)

۴۶۔ فتاویٰ جواز یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ: از محمد حسن کوٹلہ بجنور (مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سنہ ۱۸۹۰ء)

۴۷۔ فیوض حضرت بانسہ: از مولانا عبد الباری فرنگی محلی (مطبع اشاعۃ العلوم فرنگی محل سنہ ۱۳۴۵ھ)

۴۸۔ کراماتِ رزاقیہ: از نواب محمد خاں شاہجہاں پوری

۴۹۔ گزشتہ لکھنؤ: از مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی

۵۰۔ گلستانِ طریقت: از مولوی محمد حسین متین فرنگی محلی (مطبع نجم العلوم فرنگی محل لکھنؤ سنہ ۱۳۰۸ھ)

۵۱۔ مقالاتِ سید سلیمان ندوی: (جلد دوم) از علامہ سید سلیمان ندوی (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۵۲۔ مقالاتِ شبلی: از علامہ شبلی نعمانی۔ (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۵۳۔ ہندوستان میں مذہبِ اسلام پر نظرِ ثانی کی ضرورت: از مسٹر اے اے فیضی (مکتبہ جامعہ نئی دہلی)

۵۴۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت: از مولانا سید مناظر احسن گیلانی (ندوۃ المصنفین دہلی)

انگریزی۔ ۵۵۔ پروموشن آف لرننگ اِن انڈیا ڈیورنگ محمڈن رول: از نریندر لا

۵۶۔ سفرنامہ برنیر:

۵۷۔ کیٹلاگ برٹش میوزیم: (فارسی مخطوطات)

Marfat.com

مقامات

اور

ادارے

Marfat.com

الف:- اجودھیا۔ ۶۶

احمد آباد۔ ۲۴۵

اردو اکاڈمی۔ ۱۰-۱۱

ارکاٹ۔ ۱۱۳-۱۱۴

اسپینی موضع۔ ۲۹

افغانستان۔ ۲۱۴

امروہہ۔ ۹۱-۹۲-۱۳۳

امیٹھی۔ ۲۲-۳۰-۳۳

اناؤ۔ ۲۳۶

انجمن مؤید العلوم۔ ۲۰۹-۲۱۲

اودھ۔ ۲۹-۵۲-۵۳-۶۰-۷۲

۹۱-۹۹-۱۱۲-۱۲۷-۱۲۸-۱۵۲

۱۰۲-۱۷۶-۱۷۹-۱۸۱-۱۸۳۔

۱۸۸-۲۴۳

ایسٹ انڈیا کمپنی۔ ۱۱۸

ب:- بارہ بنکی۔ ۴۰-۴۱-۴۸-۴۹۔

۶۱-۸۱-۱۸۸-۲۰۶-۲۲۸-۲۴۳-

۲۴۴-۲۵۶

بانسہ (شریف)۔ ۲۰۶-۲۳۸-۲۴۳۔

۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹

بجنور۔ ۹۱-۱۳۴

برٹش میوزیم (لندن) ۲۱۶

بردوان۔ ۱۱۱-۱۱۴-۱۱۵-۱۲۴-۱۳۱۔

برہان پور۔ ۴۹

بغداد شریف۔ ۴۸-۲۵۶

بلگرام۔ ۱۷۷

بنارس۔ ۶۱-۸۱

بنگال۔ ۹۰-۹۹

بوہار (قصبہ) ۱۰۵-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۴-۱۱۵

۱۳۱-۱۳۸

بہار۔ ۹۸-۱۹-۱۱۵

بہرائچ۔ ۹۷-۱۰۸-۱۸۲

بھروچ۔ ۲۴۶

بھوگاؤں۔ ۹۷

پ:- پنجاب۔ ۱۰۲

ت:- تیرہ (موضع)۔ ۲۳

ٹ:- ٹیلہ شاہ پیر محمد۔ ۸۹

ج:- جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ ۹

جائس۔ ۱۸-۱۹

جعفرا پیٹھ۔ ۱۲۱

جون پور۔ ۵۲

چ۔ چنگل پیٹھ۔ ۱۲۱

چنور۔ ۱۲۱

چھپرامئو۔ ۹۷

ح۔ حبیب گنج۔ ۲۱۸-۲۱۹

حسام پور۔ ۲۳

حیدر آباد۔ ۱۱۳-۲۱۴

خ۔ خالص پور۔ ۹۷

د۔ دار المصنفین۔ ۱۰

دارا نگر۔ ۹۱-۹۲-۱۰۲-۱۳۲-۱۳۴

دریاباد۔ ۲۴۳

دکن۔ ۷۰-۲۴۴-۲۴۶

دوآبہ۔ ۵۲

دولت آباد۔ ۵۴

دہلی (دلی) ۵۳-۶۹-۹۰-۹۱-۹۳
۱۰۱-۱۰۳-۱۲۳-۱۷۰-۲۲۵

دیپال پور۔ ۵۲

دیوہ (شریف) ۴۱-۵۶-۶۱-۸۱-
۱۶۱-۱۶۲-۱۷۵-۱۰۲

ر:- رام پور۔ ۹۱-۹۳-۱۰۵-۱۱۱-۱۲۴-
۱۳۱-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۸-۲۱۴-

رائے بریلی۔ ۶۱-۸۱-۱۲۹-۱۶۰

رباب گنج۔ ۲۰۵

ردولی (شریف) ۲۳۸-۲۴۴

رسول پور۔ ۳۲-۲۴۳

رضا لائبریری (رام پور) ۱۲۴-۲۱۶-
۲۱۷-۲۱۸

روہیل کھنڈ۔ ۱۳۱-۱۳۴-۱۳۶

س:- سبیحہ (موضع) ۴۸-۲۵۶

سترکھ (قصبہ) ۱۴۴

سُرگ دوار۔ ۵۴

سندیلہ۔ ۳۰

سورج پور ۲۴۳

سہارن پور۔ ۶۱

Marfat.com

سہالی۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵

۲۶۔ ۲۷۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۸

۴۲۔ ۴۸۔ ۵۰۔ ۶۰۔ ۶۸۔ ۷۷۔ ۷۹

۸۹۔ ۱۳۱۔ ۱۳۶۔ ۱۵۷۔ ۱۸۱۔ ۲۰۶

سیام پور سندونہ۔ ۱۷۰۔ ۱۸۲

ش:۔ شاہ جہاں آباد۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۱۳۳

شاہجہاں پور۔ ۱۰۵۔ ۱۰۹۔ ۱۱۱۔ ۱۳۱۔

۱۳۲۔ ۱۳۸۔ ۱۵۱۔ ۱۱۱

شمس آباد۔ ۵۴

ظ:۔ ظفر آباد۔ ۵۳

ع:۔ عظیم آباد۔ ۱۵۶

ف:۔ فتح پور (قصبہ) ۲۱۔ ۳۰۔ ۵۶۔ ۷۷۔

۹۷۔ ۹۸۔

فرخ آباد۔ ۵۴۔ ۹۷

فیض آباد۔ ۱۲۔ ۱۳۲

ق:۔ قنوج۔ ۵۲

ک:۔ کاکوری۔ ۲۰۹۔ ۲۴۶۔ ۲۱۷

کڑہ مانک پور۔ ۵۲۔ ۱۰۰

کرناٹک۔ ۱۱۴

کویت یونی ورسٹی۔ ۹

کیمبرج۔ ۴۸

گ:۔ گجرات۔ ۵۲۔ ۲۲۰۔ ۲۴۵

گڑھی بھلول۔ ۳۰۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۱۸۱۔

۱۸۲۔

گوپامئو۔ ۱۱۳

گومتی۔ ۸۸

گھکر۔ ۴۹

ل:۔ لاہور۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔

۵۲۔ ۱۸۶

لچھمن پور۔ ۵۴

لکھنؤ۔ ۵۵

م:۔ محمد پور۔ ۸۱۔ ۱۸۲

محمود آباد۔ ۲۴۳

مدراس۔ ۱۰۵۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔

۱۱۷۔ ۱۲۳

مدینہ منورہ۔ ۸۶۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵

مراد آباد۔ ۹۱۔ ۹۲

مسلم اکاڈمی۔ ۶۴

مسلم یونی ورسٹی۔ ۱۱

مظفر نگر۔ ۹۱

مکہ معظمہ۔ ۹۴

ملتان۔ ۵۲

Marfat.com

مولانا آزاد لائبریری۔ ۴۰۔ ۴۹۔ ۹۸
۱۳۶، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۱۹
موہان۔ ۲۳۶
ن: نجیب آباد۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴
ندوۃ العلماء۔ ۹۔ ۶۵۔ ۶۶۔

۲۱۸۔
نیوتنی۔ ۲۳۶
ہ:۔ ہردوئی۔ ۱۱۳
ی:۔ یمن۔ ۹۴
یوپی۔ ۶۵۔ ۲۲۶۔

نوٹ: اشخاص و مقامات کے وہ نام "اشاریہ" میں شامل نہیں کیے گئے ہیں جو فہرست مضامین میں سرخی، یا ذیلی سرخی کے تحت درج ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

اظہارِ تشکّر

کتاب "بانیٔ درسِ نظامیؒ" کی اشاعت میں ان عمائدینِ انصار نے خصوصی معاونت فرمائی۔ اور یہ حسین مرقعّ سرزمینِ پاکستان سے دوسری بار چھپ کر صاحبِ علم حضرات اور خصوصًا انصاری بھائیوں کی لائبریریوں کی زینت بنا۔ ہم مدرسہ جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور کے ممنون ہیں۔ کہ انہوں نے لاہور میں مدرسہ کی قدیم عمارت اور شیخوپورہ میں مدرسہ کی جدید عمارت کی تصویریں فراہم کیں۔ اور حاجی علی احمد سندھیلوی نے کتاب کے صفحات کی ہوبہو ٹریسنگ کروانے کے لئے اپنی لائبریری سے کتاب دے کر مدد فرمائی۔ جزاک اللہ

ناچیز
فقیر اثر انصاری فیض پوری

- حاجی نذیر احمد انصاری رئیسِ کندیاں ٹھیکیدار مچھلی چشمہ روڈ کندیاں ضلع میانوالی
- حاجی محمد اکرم انصاری نیو شاداب پارک نزد کینال پارک سرگودھا
- آغا محمد صدیق "آغا پرنٹرز" پری محل شاہ عالم مارکیٹ لاہور

Marfat.com

- چوہدری مقبول حسین دودھی "شیرِ ربانی ڈیری فارم پرانی انارکلی
لاہور
- شہزاز انصاری " انصاری سنز" شاہراہِ قائدِاعظم
لاہور
- چوہدری غلام یٰسین دودھی جھگیاں ناگرہ ملحقہ سبزہ زار سکیم
لاہور
- میاں عبدالرشید انصاری ۹۴-الحمد کالونی علامہ اقبال ٹاؤن
لاہور
- حافظ ڈاکٹر افتخار علی رجسٹرار آئی وارڈ میو ہسپتال
لاہور
- محمد نسیم انصاری "حمزہ انصاری زری ہاؤس" پاور لومز سٹریٹ
۹۰۸ صمد پورہ، اوکاڑہ سٹی
- حاجی غلام صابر انصاری سابقہ ایم' پی' اے
قصور
- الحاج میاں محمد اشرف انصاری' اقبال سویٹ ہاؤس صدر بازار
ساہیوال

ان کے علاوہ ان انصاری برادران کا بھی تہِ دل سے ممنون ہوں - جنہوں نے مُلا نظام الدین انصاری فرنگی محلی کے حالاتِ زندگی پر مبنی کتاب کی خریداری میں دلچسپی لی -

بصد شکریہ

فقیر اثر انصاری فیض پوری

Marfat.com

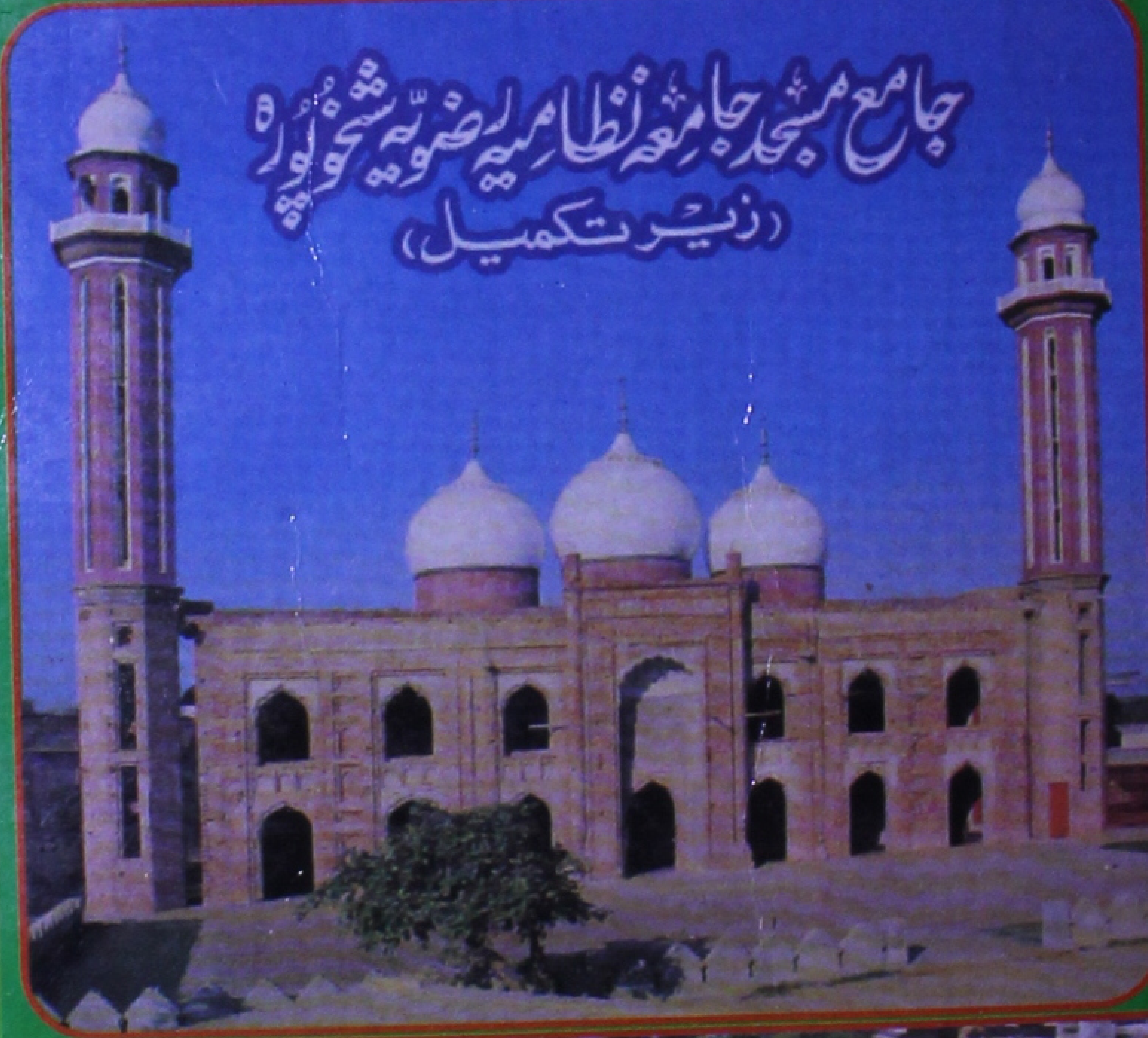

فقیر اثر انصاری فیض پوری کو اپنے اسلاف اور آلِ انصار کے عمائدین سے بڑا پیار ہے۔ انہوں نے مُلّا نظام الدین محمد انصاری کے حالاتِ زندگی پر کتاب چھاپ کر اپنی بے پناہ محبت کا ثبوت دیا ہے۔

حاجی مفتی علی احمد سندھیلوی، لاہور

محمد یاسین خاں مدینہ پبلشرز اینڈ کمپوزنگ سنٹر (جلیل منزل کمرہ نمبر 5 نزد چھپی منڈی لاہور)

Marfat.com